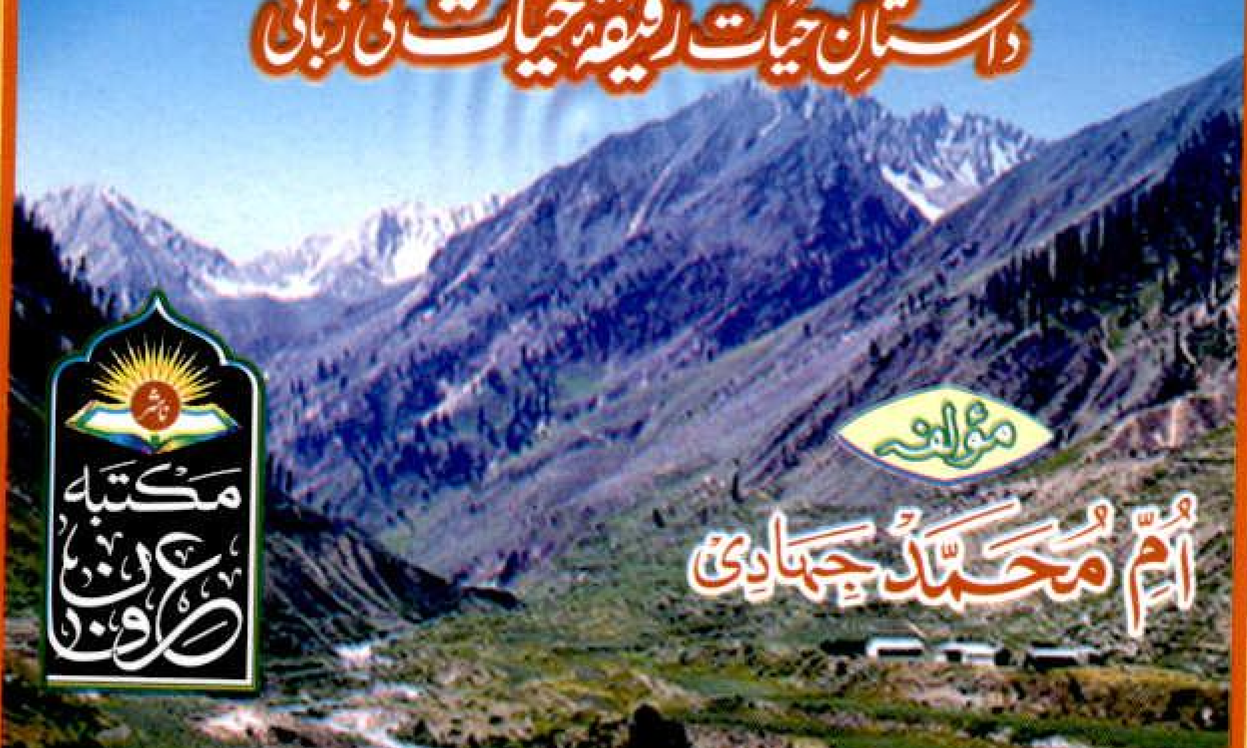
جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے ہم ہر حال میں اسکو اجرِ عظیم دیں گے (النساء ۷۴)

جہادِ ہند کا شہباز جرنیل

جہادِ ہند کے شہباز جرنیل غازی بابا شہیدؒ کی
داستانِ حیات رفیقہ حیات کی زبانی



مؤلفہ

اُمِّ محمد جہادی

ناشر
مکتبہ عرون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے ہم ہر حال میں اسکو اجرِ عظیم دیں گے

(النساء ۷۴)

جہادِ ہند کے شہباز جرنیل غازی بابا شہید کی
داستانِ حیات رفیقۂ حیات کی زبانی

جہادِ ہند کا شہباز جرنیل

مؤلفہ

اُمِّ محمد جہادی

مکتبۂ عرفان

نام .... جہادِ ہند کا شہباز جرنیل

مصنف .... اُمِ محمد جہادی

اشاعت اوّل تا دوئم .... تعداد ۲۲۰۰

اشاعت سوئم .... رمضان ۱۴۳۱ھ

تعداد ۲۲۰۰

صفحات ۴۱۶

قیمت .... ۳۰۰ روپے صرف

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

رجسٹرڈ

مکتبہ عرفان

ناشر

37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور

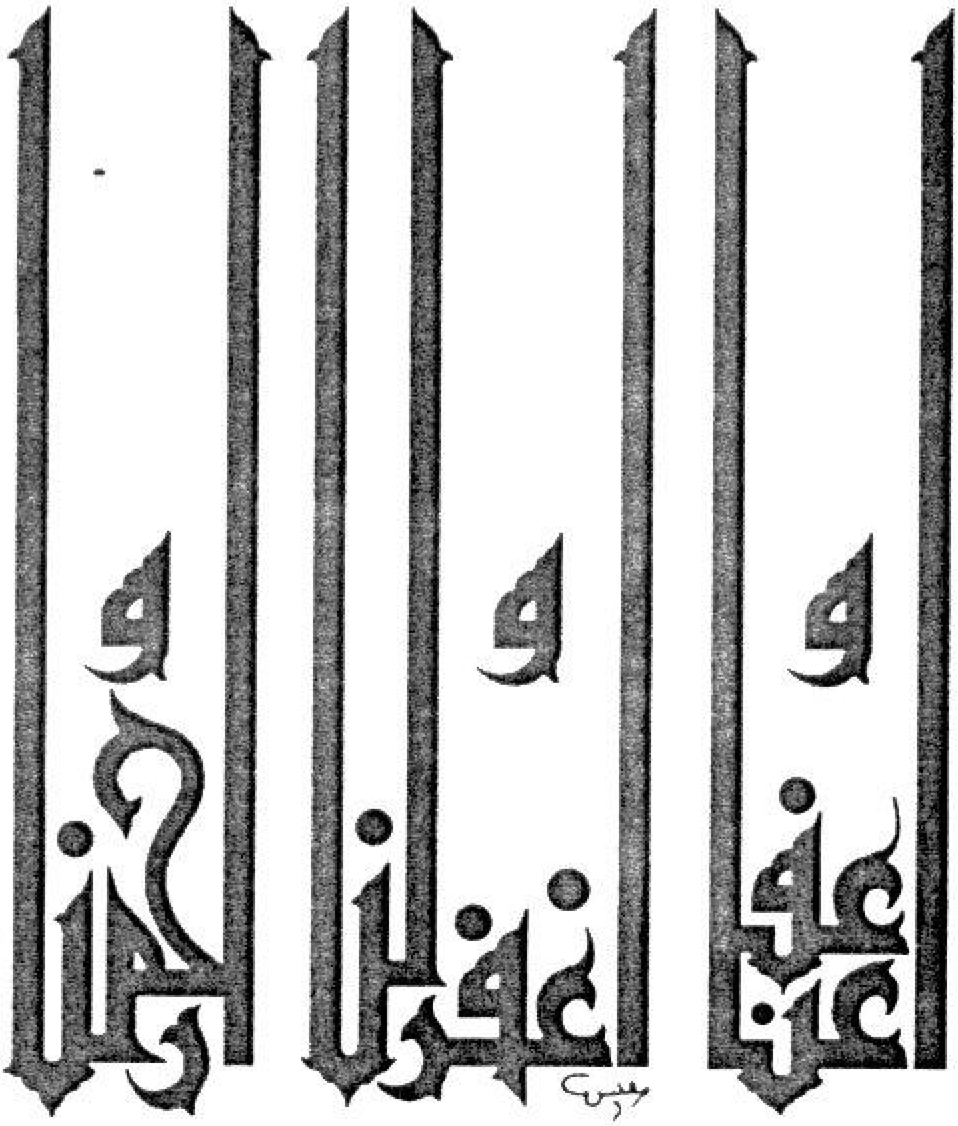
مکتبۃ ابن مبارک

اسٹاکسٹ

موبائل: 0321-4066827

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم



فہرست

انتساب

اپنی پیاری ماں کے نام

جو سرحد کے اُس پار منتظر، پرنم آنکھیں لئے مدت سے میری راہیں تک رہی ہیں۔ اور جن کے لرزتے ہاتھ میرے لئے ہمیشہ دعاء کے لئے اٹھے رہتے ہیں۔

ابو محمد جہادی کے نام

جنہوں نے نہ صرف کتاب کے لکھنے اور ترتیب دینے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا، بلکہ کتاب کو دوبارہ لکھنے کے لئے میرے اندر حوصلہ اور اعتماد بھی پیدا کیا۔

اور ان تمام بہنوں (خصوصاً اُم مریم فاطمہ) کے نام

جنہوں نے کتاب کی تکمیل کے لئے اپنے اوقاتِ خاص کی دعاؤں میں مجھے یاد رکھا۔

تقریظ

جہاد کشمیر ہر لحاظ سے ایک مکمل جہاد ہے۔

جُہد کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایسا مشکل اور مشقت والا جہاد اس زمانے میں کوئی اور نہیں۔ ہزاروں فٹ بلند پہاڑ، بڑے بڑے گلیشئر، برف پوش چوٹیاں، لاکھوں کی تعداد میں انڈین فورسز، خونی باڑ، خوفناک بارڈر، اپنوں کی جفائیں اور غداریاں، دونوں جانب رکاوٹیں غرضیکہ ہر ایسا سبب اپنی انتہائی حالت پر موجود ہے جس کی موجودگی میں ایک عام انسان تو کیا درمیانے جذبے اور عزم کا حامل شخص اس تحریک کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

مد مقابل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سامنے مشرکین ہیں، وہ مشرکین جن کے بارے میں حکم ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (التوبہ:۳۶)

ترجمہ: اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسا کے وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

جن کے لئے کہا گیا

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (البقرہ:۱۹۱)

(انہیں مارو جہاں پاؤ)

جن پر حملے کے لئے تاک میں بیٹھنے کا حکم آیا ہے

وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (التوبہ:۵)

(اور بیٹھ رہو ان کے لئے ہر خفیہ ٹھکانے پر)

جنہیں میدان جنگ میں سخت جنگ کے ذریعے نشان عبرت بنانے کا حکم ہے

وَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال:۵۷)

(سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں)

مقاصد کے اعتبار سے بھی یہ جہاد بہت مقدس اور اونچا ہے، آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

① مظلوم مسلمانوں کی امداد

ایسے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچنا اور جلد پہنچنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جو مظلوم ہوں، کفر کے قبضے میں پھنسے ہوں اور غلامی کی حالت میں ہوں۔

وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ (الانفال: ۷۲)

جب وہ دین کے نام پر مدد کے لئے بلائیں "فعلیکم" تم پر واجب ہے "النصر" ان کی مدد۔

جزاء پر ف کا آنا فوری عمل کے لئے، علیکم کا معنی ہے واجب اور خبر کی مبتدا پر تقدیم حصر اور لزوم کے بیان کے لئے ہے۔ یہ بات تو عربی گرائمر کا علم رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں عوام کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس جملے کا ترجمہ یوں بنتا ہے:

"تم پر فوری طور پر ان کی مدد کو پہنچنا ہی لازم ہے"

② عزتوں اور عصمتوں کی پاسداری

اور حفاظت اور ہتک عزت کا بدلہ

غزوۂ بنی قینقاع کیوں ہوا تھا؟ فتح الجواد میں سورۃ حشر کی تفسیر میں پڑھ لیجئے۔ مسئلہ ایک مسلمان خاتون کے دوپٹے کا تھا۔ اور کشمیر میں ہزاروں عزتیں پامال ہیں۔

③ استخلاصِ وطن

کافر مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ کرلیں بلکہ صرف قبضہ کرنے کے لئے چل پڑیں تو جہاد لازم ہوجاتا ہے۔ یہ بات فقہ کی اکثر کتب میں لکھی ہے۔

وواجب على الناس اذا جاء العدوان ينفروا المقل منهم والمكثر

(اور دشمن آجانے کی صورت میں جہاد فرض ہے ہر شخص پر خواہ مالدار ہو یا مفلس)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جامع عبارت کیا کہتی ہے:

قد تكون حالة يجب فيها نفير الكل.....وذلك اذا تعين الجهاد بغلبة العدو على قطر من الأقطار، او بحلوله بالعقر، فاذا كان ذلك وجب على جميع اهل تلك الدار ان ينفروا و يخرجوا اليه خفافا، وثقالا، شبابا و شيوخا، كل على قدر طاقته، من كان له اب بغير اذنه، ومن لااب له، ولا يتخلف احد يقدر على الخروج من مقاتل، او مكثر، فان عجز اهل تلك البلدة عن القيام بعدوهم كان على من قاربهم، وجاورهم ان يخرجوا على حسب حتى يعلموا ان فيهم طاقة على القيام مالزم اهل تلك البلدة، بهم، ومدافعتهم، وكذلك كل من علم بضعفهم عن عدوهم، وعلم انه يدركهم، ويمكنه غياثهم لزمه ايضا الخروج اليهم.....ولوقارب العدو دار الاسلام، ولم يدخلوها لزمهم ايضا الخروج اليه، حتى يظهر دين الله، وتحمى البيضة، وتحفظ الحوزة، ويخزى العدو، ولا خلاف فى هذا (الجهاد والقتال جلد۲ صفحہ ۱۸۸)

(اور کبھی حالت یہ ہوتی ہے کہ جہاد میں ہر شخص کا نکلنا لازم ہے اور یہ اس وقت ہے جب دشمن مسلمانوں کے کسی علاقے پر قبضہ کر لے یا مسلمانوں کی زمین تک آ پہنچے اور جب ایسا ہو جائے تو اس علاقے کے تمام لوگوں پر دشمن کے مقابل نکلنا واجب ہو جاتا ہے ہلکے ہوں یا بوجھل، جوان ہوں یا بوڑھے، ہر شخص پر اپنی طاقت کے بقدر نکلنا لازم ہے۔ اولاد اپنے باپ کی اجازت کے بغیر، اور کوئی بھی ایسا شخص پیچھے نہ رہے جو لڑ سکتا ہو یا میدان جنگ میں جا کر اپنے لشکر کی تعداد بڑھا سکتا ہو۔ اگر اس علاقے کے لوگ اس مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں تو ان کے قریب والوں پر لازم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے اس علاقے والوں پر تھا۔ اسی طرح ہر اس شخص پر جسے علم ہو کہ جہاد کرنے والے دشمن کے مقابلے میں کم اور کمزور ہیں اور وہ جا کر ان کی طاقت بڑھا سکتا

ہے اور ان کی مدد کر سکتا ہے اس پر بھی نکلنا لازم ہے۔ اور اگر دشمن مسلمانوں کے علاقے میں داخل نہیں ہوا مگر اس کے قریب پہنچ گیا اس وقت بھی مسلمانوں پر دین کے غلبے، اپنی زمین اور عزتوں کی حفاظت اور دشمن کو رسوا کرنے کے لئے نکلنا لازم ہے۔)

کشمیر صدیوں اسلامی ریاست رہا ہے جس پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا، تقسیم پاکستان کے اصول کے مطابق کشمیر پاکستان کا حصہ بنا تھا جس پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا اور بے ایمانی سے فوجیں اتاری گئیں۔ مزید ان لوگوں کو کیا کہا جائے جنہیں جہاد کشمیر کا شرعی ہونا سمجھ نہیں آتا یا پہلے آتا تھا اب بھول گیا۔ بعض لوگوں نے تحریک کشمیر کے بارے میں یہ مؤقف اپنا رکھا ہے کہ یہ زمین کی جنگ ہے، اسی ''اصولی مؤقف'' کی زد میں لا کر وہ نہ اس تحریک کو جہاد مانتے ہیں نہ اس کے مقتولین کو شہداء اور جہادی تنظیموں پر تبرا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا عبارت صاف بتا رہی ہے کہ زمین کی جنگ شرعی جہاد ہے، ایسا جہاد جس میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر نکلنا ہوگا اور ان لوگوں کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی زمین کے ٹکڑے کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو شریعت اسے بھی شہید کہتی ہے

من قُتِلَ دون ماله فهو شهيد (النسائی)

(جو شخص اپنی زمین (کی حفاظت) میں مارا گیا وہ شہید ہے۔)

تو مسلمانوں کی زمین کی خاطر اپنی جان کا ایثار کرنے والا کیوں نہیں؟ اور یہاں تو بات صرف زمین کی نہیں عزتوں کی حفاظت کی بھی ہے۔ ایسے لوگوں کا حق ہے کہ ان کی عقل و دانش اور دینی معلومات پر ماتم کیا جائے۔

بات دوسری طرف جا رہی ہے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہماری انتہائی محترم بہن جی محترمہ ام سیرت جہادی نے یہ کتاب لکھی ہے اور اس پر چند سطور تحریر کرنے کا مجھے حکم دیا گیا۔ یہ کتاب جن موضوعات پر مشتمل ہے مجھے ان سب سے انتہائی جذباتی تعلق ہے۔ یہ تحریک کشمیر کی روداد ہے اور جہاد کشمیر میرا عشق ہے۔ میں اس کے حوالے سے کافی جذباتی ہوں کیونکہ میں نے اس کے ہر رخ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اور اسے خوب پرکھا اور جانچا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ جو شخص بھی کشمیر، اہل کشمیر، جہاد کشمیر اور مجاہدین کشمیر کو قریب آ کر

دیکھے گا یقیناً ان تاثرات سے محروم نہ رہے گا جو ہمارے دلوں میں ہیں، ہاں دل سیاہ ہو تو الگ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کئی لوگوں کو جہاد کشمیر کی حیثیت سمجھانے اور مخالفت سے توبہ کرانے کا موقع ملا ہے، جتنے لوگوں سے اعتراضات سنے ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ لوگ جہاد کشمیر کو میڈیا اور مخالفانہ پروپیگنڈے کی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں سے عرض ہے کہ جہاد کشمیر کو مجاہدین سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

یہ کتاب جہاد کشمیر کے تاریخ ساز جرنیل ''غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کے تذکرے پر مشتمل ہے اور ہمارا ان سے تعلق بھی کچھ جذباتی سا ہے، وہ ابتداء میں میرے استاد تھے اور انتہاء میں دوست۔ میرے خیال کے مطابق وہ کسی بھی عملی مجاہد اور کچھ کرنے کا جذبہ رکھنے والے نوجوان کے لئے زمانۂ حاضر میں ایک بہترین رول ماڈل تھے۔ انہوں نے جہاد کے تمام مراحل طے کئے، جہاد کی ہر ترقی کو دیکھا۔ وہ مجاہد بنے، استاذ بنے اور آخر میں جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی طوفانی عسکریت کی حامل جماعت کے چیف کمانڈر اور انہوں نے ان تمام حالتوں کا حق ادا کیا۔ مجاہد بننے کا مرحلہ تھا تو ہر زبان پر ان کا نام ہوتا تھا کہ یہ محنتی، جنونی اور جذباتی لڑکا کچھ بنے گا، ہر وقت محنت، جسمانی مشقت، ذہنی ریاضت، سیکھنے کا جنون، کچھ کر گزرنے کا سودا اور ہر قربانی کا عزم۔ پھر وہ استاذ بنے تو بھی ایسے کہ ان کا شاگرد بننا ہر کسی کے لئے اولین ترجیح تھا۔ وہ صرف جسم نہیں ذہن بناتے تھے، صرف سکھاتے نہیں تھے ذہنوں میں اتارنے کی محنت بھی کرتے تھے۔ سخت ورزش کرانا، رگڑے لگانا اور پھر تھکے ماندے جسموں میں اپنی خوبصورت آواز میں نظمیں سنا کر بجلیاں دوڑانا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کا ہر شاگرد، بہترین مجاہد بنے اور کفر کے خلاف عملی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے، وہ ایسے استاذ نہ تھے جو محض ڈیوٹی پوری کر رہے ہوں یا لگا بندھا نصاب رٹا رہے ہوں۔ پھر وہ عملی میدان میں اترے تو بڑوں کی اطاعت، انتھک محنت اور جانفشانی سے کمانڈر حضرات کی نظروں میں مقام بنایا اور ایک کے بعد ایک ذمہ داری کے مستحق ٹھہرائے گئے، حتیٰ کہ خود سب سے بڑی ذمہ داری تک جا پہنچے اور یہاں پہنچ کر بھی انہوں نے آرام کرنے اور صرف زبانی احکام چلانے کی بجائے ایسی محنت اور مشقت کو اپنا شعار بنایا کہ سب کو حیران کر دیا، اپنوں کو بھی اور دشمنوں کو بھی۔ اگر سب یہ جانتے کہ سرینگر کے چوکوں پر جیب سے پسٹل نکال کر

فوجیوں کے سروں میں گولیاں اتار کر کبھی سائیکلوں اور کبھی موٹر سائیکلوں پر غائب ہو جانے والا شخص کوئی اور نہیں مشرکین کے لئے دہشت کا نشان غازی بابا ہے تو کیا تأثرات ہوتے؟ بہر حال انہوں نے ہر میدان میں اتنا سخت اور کڑا معیار اپنایا جسے اپنانا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور نبھانا تو بعد والوں کے لئے بہر حال ایک چیلنج سے کم نہیں۔ ہمارے استاذ محترم کو ہمارا اسلام جنہوں نے ہر جگہ بہت روشن مثالیں چھوڑیں کاش ان جیسے لوگ اور بھی پیدا ہوں اور ہمیشہ ہوتے رہیں۔

یہ کتاب مشتمل ہے کشمیر میں جام شہادت نوش کرنے والے کچھ اور دیوانوں کے ضمنی تذکرے پر جن کے ساتھ میری اپنی اتنی یادیں ہیں کہ لکھنے بیٹھوں تو ضخیم کتاب بن جائے۔ کمانڈر محمد (ارسلان شہید) عنصر محمود (حیدر شہید) زکریا (حذیفہ شہید) وہ لوگ ہیں جو عشق و وفاء کی عملی تصویر تھے۔عزم و ہمت کے پیکر تھے،قربانیوں کی روشن مثالیں تھے اور شوق شہادت کے مست حال،اس لئے میرے لئے تو یہ کتاب بڑی اہمیت اور عقیدت کی حامل ہے۔

کتاب کی مصنفہ خود ماشاء اللہ عملی مجاہدہ ہیں۔ بنات عائشہؓ کی قارئات تو ان کے نام اور کارناموں سے خوب آشنا ہیں اب اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگ اور بھی جان لیں گے۔یوں تو یہ پوری کتاب اور اس کی ایک ایک سطر مسلمانوں کے لئے عموماً اور جہاد سے تعلق رکھنے والے خواتین وحضرات کے لئے خصوصیت کے ساتھ سبق آموز ہے مگر میرے خیال میں اس کتاب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاد کشمیر جیسی مقدس تحریک کے بارے زبان زدعام اعتراضات کا توڑ ہو جائے گا۔ہم جب لوگوں سے کشمیر کے احوال بیان کرتے ہیں تو لوگ اکثر باتوں کو جھوٹ اور مبالغہ آمیزی پر محمول کرتے ہیں۔خواتین کی عصمت دری کی بات ہو یا ظالمانہ کریک ڈاؤنوں کی، گھروں سے غائب کئے گئے لوگوں کا ذکر ہو یا بے گناہ قتل کئے گئے معصوموں کا ہر بات پر شک کیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے لوگ مجاہدین سے بے زار ہیں، مجاہدین زور زبردستی ان کے گھروں میں گھستے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب چونکہ ایک کشمیری خاتون نے لکھی ہے اور اس کا عمومی منظر نامہ بھی آپ بیتی کا ہے اس سے قارئین بآسانی سمجھ سکیں

گے کہ کشمیر میں زمینی حقائق کیا ہیں؟ کشمیری عوام کس طرح کے بدترین مظالم کا شکار ہیں؟ کشمیری عوام کا مجاہدین کے ساتھ کس طرح کا جذباتی تعلق ہے اور کیسی وارفتگی کے ساتھ وہ ان کی خدمت کرتے ہیں۔ مجاہدین وہاں کن حالات میں رہتے ہیں اور کن مشکلات سے نبرد آزما ہیں۔ مجاہدین کے حملوں سے کشمیری عوام پر ہونے والے مظالم میں کمی آئی ہے یا اضافہ ہوا ہے؟ ان سب سوالوں کے جواب آپ کو انشاء اللہ اس کتاب میں مل جائیں گے۔

ایک بات ملحوظ رہے کہ یہ جہاد کشمیر کی اس زمانے کی داستان ہے جب مجاہدین مضبوط اور کثیر تھے اور ان کا نیٹ ورک بہت پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے ملک کے سابقہ ملعون حکمران پرویز مشرف کے دور میں اس کی ہندوستان کے ساتھ ملی بھگت کے باعث مجاہدین کے لئے مشکلات میں اضافہ ہوا اور کارروائیوں کی تعداد پہلے جیسی نہ رہی۔ اس وجہ سے عمومی تأثر پیدا ہوا کہ شاید مجاہدین ختم ہو گئے اور تحریک کشمیر دم توڑ گئی۔ یہ تأثر بالکل غلط ہے بلکہ مجاہدین کی قدرے خاموشی تدبیر کا حصہ ہے۔ الحمدللہ کشمیر میں جہاد جاری ہے، مجاہدین موجود ہیں، لڑ رہے ہیں اور پرعزم ہیں، ہاں جیسا کہ میں نے عرض کیا مشکلات زیادہ ہیں اور خطرات بھی اس لئے اہل ایمان مایوس ہونے اور ایسی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے مجاہدین کے لئے دعاء بھی زیادہ کریں اور تعاون بھی کیونکہ ان حالات میں ان دونوں چیزوں کی زیادہ ضرورت ہو جاتی ہے۔ ہماری جماعت کے شہداء کشمیر کی تعداد ہزار سے زائد ہے کیا ہم ان کے خون کو بھول جائیں گے؟ کیا ہم ان کشمیری مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر دیں گے جنہوں نے ہمارے ساتھیوں کی نصرت کرتے ہوئے اس جہاد میں اپنے گھر بار، بچے تک قربان کروائے؟ کیا ہم سختیوں، پریشانیوں اور ہر طرح کے مصائب کے باوجود آزادی کے مطالبے پر ڈٹے کشمیری اہل محبت کا ساتھ چھوڑ دیں گے؟ ہر گز نہیں۔

تحریک کشمیر سے دستبرداری کی سوچ کو بھی ہم شہداء کرام کے خون سے غداری کے مترادف سمجھیں گے۔ اس لئے کوئی بھی یہ نہ سوچے، جب تک تحریک کشمیر کے شرعی اہداف حاصل نہیں

ہو جاتے یہ جہاد جاری رہے گا۔

پاکستانی نوجوان اپنے ایک بھائی کے ان حالات کو غور سے پڑھیں اور اپنی ذمہ داری کو سمجھیں، جہاد صرف غازی بابا کے لئے نہیں ہم سب کے لئے اللہ کا حکم ہے، مظلوم مسلمانوں کی مدد صرف غازی بابا پر نہیں ہم سب پر لازم ہے، مشرکین سے لڑنا صرف غازی بابا کا نہیں ہم سب کا فریضہ ہے۔تو ہم اس سے غافل کیوں ہیں؟ ہم ان میدانوں کی طرف کیوں نہیں آتے جہاں عزت ملتی ہے، زندگی ملتی ہے، حوریں ملتی ہیں اور سب سے بڑھ کر ہمارے رب کریم کی رضا حاصل ہوتی ہے۔اس کتاب کے ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھیئے ۔عزم وہمت کی ایک ایک داستان کو دل میں اتاریئے اور شہداء کے معطر خون کے پیغام کو حرز جان بنا کر میدانوں میں نکل آئیں، کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے میدان جوانوں کے منتظر ہیں، ہماری دعاء ہے کہ یہ کتاب امت مسلمہ کو کئی غازی بابا دے اور جہاد کے ہر میدان میں غازی بابا سربکف نظر آئیں۔

مسلمان بہنوں کے لئے یہ کتاب خصوصیت کے ساتھ دل میں بسانے کے قابل ہے۔آج کی مسلمان ماں، بہن، بیوی اگر غلبۂ اسلام کی عملی جدوجہد کو اپنا کام بنالے اور عزم کر کے قربانی پر آمادہ ہو جائے تو اسلام کی نشاۃ ثانیہ، احیائے خلافت اور عظمت رفتہ کی بحالی کی منزل لمحوں میں قریب آجائے۔ماضی میں بھی ہمیں یہ نعمتیں مسلمان خواتین کے عزم وایثار کی بدولت ملیں آج بھی کچھ مشکل نہیں۔ زیب وزینت کا شوق، دنیا کی ہوس، فتنوں میں ابتلاء کا راستہ چھوڑ کر مسلمان بہن اس راستے کی طرف آجائے جس کی نشاندہی اس کتاب میں موجود ہے، مسلمان خاتون اپنے مال اور اولاد کی قربانی پر آمادہ ہو جائے، مسلمان عورت دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا مطمح نظر بنالے، مسلمان بہن صحابیات اور ہر زمانے کی مجاہدہ عورتوں کو اپنا آئیڈیل بنالے اور اس راستے کو اپنالے جس پر آپ کے اس زمانے کی ایک آبلہ پا بہن نے چل کر دکھایا تو آپ کے بھائی دنیا بھر کے کفر کو اس کے بل میں واپس دھکیل دیں۔ ہماری مخلص مجاہدہ بہن جی نے یقیناً اسی جذبے سے سرشار ہو کر یہ سطور رقم کی ہیں اللہ رب العزت ان کی اس محنت کو بارآور فرمائیں اور اس کا فائدہ عام وتام فرمائیں اور خواتین میں بیداری کا ذریعہ بنائیں۔

میں نے شروع میں عرض کیا کہ یہ ساری کتاب ان موضوعات پر مشتمل ہے جن سے میرا جذباتی تعلق ہے اس لئے قلم روکنا مشکل ہورہا ہے مگر اصل کتاب اور قارئین کے درمیان زیادہ حائل رہنا اچھا معلوم نہیں ہورہا اس لئے اس دعاء کے ساتھ میں رخصت ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائیں، اس کا فائدہ عام وتام فرمائیں، اسے مصنفہ اوران کے اہل خانہ کیلئے صدقہ جاریہ بنائیں ان کی قربانیوں کو قبول فرمائیں اور امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ کی زیر امارت اپنی حسین منزل کی طرف رواں دواں قافلۂ ایمان وعزیمت کی حفاظت فرمائیں، نصرت فرمائیں اور کامیابی سے ہمکنار فرمائیں۔ آمین یاارحم الراحمین

طلحہ السیف

۴ جمادی الثانی ۱۴۳۱ ہجری

پیش لفظ

غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے ایک قابل فخر اور قابل رشک جرنیل تھے جنہوں نے ہندوستان کے غرور کو کئی مرتبہ خاک میں ملایا اور اپنے جگر کے لہو سے جرأت وشجاعت، قربانی و ایثار کی وہ مثالی داستان رقم کی جسے زمانہ مدتوں یاد رکھے گا۔ جب میں انکی زندگی پر نظر دوڑاتی ہوں تو انکی سعادت مندی پر رشک کرتی ہوں۔ ہاں یقیناً وہ قابل رشک زندگی گزار گئے۔ انہوں نے اپنی کڑیل جوانی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے وقف کردی بالآخر سعادت والی موت کو گلے لگا کر ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے۔

میرے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ اسلام کے اس جوانمرد مجاہد کی جذبوں کو تازگی اور ایمان کو جلا بخشنے والی داستان کو تحریر میں لایا جائے۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی صاحبِ قلم اس موضوع پر قلم اٹھائے لیکن ایک عرصہ گذرنے کے باوجود کسی نے بھی اس عظیم مجاہد کی ایمان افروز زندگی کے بارے میں قلم نہیں اٹھایا تو دل میں کڑھن پیدا ہوئی چنانچہ میں نے اس عظیم ہستی کے تذکرے پر خود ہی قلم اٹھانے کی جسارت کرڈالی۔

میں نہ تو مصنفہ ہوں اور نہ ہی کوئی ادیبہ میرے جیسے نااہل اور کم علم انسان کے لئے غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے پر قلم اٹھانا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ لیکن ان کی قربانیوں اور محبت نے مجھے اس چیز پر مجبور کردیا۔ تقریباً تین سال قبل جب ان کی جدائی کا زخم بالکل ہرا تھا، میں نے طویل محنت کے بعد خون جگر سے ان کی داستان حیات تحریر کرنے کی سعی کی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ مسودہ حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ چونکہ اس کی نقل میرے پاس موجود نہ تھی اس لئے تحریر ضائع ہونے پر بہت صدمہ ہوا اور دل کے ساتھ ساتھ ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ کافی عرصہ قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ ماہنامہ بنات عائشہؓ میں وقتاً فوقتاً ٹوٹے

پھوٹے الفاظ میں کچھ مضامین شائع ہوتے رہے البتہ ضمیر کی خلش بدستور موجود رہی۔ دل کہہ رہا تھا کہ ان شہیدوں کا ہم پر حق ہے، بلا شبہ یہی لوگ قوم کا سرمایہ اور فخر ہوتے ہیں اس لئے غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان گمنام شہیدوں کی قربانیوں کو دنیا کے سامنے لانا چاہیے جنہوں نے اپنے گرم لہو سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔

لکھنے کا دل تو کرتا تھا لیکن ہر بار کم علمی اور کم ہمتی آڑے آجاتی تھی کیونکہ یہ کام نہ صرف مشکل اور محنت طلب تھا بلکہ میرے لئے صبر آزما بھی۔ بہر حال احباب کے اصرار خصوصاً ابو محمد کی ترغیب دینے پر میں نے اس موضوع پر ایک بار پھر قلم اٹھایا۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں اور یہ کہ اللہ رب العزت میری محنت کو قبول فرما کر میرا حشر بھی شہداء کے ساتھ کر دے اور اس کتاب کو قبول فرمائے اور اسے امت مسلمہ کی بیداری کا ذریعہ بنا دے۔ آمین

میری پوری کوشش تھی کہ یہ کتاب میری آپ بیتی نہ بننے پائے، میں چاہتی تھی کہ داستان ''جہادِ ہند کے شہباز جرنیل'' یعنی غازی بابا شہیدؒ کی ذات سے شروع ہو اور ان ہی پر ختم ہو جائے لیکن چونکہ میں نے صرف وہی حالات و واقعات بیان کئے جو میری موجودگی میں رونما ہوئے اور جن کی میں چشم دید گواہ ہوں اس وجہ سے کتاب میں میری سرگزشت بھی کچھ زیادہ شامل ہوگئی ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اس کا مطلب خودنمائی نہ لیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے لکھنے کا ہنر نہیں آتا میں کائنات کی سب سے حقیر اور گنہگار انسان ہوں میرے دامن میں اس عظیم مجاہد کی رفاقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، میں نے صرف اس غرض سے یہ داستان تحریر کی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اور ان شہیدوں کی برکت سے مجھے بھی بخش دیں۔

اس کتاب میں میری کوشش تھی کہ غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی داستان حیات، عسکری کارروائیاں، اخلاص و کردار غرض ہر پہلو کو اجاگر کیا جائے لیکن میرے جیسے کم علم اور معمولی انسان کے لئے یہ سب ممکن نہ ہوا، میں صحیح معنوں میں ان کا حق ادا نہیں کر سکی غزوۂ ہند میں جوانی کے نو سال گذارنے والے اس جرنیل کا ہر ہر پہلو اپنے اندر ایک داستان رکھتا ہے۔ میرے قلم میں وہ

طاقت کہاں کہ ان کی وہ داستانِ عزیمت بیان کر سکے میں صرف یہ کہوں گی کہ کردار و گفتار کا غازی...... غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ بہت عظیم تھا میرے تصور سے بھی عظیم...... انہیں قیامت تک میرا اسلام پہنچتا رہے۔

تو نے فرعون کی طاقت کا بھرم توڑ دیا
میرے شہید تیری جرأت، تیری عظمت کو سلام

سعدیہ جہادی
۳ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۹ اپریل ۲۰۰۹ء
مظفر آباد آزاد کشمیر

بچپن کی یادیں

وہ نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے اسے بڑی دیر سے تک رہی تھی۔ پھر اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر بولیں امی یہ بچہ کیسا بچہ ہے موٹا سا ناک، سانولہ رنگ ذرا بھی خوبصورت نہیں لگ رہا۔ بوڑھی خاتون نے بچہ اپنی گود میں لیا اور بیٹی کو تنبیہ کی۔ خبردار! دوبارہ ایسا مت سوچنا اللہ نے پہلا بیٹا دیا ہے اس طرح نعمت کی ناشکری نہیں کرتے اور میری یہ بات پلے باندھ لے یہ بچہ بڑا ہو کر عزت وعظمت کی بلندیوں کو چھوئے گا اگر زندگی نے وفا کی اور میں اسے بلندیوں کے سفر پر گامزن دیکھ سکی تو تمہیں ضرور یاد دلاؤں گی ورنہ میری قبر پر آ کر بتانا۔

اماں! آپ نے سچ کہا تھا میرے بیٹے نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا۔ واقعی سیالکوٹ کی تحصیل ''پسرور'' میں رانا محمد ابراہیم کی حویلی کے ایک چھوٹے سے نیم تاریک کمرے میں آنکھیں کھولنے والے اس ننھے سے بچے کے بارے میں کون جانتا تھا کہ یہ بڑا ہو کر آسمانِ جہاد پر ایک درخشندہ اور تابندہ ستارے کی مانند ابھرے گا اور اپنی کرنوں سے کفر کے ایوانوں کو بھسم کر کے رکھ دے گا۔ کون جانتا تھا کہ اس بچے کا بچپن قابل رشک، جوانی قابلِ فخر اور موت دائمی زندگی کا پیغام ہوگی۔ وہ ۵ مارچ ۱۹۷۵ء کی ایک صبح تھی۔ اس کے دنیا میں آتے ہی مسجد سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ہر طرف سے یہ آواز آ رہی تھی اللہ بڑا ہے ہاں صرف اللہ ہی بڑا ہے۔ کافی دیر اس کی معصوم سماعتوں سے یہ آوازیں ٹکراتی رہیں۔ پھر یہ بات گویا اس کی گھٹی میں شامل ہوگئی کہ صرف اللہ ہی بڑا ہے اور وہ ساری زندگی سوائے اللہ کے نہ ہی کسی سے ڈرا اور نہ ہی کسی کے آگے جھکا۔ اس کی ذہانت سے معمور بڑی بڑی چمکدار آنکھیں اور چوڑی کھلتی ہوئی پیشانی دیکھ کر نانی اماں نے اس کے حوالے سے یہ پیشین گوئی کی جو ایک مدت بعد حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اس کے بازو پر قدرتی طور پر ''باز'' کا نشان تھا اس لئے نانا ابو نے اس کا نام مدثر شہباز رکھ دیا۔ پسرور میں اس کا ننھیال تھا اور جتنا عرصہ وہ وہاں رہا اسی نام سے پکارا گیا جب وہ اپنے گھر واپس

آیا تو والد صاحب نے اس کا نام رانا طاہر ندیم رکھا۔اس کا آبائی علاقہ ضلع رحیم یار خان کا علاقہ صادق آباد تھا۔مجاہد کالونی گلی نمبر ۸ میں اس کا بچپن گذرا۔اس کے والد صاحب رانا طالب حسین زمانے بھر کے ستائے ہوئے تھے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔باپ کا شفیق سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔دنیا بھر میں ان کا واحد خونی رشتہ صرف انکی والدہ حیات تھیں۔طاہر ندیم کی آمد نے انکی دکھ بھری زندگی میں مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں بکھیر دیں۔وہ بہت خوش تھے کہ اللہ نے انہیں پہلی اولاد بیٹے کی صورت میں دی ہے جو بڑا ہو کر ان کا بازو بنے گا وہ بچپن میں انتہائی ضدی ہوا کرتا تھا۔اس کی والدہ صاحبہ کا کہنا ہے کہ رات کو وہ جب نیند سے جاگتا تو جس چیز کا نام منہ سے نکلتا اس کے علاوہ کوئی اور چیز لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔کبھی زبان سے نکلا مالٹا کھانا ہے اگر وہ میسر نہ ہوتا تو وہ تمام رات روتا رہتا، بے شک اس کے علاوہ اور کتنی ہی چیزیں کیوں نہ دی جاتیں اس نے مالٹا ہی لینا ہوتا تھا پھر اس کے والد صاحب نے یہ ترکیب بنائی کہ روزانہ شام کو ہر قسم کے پھل کا ایک ایک دانہ لے آتے اور چارپائی کے ساتھ رکھی میز پر رکھ دیتے رات کو اس نے جس چیز کا نام لیا وہ پیش کی جاتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان کی والدہ صاحبہ کا یہ شکوہ بھی دور ہوا کہ بچہ خوبصورت نہیں ہے عموماً پیدائش کے فوراً بعد بچوں کے نقش ونگار کا کچھ پتہ نہیں چلتا جب تک کہ وہ کچھ بڑے نہیں ہو جاتے طاہر ندیم بڑی بڑی آنکھوں اور گھنگریالے بالوں والا گول مٹول خوبصورت اور توانا بچہ تھا۔

ابتدائی تعلیم اس نے اپنے محلے کے ایک سکول سے حاصل کی۔اس کے بعد ان کے ہاں ایک اور بھائی کی پیدائش ہوئی پھر تین بہنوں اور ایک اور بھائی کے بعد چھ بہن بھائیوں پر ان کا کنبہ مکمل ہو گیا۔وہ سب بہن بھائیوں میں سے منفرد طبعیت کے مالک تھے اس لئے ان کی شرارتیں بھی سب سے الگ اور نرالی ہوا کرتی تھیں۔ایک دفعہ اس نے اپنے والد صاحب کا پرانا کوٹ لیا کہیں سے نقلی داڑھی اور بال بھی حاصل کر لئے۔یہ سب چیزیں پہن کر انہوں نے ایک بوڑھے فقیر کا روپ دھار لیا اور محلے بھر میں صدائیں لگاتے رہے۔اللہ کے نام پر کچھ دے دو باجی! اس کے محلے کی کئی خالاؤں نے جو اس کو اچھی طرح جانتی تھیں فقیر سمجھ کر خیرات دے دی۔آخر

میں اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ امی جی کے کانوں میں فقیر کی آواز تو آئی لیکن وہ اس آواز کو بالکل پہچان نہ پائیں، انہوں نے چھوٹی بہن نادیہ کے ہاتھ خیرات بھیج دی اس نے جب پراگندہ بکھرے ہوئے بال، الجھی ہوئی لمبی لمبی داڑھی والے کو دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس وقت وہ بالکل چھوٹی سی تھی، ،بہن کی حالت پر طاہر ندیم کی ہنسی چھوٹ گئی، اتنے میں امی جی بھی نادیہ کی آواز سن کر باہر آ گئیں۔ سامنے ہنسی میں لوٹ پوٹ فقیر کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئیں۔ ارے طاہر یہ تم ہو بدتمیز کہیں کے یہ کیا حرکت ہے۔ جوتا اُٹھا کے اس کی طرف جو لپکیں تو طاہر ندیم نے منتیں شروع کر دیں امی جی مجھے مت ماریں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ سب میں نے کس لئے کیا۔ امی جی دراصل میں پریکٹس کر رہا تھا کہ اگر مجھے دشمن ملک میں بھیس بدل کر کوئی کام کرنا پڑے تو کیا میں کامیاب ہو جاؤں گا امی جی میرا تجربہ کامیاب رہا یہ دیکھیں فلاں فلاں خالہ نے مجھے خیرات بھی دے دی ہے۔

وہ اپنے سکول میں نہ صرف ہونہار، بے باک بلکہ انتہائی ذہین طالب علم مانے جاتے تھے اسکول کے تمام پروگراموں میں چیلنج کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ ایک طرف پورا اسکول ہوتا تھا اور دوسری طرف وہ اکیلے کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں شروع سے ہی ناکامیوں سے نفرت تھی اس لئے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے وہ اس پر بھرپور محنت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کا اسکول کیمپنگ پر گیا ہوا تھا وہاں ایک پروگرام میں ایک خیمے کو آگ لگانا تھی اور اس میں موجود لڑکے کو بھڑکتی آگ کے شعلوں سے گذر کر اپنا دفاع کرنا تھا اس خطرناک مظاہرے کے لئے پورے سکول میں طاہر ندیم کے علاوہ کوئی تیار نہ تھا۔ اس پروگرام میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے انہوں نے انعام بھی حاصل کیا۔ وہ بہادر اور نڈر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی رحمدل تھے۔ ایک مرتبہ وہ سکول جارہے تھے گلی میں ان کے محلے کی ایک لڑکی جس کا نام صفیہ تھا رو رہی تھی انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولی ٹیچر نے فیس جمع کرانے کا کہا ہے امی کے پاس پیسے نہیں ہیں اور آج آخری دن ہے ٹیچر کلاس میں نہیں بیٹھنے دے گی۔ وہ بولے تم روؤ نہیں میں ابھی تمہارے لئے پیسے لاتا ہوں۔ گھر جا کر انہوں نے اپنے جیب خرچ سے پیسے لا کر اس لڑکی کو دے دیئے چند دن بعد وہ بچی پھر اسی

حالت میں ملی وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا طاہر بھیا! میری کاپی پنسل ختم ہو گئے انہوں نے اسے کاپی پنسل خرید کر دی اور کہا کہ آئندہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہا کرو اس طرح وہ ایک عرصہ اس غریب بچی کی مدد کرتے رہے۔

جوانی کے شب و روز

ان کی یہ خواہش ان کے ساتھ ہی جوان ہوئی کہ میں بڑا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑوں گا اللہ پاک نے انہیں تندرست و توانا مضبوط اور فولادی جسم عطاء کیا تھا۔ مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی داستانیں سن کر وہ تڑپ اٹھتے اور ان کے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ میں اپنے مظلوم بہن بھائیوں کے لئے کچھ کروں، بچپن کو خیر باد کہہ کر جوں ہی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس خواہش کو عزم بنالیا۔ ابتدائی طور پر انہوں نے ''کرش انڈیا'' نام سے ایک گروپ بنایا جس کے تحت وہ مظلوم مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے فنڈ اکٹھا کرتے تھے۔ انہوں نے ''کرش انڈیا'' یعنی بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اپنا عزم بنالیا اور اس کا ایک خوبصورت فریم بنا کر اپنے بیڈروم میں سجالیا، جواب بھی ان کے جذبات اور قابل رشک خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ وہ اپنا سارا جیب خرچ کشمیر فنڈ میں دیتے تھے اور عید کے موقع پر سب سے پہلے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے زبردستی پانچ پانچ، دس دس روپے کشمیر فنڈ کے لئے لیتے تھے اگر دیکھا جائے تو وہ شخص پیدا ہی مجاہد ہوا تھا۔ راہ وفا کا راہی بننے سے پہلے انہوں نے خود کو ہر لحاظ سے تیار کیا تعلیم کے ساتھ ساتھ کراٹے کی ٹریننگ حاصل کی اس طرح اپنے نظریے کے علاوہ اپنے جسم کو بھی پختہ کرلیا۔ گھر میں ان کی عجیب قسم کی مشقیں جاری رہتی تھیں وہ کبھی ریت سے بھرے ہوئے تھیلے پر مکے مارتے تھے اور کبھی گندم کے دانوں سے بھرا ہوا ڈرم جس کو شاید پنجابی زبان میں ''پڑولا'' بھی کہا جاتا ہے ان کے زیر ستم آجاتا تھا وہ ٹیڑھا میڑھا ''پڑولا'' ان کے والدین کو آج بھی ان کی یاد دلاتا ہے۔ والد صاحب ان کی حرکتوں سے پریشان تھے ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے لیکن وہ سب سے پہلے ماہر کراٹے ماسٹر بنے۔ انہوں نے صادق آباد میں اپنا ایک کراٹے کلب کھولا اور کافی عرصہ نوجوانوں کو کراٹے ٹریننگ دیتے رہے۔ ایک دفعہ وہ کلب سے واپس آئے گیم کے

دوران انہوں نے مخصوص یونیفارم پہن رکھا ہوتا تھا، ہاتھ میں نن چکو پکڑا ہوا تھا ابو کے بقول یہ سب آوارگی والے مشاغل تھے انہیں یہ سب اچھا نہ لگا بیٹے کے ہاتھ سے نن چکو چھین کر محبت اور غصے کے ملے جلے انداز میں اس کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا انہوں نے خبردار کیا ابو! اس کو چلانے کے لئے تجربے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ یہ الٹا انسان کے سر پر پڑتا ہے۔ ابو اس وقت جلال میں تھے فوراً وار کیا نتیجتاً ضرب ان کے سر پر ہی پڑی طاہر ندیم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئے اور بولے دیکھا! یہ بہت خطرناک چیز ہے اس لئے آئندہ اس کو کبھی نہ چھیڑیئے گا ان دنوں ابو جی بھی جوان تھے اس لئے باپ بیٹے میں دوستانہ ماحول بھی کبھی کبھی بن جاتا تھا اور ایسے معاملات چلتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ وہ کلب جانے کی تیاری کر رہے تھے دوپہر کا وقت تھا گھر میں سب لوگ سو رہے تھے اچانک ان کی نظر سب سے چھوٹی بہن شازیہ پر پڑی وہ نہ جانے کب کی چارپائی سے گری پڑی تھی۔ صادق آباد کی جھلسا دینے والی گرمی میں اسے ٹھنڈے فرش پر پرسکون نیند آ گئی اور وہ ادھر ہی سوئی رہی وہاں پر تین چارپائیاں ایک قطار میں لگی ہوئی تھیں طاہر کو شرارت سوجھی انہوں نے بہن کو دھکا دے کر چارپائیوں کے نیچے کر دیا حیرت اور مزے کی بات ہے کہ اس قدر کمانڈو کک لگنے کے باوجود بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی اس کارروائی کے بعد وہ خود کلب چلے گئے گھر والے جب آرام کر کے بیدار ہوئے تو شازیہ کو غائب پا کر اس کی تلاش شروع کر دی گھر میں تلاش کرنے کے بعد پورا محلّہ چھان مارا لیکن سب بے سود، شام تک گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ مسجد میں اعلان کرایا گیا۔ رانا طالب حسین کی بچی چار سالہ شازیہ دوپہر سے لاپتہ ہے کسی کو بچی کے بارے میں کوئی معلومات ہوں تو براہ کرم اطلاع دیں۔ محلے کے لوگ ان کے گھر پوچھنے کے لئے جوق در جوق آ رہے ہیں مغرب سے ذرا دیر پہلے طاہر ندیم کلب سے واپس آئے تو گلی میں لوگوں کا جم غفیر دیکھا جوں جوں گھر قریب آیا انہیں محسوس ہوا کہ لوگ انہی کے گھر سے آ جا رہے ہیں اللہ خیر کرے شاید بے بے (دادی اماں) اللہ کو پیاری ہو گئیں اس خیال کے آتے ہی ان کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے انہیں معلوم نہ تھا کہ محلے بھر کو پریشان کرنے والے وہ ہی تو ہیں۔ گھر

میں قدم رکھا تو امی جی ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگیں بہنوں نے الگ سے آنکھیں سوجا رکھی تھیں دادی اماں کو چار پائی پر براجمان پا کر انہوں نے امی جی سے پوچھا امی جی کیا ہوا ہے؟ طاہر! اپنی شازیہ کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے امی نے روتے روتے یہ جملہ کہا تو ایک لمحے کے لئے وہ بھی پریشان ہو گئے۔ کب سے؟ انھوں نے سوال کیا۔ ہم سو کر اٹھے تو وہ کہیں نظر نہیں آئی ہر جگہ تلاش کیا ہے۔ انہیں یہ یقین تو نہ تھا کہ وہ ابھی تک سو رہی ہوگی پھر بھی امی جی کو چار پائی پر بٹھا کر وہ اندر کی طرف گئے۔ چار پائی کے نیچے جھانکا تو انکی ہنسی چھوٹ گئی وہ ایک کونے میں پڑی ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی ٹانگ سے کھینچ کر باہر نکالا تب اس کی آنکھ کھل گئی جب وہ اس کو لے کر باہر آئے تو سب لوگ دنگ رہ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے اندر بچپن میں جو عادتیں پختہ ہو جاتی ہیں وہ ساری زندگی کسی نہ کسی طرح اس کی شخصیت کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ کشمیر میں میں نے انہیں وقت کا بڑا پابند پایا وہ رابطے پر بھی مقررہ وقت سے ایک منٹ کم یا زیادہ نہیں آتے تھے اس وقت میں یہ سمجھ رہی تھی کہ ان کی ذمہ داریوں کی وجہ سے انہیں اس چیز کا خیال رکھنا پڑتا ہے لیکن جب میں ان کے گھر آئی تو یہ سن کر حیران رہ گئی کہ وہ زندگی کے اس دور میں بھی وقت کی قدر کرتے تھے جب انسان انتہائی لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور بے فکر ہوتا ہے۔ مجھے ان کے کالج کے دور کی ایک ڈائری مل گئی جس میں ان کے دن بھر کے کاموں کے اوقات درج تھے۔ امی جی نے مجھے بتایا کہ انہوں نے چوبیس گھنٹے کا ٹائم ٹیبل بنا کر دیوار کے ساتھ چپکایا ہوا تھا جس میں یہ درج تھا کہ فلاں وقت میں کہاں ہونگا اور کس وقت کون سا کام کرنا ہے۔ ان کا کوئی دوست انہیں ملنے آتا تو میں کہتی تھی بیٹا وہ ٹائم ٹیبل لگا ہوا ہے اس میں دیکھو کہ اس وقت طاہر کہاں ہوگا اور پھر وہ انہیں اسی جگہ پاتے جہاں کا ٹائم ٹیبل میں لکھا ہوتا تھا، انکی ذہانت اور ڈسپلن پر ان کے دوست واحباب فخر کرتے تھے یقیناً جو لوگ وقت کی قدر کرتے ہیں وقت بھی ان کی قدر کرتا ہے۔

کشمیر جانے سے پہلے وہ کمزور جسامت رکھتے تھے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ عظیم مجاہد تلواروں کے سائے میں اور محاذوں پر ہی جوان ہوا۔ وہ دراز قامت تھے لیکن اس وقت گوشت پوست کچھ

کم ہی تھا جب میں ان کے ابو جی سے کہتی تھی کہ اب وہ پہلے کی طرح کمزور نہیں رہے تھے بلکہ ان کی صحت قابل رشک ہو گئی تھی تو ابو جی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں لگ جاتی تھیں اور وہ کہتے تھے بیٹا میں نے تو طاہر کی جوانی دیکھی ہی نہیں، کاش! میں اس کو ایک بار دیکھ سکتا پھر بے شک وہ واپس چلا جاتا۔ ان کے بچپن کا ایک ایک واقعہ وہ مجھے کئی کئی بار سناتے تھے۔ بہنیں انہیں ٹوکتی تھیں کہ یہ واقعہ آپ بھابی کو کئی مرتبہ سنا چکے ہیں میں انہیں منع کرتی تھی کہ وہ انہیں کہنے دیں کیونکہ مجھے ان کے اندر کے کرب کا احساس تھا۔ میں خود بھی اس وقت انہی حالات سے گزر رہی تھی انسان کو جس سے محبت ہو اس کا ذکر کرنا اور سننا اُسے کبھی برا نہیں لگتا ابو جی میرے ساتھ ہر وقت انہی کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خان پور میں کسی بڑے پہلوان کا مقابلہ تھا حیرت کی بات ہے اس کا مد مقابل طاہر ندیم تھا دیکھنے میں وہ کمزور نظر آ رہے تھے لیکن ورزش کی پابندی اور کراٹے ٹریننگ نے ان کے بازوؤں میں بجلیاں بھر دی تھیں، یہ مقابلہ خان پور مدرسے کے احاطے میں ہو رہا تھا جہاں ان دنوں طاہر ندیم کا چھوٹا بھائی حفظ کر رہا تھا اور وہ بھی مقابلہ دیکھنے والوں میں شامل تھا پہلوان تو پھر پہلوان ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی انتہائی بھاری بھرکم اور موٹا تازہ پہلوان تھا جب اس نے اپنے کمزور و نحیف مد مقابل کو دیکھا تو اس کے شانے تھپکا کر بولا بیٹا گھر جا کر کچھ کھاؤ پیو پھر کبھی مقابلے کے لئے آ جانا انہوں نے جواب دیا آپ مقابلے کے بغیر مجھے کمزور سمجھ کر غلطی کر رہے ہیں میدان میں آ کر دیکھتے ہیں کون بہادر ہے پہلوان بولا کیوں اپنی ہڈیاں تڑوانے پر تلے ہوئے ہو۔ انہوں نے آستین اوپر چڑھا کر کہا آؤ دیکھتے ہیں کہ کون کس کی ہڈیاں توڑتا ہے بالآخر مقابلہ شروع ہو گیا۔ پورے مجمع پر سناٹا طاری تھا سب کو اس کم سن لڑکے پر ترس آ رہا تھا یہ بالکل ہاتھی اور چیونٹی والا معاملہ لگ رہا تھا طاہر ندیم کچھ دیر اپنا دفاع کرتا رہا لیکن پہلوان کا ایک زوردار مکا اس کی ناک پر لگا تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور چکرا کے زمین پر گر پڑا ناک سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے پہلوان اپنی فتح کا اظہار کرتے ہوئے فضا میں بازو لہرانے لگا عین اسی وقت طاہر ندیم زخمی شیر کی مانند اٹھ کھڑا ہوا اور پہلوان کے بازو کو اتنی قوت سے کھینچا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ گیا اس کے بعد انہوں نے

اسے سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا یہاں تک کہ وہ بے سدھ ہو کر اکھاڑے میں گر پڑا، مجمع سے داد و تحسین کی صدائیں بلند ہونے لگیں انہیں انعام سے نوازا گیا اور پہلوان نے اپنا بلیک بیلٹ اتار کر انہیں دیتے ہوئے کہا مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم اتنی کم عمری میں اس قدر بہادر ثابت ہوئے آج تک مجھے کسی نے نہیں ہرایا یہ بلیک بیلٹ میری طرف سے ہدیہ ہے۔ طاہر ندیم نے اس کا بلیک بیلٹ شکریہ کے ساتھ لوٹاتے ہوئے کہا کہ میں نے کسی انعام کے لالچ میں یہ مقابلہ نہیں کیا بلکہ میں نے کافروں سے لڑنے جانا ہے اور میں اپنی قوت بازو کا اندازہ کر رہا تھا شام کو وہ اس حالت میں گھر لوٹے کہ ہاتھ میں خوبصورت ٹرافی تو تھی مگر شکل بدلی ہوئی تھی، ان کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جس کی وجہ سے منہ بری طرح سوج گیا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی نے پہلے ہی آ کر امی جی کو بھائی کی تمام کارگزاری سنا ڈالی تھی امی جی نے اسے سختی سے جھٹک دیا تھا بھلا طاہر کا پہلوان سے کیا مقابلہ؟ ان کے لئے یقین کرنا مشکل تھا لیکن جب انہیں پہلی نظر میں اپنے لاڈلے بیٹے کو پہچاننے میں دشواری ہوئی تو یقین کرنا پڑا، ابو جی غصے کے ذرا تیز تھے پہلے انہیں سخت غصہ آیا کہ اس طرح ٹکر لینے کی کیا ضرورت تھی پھر بیٹے کی تکلیف دیکھ کر ان کا غصہ جاتا رہا اور اس کے علاج معالجے کی فکر لگ گئی۔

ان کے بچپن کے دوست محمد عظیم، ساجد احمد، نوید احمد اور محمد اویس شہیدؒ تھے ان میں سے کئی دوستوں نے ان کے ساتھ جہاد میں جانے کا عہد و پیمان کیا تھا لیکن محمد اویس شہیدؒ کے علاوہ کوئی اور وعدہ وفا نہیں کر پایا، طاہر ندیم چونکہ اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے اور بڑی اولاد ہمیشہ والدین کے ارمانوں اور امیدوں کا محور و مرکز ہوتی ہے وہ انتہائی لائق اور ماں باپ کے فرمانبردار تھے وہ نہ صرف گھر میں بلکہ خاندان میں بھی ہر دل عزیز تھے۔ ان کے ایک ہی ماموں تھے جو پسرور میں رہ رہے تھے، کافی امیر اور کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ پنجاب میں بچپن میں ہی نسبتیں طے کرنے کا رواج ہے ماموں کی ایک بیٹی انتہائی حسین و جمیل تھی خاندان میں ہر ماں کی خواہش تھی کہ وہ اس کے گھر کی زینت بنے لیکن ماموں ابراہیم کی نظریں طاہر ندیم پر لگی ہوئی تھیں ایک دن انہوں نے اپنی بہن سے کہا کہ میری بیٹی کے لئے سب خاندان والے پوچھ رہے ہیں، طاہر

اوراس کی جوڑی کیسی لگے گی؟ امی جی بولیں یہ تو میری خوش قسمتی ہوگی، اس دن سے ماموں زاد کزن طاہر ندیم کی منگیتر کہلانے لگی خاندان والوں نے اس جوڑے کو سراہا اور باقی کزن طاہر ندیم کی قسمت پر رشک کرنے لگے دن گذرتے گئے والدین کے کہنے پر انہوں نے پاک آرمی میں لیفٹیننٹ پوسٹ کے لئے درخواست دے دی۔ انٹرویو کے تمام مراحل انہوں نے اپنی قابلیت اور ذہانت کے بل بوتے پر اول پوزیشن میں پاس کئے، وقت گذرتا رہا دنیا جدیدیت کی راہوں پر رواں دواں تھی، اس کے چاروں طرف دنیا ہی دنیا تھی، رنگوں اور روشنیوں میں جگمگاتی دنیا ہر طرف سے اس کے سامنے سامانِ غفلت لاتی رہی۔ اس کا بچپن بھی اس ماحول میں گذرا اور جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تب بھی چاروں طرف دنیا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔ اللہ نے اُسے بہت پیاری جوانی دی تھی لیکن اس نے اپنی جوانی کو ہمیشہ شباب و کباب سے دور ہی رکھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی اور ہی دنیا کے خواب بسے تھے۔ ایک ایسی دنیا جہاں سونا، جاگنا، کھانا، پینا سب کچھ عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر فرشتے نصرت کے لئے اترتے ہیں۔ جس کے ہر راستے پر پاک و معطر حوریں استقبال کے لئے کھڑی رہتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دنیاوی رعنائیاں اُسے اپنی طرف کھینچنے میں ناکام رہیں۔ اس کے سینے میں دبی جذبہ جہاد کی چنگاری شعلہ جوالہ بنتی جا رہی تھی پھر ایک دن اس نے اپنے دوستوں کے سامنے اپنے دیرینہ خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینے کا فیصلہ سنایا اور ان سے پوچھا کہ سعادتوں کے اس سفر میں کون کون ان کے ہمرکاب ہوگا۔ ان سب میں سے اللہ رب العزت نے ان دو خوش بختوں کو چن لیا۔ ہاں محمد اویس شہیدؒ اور رانا طاہر ندیم، یہ دونوں خوبرو اور خوب سیرت نوجوان حوروں کے لئے ہی بنے تھے **واللہ یختص برحمتہ من یشاء** کے مصداق اللہ نے انہی کو پسند فرمایا۔ پھر اس مجلس سے اٹھ کر اس نے یہ عزم کیا کہ کوئی ساتھ دے نہ دے میں اپنے دین کی سربلندی کے لئے لڑوں گا اپنی بہنوں کے دوپٹے کی حفاظت کی خاطر میدان میں کود پڑوں گا، اللہ پاک نے مجھے یہ کڑیل جوانی دی ہے یہ مضبوط بازو دیئے ہیں ان کے بارے میں مجھ سے ضرور سوال ہوگا، ہاں میں ان بازوؤں سے دشمن کی کلائیاں مروڑ دوں گا۔

شہباز کی پہلی پرواز

گھر میں ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، واقعی خوشی کا مقام تھا۔ رانا طالب حسین کا ہونہار بیٹا لیفٹیننٹ بن گیا تھا، آج ڈاکیے نے جو چھوٹا سا لیٹر پکڑایا تھا وہ پورے گھر کے لئے خوشی کا پروانہ ثابت ہوا تھا۔ طاہر ندیم گھر آئے تو فضائیں بدلی ہوئی تھیں گھر والے انہیں مبارک باد دے رہے تھے مگر ان کے چہرے پر خوشی کی بجائے پریشانی اور اداسی کے آثار پیدا ہو گئے یہ بھی ان کے ایمان کا امتحان تھا کہ جب انہوں نے جانب مقتل جانے کے لئے پختہ ارادہ کر لیا عین اسی وقت ایک پرکشش نوکری کا آرڈر آ گیا۔ ہر والدین کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچوں کو زندگی کی ہر خوشی اور سہولت میسر آئے۔ بڑی اولاد پر وقت سے پہلے ہی ان ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا جاتا ہے کہ چھوٹے بہن بھائیوں کے مستقبل کا بھی اس نے خیال کرنا ہے۔ اس رات انہیں کافی دیر نیند نہیں آئی، بہن بھائیوں کے چہرے ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئے جو اس دن خوشی سے کھلے ہوئے تھے۔ کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے اپنے عزیزوں کے لئے دنیا کی عارضی اور فانی خوشیوں کے بدلے آخرت کی حقیقی اور دائمی خوشیوں کا انتخاب کیا۔ انہیں یہ خیال بھی پریشان کرنے لگا کہ ان کے جانے کے بعد گھر والوں بالخصوص امی جی پر کیا گزرے گی ان کی والدہ صاحبہ پڑھی لکھی حساس طبیعت کی خاتون تھیں۔ ابو جی ان پڑھ تھے اس لئے غصے کے بھی کچھ تیز تھے۔ امی جی کہتی تھیں جب کبھی مسئلہ ہوتا تھا میں اپنے سارے دکھ درد طاہر کو سنایا کرتی تھی، جب وہ محبت سے مجھے یہ کہتا تھا امی جی آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں میں ہوں ناں، تو میں سارے غم بھول جاتی تھی۔ وہ کئی بار امی جی کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے اور اس موقع پر ماں کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو بھی انہیں یاد آ رہے تھے۔ انہیں بہت کچھ یاد آ رہا تھا اپنی چھوٹی چھوٹی محبت کرنے والی بہنیں، ابو کے وہ ارمان جب وہ دونوں بیٹوں کو دائیں بائیں کھڑا کر کے فخر سے کہتے تھے یہ میرے بازو ہیں اب میں اکیلا نہیں ہوں میرے شیر جوان

بیٹے میرا سہارا ہیں۔ اسے اپنی منگیتر کا بھی خیال آیا، خاندان میں آزادانہ ماحول تھا اس نے وہ حسن کا پیکر کئی مرتبہ دیکھی تھی۔ مجھے اتنی اچھی نوکری مل گئی ہے اب گاڑی آئے گی بنگلہ بھی ہوگا لیفٹیننٹ کو ویسے بھی کئی سہولتیں میسر ہوتی ہیں، وہ پری جمال لڑکی میری زندگی کی ساتھی بنے گی، زندگی کتنی حسین لگے گی دنیا کی ہر خوشی میرے قدموں میں ہوگی۔ خیالات کی رو میں بہتے ہوئے وہ کہیں دور جا پہنچے وہاں ہر طرف آگ اور خون نظر آ رہا تھا، گولیوں سے چھلنی لاشوں پر بین کرتی مائیں، وہ دریدہ آنچل بہنیں جن کے آنسوان کے چہروں پر ان کے ارمانوں کا نوحہ لکھ رہے تھے، وہ تصور کی آنکھ سے اس بوڑھے باپ کو دیکھ رہے تھے جس کی آنکھوں کے سامنے اس کی عزت نیلام کی جا رہی تھی، اسے ایک جھرجھری سی آئی جیسے وہ نیند سے بیدار ہوئے۔ یا اللہ! ہم کتنے بے حس ہو چکے ہیں اسلام لٹ رہا ہے ہماری بہنوں کے سر سے دوپٹے اتارے جا رہے ہیں، ان کی عزتیں تار تار ہو رہی ہیں اور ہم مصلحتوں میں ہی پڑے ہوئے ہیں، ہاں میں کشمیر جاؤں گا وہاں کی مظلوم بہنوں کو میری زیادہ ضرورت ہے۔ میری بہنیں تو محفوظ ہیں، باعزت طور پر اپنے گھر میں رہ رہی ہیں مجھے ان کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ انہوں نے وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا اس کو بغور دیکھتے ہوئے سوچنے لگے کیا یہ نوکری میرے راستے کی رکاوٹ بن رہی ہے؟ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا پھر انہوں نے اس کاغذ کے دو حصے کر ڈالے۔ ایک چھوٹا سا خط اپنے گھر والوں کے نام تحریر کیا اور ان دونوں کو تکیے کے نیچے رکھ کر آنے والی صبح کے بارے میں سوچنے لگے۔

اگلے دن وہ نئی منزلوں اور نئے راستوں کی طرف محو سفر تھے، ان کا رخ افغانستان میں واقع معسکر خالد بن ولیدؓ کی جانب تھا ان کے جانے کے بعد گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ وہ کیا گئے گھر سے خوشیاں ایک ایک کر کے روٹھ کر جانے لگیں، دادی اماں بھی اب چپ چپ رہنے لگی تھیں طاہر ندیم ان کو ہر وقت چھیڑتے رہتے تھے اور دادی اماں کی پیاری ڈانٹ ڈپٹ سے سب گھر والے محظوظ ہوتے تو وہ پیار سے انہیں بچا اور شیر کہا کرتی تھیں، سرِ شام دادی اماں حکم دیتی تھیں میرے شیر کے کمرے کی بتی جلاؤ خبردار ادھر کبھی اندھیرا نہ رہے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے معسکر سے خط بھیجا وہ ابتدائی تربیت حاصل کر چکے تھے، اس کے بعد ماموں ابراہیم انہیں معسکر سے واپس لے آئے وہ

واپسی کے لئے کب تیار تھے؟ آخران کے استاد نے انہیں کچھ عرصہ گھر جانے کی اجازت دے دی وہ کافی بدل گئے تھے۔ مجاہدین کے ایمانی ماحول میں شب وروز گزارنے کے بعد انہیں اب دنیاوی ماحول میں گھٹن محسوس ہورہی تھی وہ تقریباً تین ماہ گھر پر رہے اس عرصے میں ان کی امی جان نے انہیں پسندیدہ کھانے کھلائے، انہیں امی جی کے ہاتھ کا کھانا بڑا پسند تھا۔ انہوں نے گھر کے ماحول کو کافی حد تک بدل دیا اور والدین کو جہاد اور مجاہدین کے اجروثواب اور ترک جہاد پر سخت وعیدیں سنا کر کسی حد تک قائل کرلیا اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز بھی خوب دے رکھی تھی جس کے ساتھ جب ان کے اندر کا سوز اور جذبہ جہاد کی حدت شامل ہو جاتی تو عجیب سماں بندھ جاتا تھا اور سننے والے تڑپ اٹھتے تھے۔ اس کا اندازہ ان لوگوں کو بخوبی ہے جنہوں نے ان سے یہ ترانہ

یہ لٹی لٹی مساجد یہ ویران سجدہ گاہیں
شب وروز تک رہی ہیں تیرے غازیوں کی راہیں

سنا ہے جب وہ مچل مچل کر یہ ترانہ پڑھتے تھے اچھے خاصے سست، کاہل اور جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت سے عاری لوگ بھی کٹ مرنے کے لئے نہ صرف خود کو تیار بلکہ بے تاب پاتے۔ انھوں نے اپنی والدہ صاحبہ کو اپنی میٹھی آواز میں کئی نظمیں ریکارڈ کر کے دے دی تھیں ان میں ایک نظم ایسی تھی جس میں اس قدر پیار بھرے انداز میں راہِ جہاد میں نکلنے کی اجازت کی درخواست شامل تھی جس کو سن کر ہر ماں کا دل مچل جاتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں سے جہاد میں بھیج دیں وہ نظم یہ تھی۔

اے میری ماں تو مجھے جلد اجازت دے دے
جو بھی دینا ہوگا عنوان شہادت دے دے
میں نے مانا میرے ہر عیش کی دنیا تو ہے
میں نے مانا میرے ہر غم کا مداوا تو ہے
جب سے کانوں میں یہ آواز جہاد آئی ہے
سب سے ہی ترک تعلق کی قسم کھائی ہے
اے میری ماں تو مجھے جلد اجازت دے دے

جنداللہ کی تربیت

تین ماہ بعد وہ دوبارہ افغانستان کی سنگلاخ وادیوں میں جا پہنچے اس مرتبہ انہوں نے جنداللہ نامی خصوصی ٹریننگ حاصل کی یہ چھ ماہ کی ایک خاص قسم کی کمانڈو ٹریننگ ہوتی ہے۔ انتہائی سخت اور مشقت طلب یہ تربیت سخت سردیوں میں ہوتی ہے اس خصوصی تربیت کے ذریعے اسلام کے شاہینوں کو کشمیر کی منجمد کر دینے والی سردی اور برفانی پہاڑوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس مرحلے کو ہمت اور استقامت کے ساتھ عبور کیا۔ معسکر میں استادان کے اندر چھپی خداداد صلاحیتوں کو بھانپ چکے تھے اس لئے انہیں تربیت لینے کے بعد استاد مقرر کیا گیا، وہ ایک لمبا عرصہ افغانستان میں تربیت دینے میں مصروف رہے، بقول امیر محترم وہ جسم کے ساتھ ساتھ نظریہ بھی بنانا جانتے تھے۔ ان کے ساتھیوں اور اساتذہ کا کہنا تھا کہ وہ جن دنوں ٹریننگ سنٹر کے مایہ ناز استاد تھے ان دنوں میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو زیادہ طالبعلم ہی بنا کر رکھا اور جہاں کہیں سے بھی عسکری ٹریننگ کے حوالے سے خصوصاً بارود کے حوالے سے کچھ سیکھنے کو ملا ذاتی دلچسپی لے کر سیکھتے رہے۔ ہفتہ وار چھٹی ہو یا چوبیس گھنٹے کے دوران چھٹی کے اوقات ہوں وہ ان اوقات کو کھیل تماشوں میں اُڑانے اور فارغ پڑے رہنے کی بجائے مختلف عسکری تجربات میں گذارتے۔ ان اوقات میں انہیں اکثر ٹریننگ سنٹر کے دائیں بائیں پھیلے لوگاٹوں میں بارود کے دھماکے کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کام سے بچنے والے وقت میں سارا کیمپ ان کے جہادی ترانوں سے گونجتا رہتا تھا وہ کافی عرصہ گھر نہیں لوٹے اور اب وہ طاہر ندیم سے استاد ساجد جہادی بن چکے تھے۔

دادی اماں کو ان سے بہت محبت تھی وہ اکثر پوچھتی رہتیں اور پھر ان کے غم میں وہ بیمار رہنے لگیں بالآخر یہ بیماری انہیں بستر مرگ تک لے آئی ہر آنے جانے والے سے وہ یہی سوال کرتیں میرا شیر نہیں آیا؟ ان کی حالت دیکھ کر گھر والوں نے ساجد جہادی کی طرف ایک خط بھیجا

جس میں دادی اماں کی بیماری اور خواہش کا بھی حال لکھ بھیجا، وہ خط معسکر میں تو بروقت پہنچ گیا البتہ کسی وجہ سے انہیں نہ مل سکا۔ ادھر دادی اماں نزع کے عالم میں ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے منتظر تھیں۔ گھر والوں سے ان کی بے قراری دیکھی نہ گئی جب وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھیں تو انہوں نے ساجد جہادی کے ایک دوست کو بلایا اس کی آواز ان سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے دادی اماں سے کہا بے بے میں آ گیا ہوں۔ دادی اماں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں، لرزتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسکرا کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ ساجد جہادی کو جب وہ خط ملا تو اس وقت دادی اماں کو اس دنیا سے گئے ہوئے ایک ماہ گذر چکا تھا۔ اپنی مہربان دادی اماں کا چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا، جب کسی غلطی پر ابو سے سزا ملنے کا خوف ہوتا تھا تو وہ ان کے لئے محفوظ پناہ گاہ ہوتی تھیں انہیں بہت کچھ یاد آ رہا تھا، انہیں امید تھی کہ دادی اماں اب بھی میرا انتظار کر رہی ہونگی، فوراً رخت سفر باندھ لیا۔ جب وہ افغانستان سے گھر پہنچے اس وقت صبح صادق کا وقت ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں ان کی چھوٹی بہن اور بھائی سپارہ پڑھنے کے لئے گھر سے باہر آ رہے تھے گیٹ کے باہر قدم رکھتے ہی انہیں نیم تاریکی میں کوئی آدمی نظر آیا۔ کمر کے ساتھ بڑا سا بیگ لٹکائے سر پر افغانی ٹوپی اور لمبے لمبے بالوں والا یہ نوجوان ان کے لئے اجنبی سا تھا وہ ڈر کے مارے اندر بھاگے امی دیکھیں تو باہر کون کھڑا ہے، ماں نے پہلی نظر میں ہی انہیں پہچان لیا ارے یہ تو میرا طاہر ہے تمہارا بھائی ہے پھر انہیں گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ جب وہ گھر سے گئے تھے تو اس وقت داڑھی مونچھ بھی پوری طرح نہیں نکلی تھی۔ اب خوبصورت داڑھی کے علاوہ شانوں تک بکھری لمبی لمبی زلفیں بھی تھیں، بہنیں ان کی زلفوں کی "چٹیا" بنایا کرتی تھیں۔ وہ سب کو مجاہدانہ حلیے میں بہت پیارے لگ رہے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ دادی اماں اس دنیا سے رخصت ہوگئی ہیں تو انہیں دلی صدمہ ہوا۔

محاذ پر جانے کی تیاری

ساجد جہادی کو اللہ تعالیٰ نے کئی خوبیوں سے نوازا تھا، وہ خوش اخلاق اور ملنسار نوجوان تھے۔ اپنے رشتے داروں، دوستوں اور محلے داروں تک کا بھی خیال رکھتے تھے۔ محمد اویس شہید رحمۃ اللہ علیہ ان سے پہلے ہی کشمیر لانچ ہوئے اور شہادت کے اعلیٰ وارفع رتبے پر فائز ہو چکے تھے اس وجہ سے وہ گھرانہ ان کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ ان کے ہر خط میں اویس شہیدؒ کے گھر والوں کے لئے سلام و پیغام لکھا ہوتا تھا، اس بار وہ سب دوستوں سے ملے اب کی بار وہ لمبی پرواز کرنے والے تھے انہوں نے عسکری تربیت کے حوالے سے اپنے آپ کو تسلی بخش پایا تو ٹریننگ سنٹر سے جی بھر گیا اور وادی کشمیر کے محاذ پر تشکیل کروائی انہوں نے امی جی کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اس مرتبہ وادی میں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس وقت کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اب ہم دنیا میں کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ شاید انہیں خود بھی معلوم نہ تھا کہ یہ گلیاں اب کبھی میرے قدموں کی چاپ نہیں سنیں گی انہوں نے امی جی سے کہا: امی جی! ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کی دعاء فوراً قبول ہو جاتی ہے آپ میرے لئے ثابت قدم رہنے کی اور شہادت کی دعاء کرنا۔ بیٹا میں آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی لیکن آپ نے اپنی منگیتر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ امی جان! وہ میری طرف سے آزاد ہے جب میں پہلی مرتبہ ٹریننگ کر کے آیا تھا تو اس نے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ آپ جہاد چھوڑ دیں میں نے اسی لمحے اس کا تصور دل سے نکال دیا تھا کیونکہ جہاد میرا راستہ اور شہادت میری منزل ہے، جو لڑکی جہاد کو قبول ہی نہ کرے وہ میری رفیقۂ حیات کس طرح بن سکتی ہے اور پھر میں نے کشمیر جانے کا اٹل فیصلہ کر لیا ہے میری واپسی ناممکن ہے اس لئے آپ ماموں کو میری طرف سے پیغام دیں کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے اچھا اور بہتر رشتہ تلاش کرنے کا حق رکھتے ہیں، میرے انتظار میں نہ رہیں۔ وہ لمحات امی جی کے لئے انتہائی صبر آزما تھے، جب وہ اپنے سب سے چہیتے ہونہار لائق بیٹے کو جانب

مقتل روانہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے اللہ کی رضا اور بیٹے کی خوشی کے لئے صبر کا یہ کڑوا گھونٹ ہنس کر پینا چاہا لیکن ماں آخر ماں ہوتی ہے، اولاد کو کانٹا بھی چبھے تو تکلیف ماں کے دل کو ہوتی ہے، انہیں معلوم تھا کہ ان کا لال جس دیس میں جا رہا ہے وہاں دن رات بارود کی بارش برستی رہتی ہے۔ جب بھی وہ گھر سے باہر جاتے تو امی جی انہیں یہ کہہ کر رخصت کرتیں ''جا تجھے گرم ہوا بھی نہ لگے'' اب وہ جہاں جا رہے تھے وہاں ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔

جہادی خود کہا کرتے تھے کہ جب میری امی مجھے رخصت کر رہی تھیں مجھے گلے سے لگا کر ان کے اس قدر آنسو بہے کہ میرا کندھا تر ہو گیا پھر میں نے ان سے یہ وعدہ کیا۔ امی جان! مجھے آپ کے ان بہتے آنسوؤں کی قسم میں اتنے کافر ماروں گا جتنے آپ کی آنکھوں سے آنسو گرے ہیں۔ جن کافروں نے ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم ڈھا کر ہماری غیرت کو للکارا ہے، جنہوں نے ہماری بہنوں کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈال کر ہمارے لئے گھروں میں رہنا مشکل بنا دیا ہے میں ان بے دین کافروں سے انتقام لوں گا۔ اس وقت امی جی کے ذہن میں جہادی کی پڑھی ہوئی نظم کے یہ شعر گونج رہے تھے جو جذبات میں اور زیادہ طلاطم مچا رہے تھے۔

اپنی بانہوں میں میری بانہیں نہ ڈال اے مادر
گوشۂ دل سے محبت کو نکال اے مادر
ہاں بھلا بھی دے میرا دل سے خیال اے مادر
کہیں ایسا نہ ہو جذبات میں فرق آجائے
میرے پر جوش خیالات میں فرق آجائے
اے میری ماں تو مجھے جلد اجازت دیدے

انہوں نے گھر سے باہر قدم رکھا تو چھوٹی بہن شازیہ گلی میں کھیل رہی تھی۔ بھائی آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اس کے معصوم سوال کے جواب میں انہوں نے کہا میں کشمیر جا رہا ہوں اسے کیا معلوم تھا کشمیر کس بستی کا نام ہے وہ بولی وہاں سے میرے لئے گڑیا لانا۔ انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار سے کہا بہنوں کے لئے دوپٹے لایا کرتے ہیں میں

کشمیر سے آپ کے لئے چادر لاؤں گا پھر وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے وہ بہت ہی جذباتی منظر تھا۔ گھر والے گیٹ پر کھڑے اشکبار آنکھوں سے انہیں جاتا دیکھ رہے تھے۔ امی جی کہا کرتی تھیں کہ طاہر نے گلی کے آخر میں ایک بار مڑ کر دیکھا اس کے بعد میں نے کبھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا اور اس دن کے بعد مجاہد کالونی کی گلیوں نے کبھی اس مجاہد کے قدموں کی آہٹ نہیں سنی:

اپنے لہو سے روشن کر دیں گے گلیاں اس ویرانے کی
اگر چہ تنگ بہت ہیں راہیں شہر وفا کو جانے کی

باب الجہاد وادی نیلم کی طرف روانگی

1996ء کے آخر میں استاد ساجد جہادی اور ان کے ایک دوست استاد فاروق کی تشکیل کشمیر کر دی گئی، جوں ہی پہاڑوں سے برف کی سفید چادر سرکنا شروع ہوئی تو اسلام کے شاہینوں نے بھی بلند چوٹیوں کا رخ کیا۔ ساجد جہادی اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ باب الجہاد وادی نیلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان دنوں شاہراہِ نیلم بھارتی فائرنگ کی وجہ سے بند تھی چنانچہ ساجد جہادی کا گروپ سمیت نیلم کا پہلا سفر پیدل تھا، جوں ہی یہ گروپ اَربل چلہانہ سے آگے بڑھا تو رات کے اندھیرے کے باوجود دشمن نے حرکت بھانپ لی اور گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ ساجد جہادی نے انتہائی پھرتی اور دلیری سے نہ صرف اپنے آپ کو سنبھالا بلکہ دوسرے احباب کو بھی بروقت ہدایت دے کر محتاط کر دیا۔ یہ پورا گروپ مشکل سفر طے کر کے آخر وادی نیلم پہنچ گیا اور جلد ہی لانچنگ کا پروگرام بھی بن گیا مگر خاص اور بڑے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ جو ہوتا ہے ساجد جہادی کے ساتھ بھی قسمت نے وہی کھیل کھیلا کہ جس گروپ کے ساتھ یہ ہوتے وہ کسی وجہ سے واپس آ جاتا جبکہ ان کے کئی ساتھی پہلی پہلی مرتبہ ہی آگے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ گروپوں کی بار بار واپسی کی آزمائش ہے تو سخت تکلیف دہ اور حوصلہ شکن چیز مگر جو مجاہد اسے ہنسی خوشی سہہ جائے اور اسے اپنے عزم و حوصلے پر منفی اثر ڈالنے نہ دے تو وہ واقعی کندن بن کر نکلتا ہے اور میدان جنگ کے کئی تجربات اسے بارڈر پر ہی ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اندر پہنچ کر نیا نہیں ہوتا بلکہ کئی چیزوں سے واقف ہو چکا ہوتا ہے۔ ساجد جہادی نے بھی ان حالات کو اسی تناظر میں لیا اور بار بار کی واپسی کو اپنے جذبات پر بالکل اثر انداز نہیں ہونے دیا بلکہ انہیں کراسنگ میں ناکامی کے بعد واپسی کے سفر پر بھی اسی طرح چہکتا مہکتا اور درد و سوز سے جہادی ترانے گنگناتے ہوئے پایا گیا۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ایک طویل عرصہ آزمائشوں میں بیت گیا بالآخر وقت آن پہنچا جب ان کا رزق پاکستان میں مکمل ہو چکا تھا۔ ایک دن اٹھمقام سیکٹر سے انتہائی ایمرجنسی میں ان کی تیاری ہوئی اور ایک مختصر گروپ ساجد جہادی کی قیادت میں روانہ کر دیا گیا یہ سرفروش قافلہ ستمبر کے سرد موسم میں ''ڈوماری'' کی بلند و بالا چوٹی سے باطل کے غرور کو پاؤں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھتا جا رہا تھا ساجد جہادی ایک عام مجاہد کی حیثیت سے بارڈر کراس کر رہے تھے اس پر خطر سفر میں قدم قدم پر کس قدر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ وہی لوگ جانتے ہیں جو ان راہوں سے گذرے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ رب العزت نے ان بلند و بالا پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کو مجاہدین کے لئے مسخر فرما دیا ورنہ وہ راستے ہمارے تصورات سے بھی دشوار گذار ہیں۔ جن دیوانوں نے اسلام کی سر بلندی کی خاطر اپنا عیش و آرام ترک کر کے ان صحراؤں اور پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا اللہ پاک انہیں اپنی خاص رحمت سے منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ لائن آف کنٹرول (LOC) جہاں ایک طرف جدید اسلحے سے لیس ہندو فوجی ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں دوسری طرف سنگلاخ چٹانیں، دشوار گذار راستے اور بھوک پیاس انسان کا برا حال کر دیتی ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے مجاہدین جنہوں نے کبھی پہاڑ دیکھے بھی نہیں ہوتے اتنا طویل اور مشکل پہاڑی سفر کس طرح طے کر پاتے ہیں؟ بلاشبہ یہ اللہ پاک کی نصرت ہے جس کا اس نے مجاہدین کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ چند دیوانوں پر مشتمل یہ سرفروش قافلہ راہِ جہاد کی صعوبتیں جھیلتا اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ انہیں پیاس کی شدت نے نڈھال کر رکھا تھا لیکن دور دور تک پانی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے، کافی دیر تک یوں ہی سفر کرنے کے بعد انہیں ایک جگہ کچھ پانی نظر آیا، یہ جمع شدہ پانی یقیناً بارش کا تھا جو کسی لحاظ سے بھی پینے کے قابل نہ تھا۔ گڑھے کے اندر پڑا ہوا گو بر بھی کراہت دلانے کے لئے کافی تھا لیکن ان کے لئے اب مزید برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پانی پر نظر پڑتے ہی وہ اس پر جھپٹ پڑے، ساجد جہادی جنہوں نے کبھی کانچ کے گلاس کے علاوہ کسی چیز میں پانی نہیں پیا تھا اس پانی کے دو گھونٹ میسر آنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ پانی صرف ایک آدمی کی پیاس

بجھانے کے لئے کافی تھا لیکن ان سب نے صرف دو دو گھونٹ پیے تو گویا انہیں نئی زندگی مل گئی وہ کئی دنوں سے مسلسل سفر میں تھے، ان کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں اسی دوران ساجد جہادی کا پاؤں پھسل گیا اور وہ ایک گہرے گڑھے میں جا گرے ان کی ران بری طرح زخمی ہو چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہڈی محفوظ رہی لیکن محاذ پر جانے کی لگن نے انہیں آگے بڑھنے کے لئے حوصلہ دیا، وہ اپنی تکلیف پر بڑی مشکل سے قابو پا کر ساتھیوں کے ہم قدم چل رہے تھے لیکن اس سفر کے شروع سے ہی قسمت ان کا امتحان لے رہی تھی۔ کچھ سفر طے کرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر گر پڑے اس وقت وہ پہاڑ کی چوٹی سے گذر رہے تھے ساتھیوں نے اناللہ پڑھی انہیں یقین ہو گیا کہ اب تو جہادی چلا گیا۔ وہ پہلے ہی زخمی تھے پھر اس قدر بلندی سے گن پاؤچ سمیت گرنے کے بعد ان کے بچنے کی امید کم ہی نظر آ رہی تھی۔

انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جسم کا ایک ایک جوڑ الگ ہو گیا ہے۔ انہوں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو پہاڑی کے دامن میں آڑھا تر چھا پڑا پایا۔ ان کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے، زخم اور زیادہ کھل چکے تھے (بارڈر پر لگنے والے اس زخم کا نشان راہ جہاد کے پہلے تمغے کے طور پر آخری وقت تک ان کے جسم پر سجا ہوا تھا) خود کو اپنے قافلے سے دور اس بیاباں میں بے یار و مددگار پا کر انہیں بہت صدمہ ہوا، وہ زخموں سے چور ایک ایسی جگہ پڑے تھے جہاں کی ہر شے ان کی دشمن تھی۔ گرفتاری کے خیال نے انہیں پریشان کر کے رکھ دیا۔ نہ جانے میری گن کہاں رہ گئی ہوگی انہوں نے کرب سے سوچا اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں، یہ دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ان کی کلاشنکوف سر کے اوپر ایک جھاڑی کے ساتھ جھول رہی تھی۔ انہوں نے اسے اٹھا کر بے اختیار چوما۔ اب وہ کافی حد تک مطمئن تھے ان کے لئے آگے سفر کرنا ممکن بھی نہ تھا اور مناسب بھی نہیں کیونکہ بارڈر پر گائیڈ کے بغیر سفر کرنا حماقت تھا گائیڈ کو راستوں کا پتہ ہوتا ہے اور وہ انڈین آرمی کی پوسٹوں سے واقف ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ سوچا کہ اسی جگہ رہ کر دشمن سے مقابلہ کر کے شہید ہو جائیں گے۔ ان کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ یا اللہ! کیا میرے نصیب میں کشمیر جانا نہیں ہے؟ پہلے گروپوں کی بار بار واپسی اور اب قافلے

سے بچھڑنے کی آزمائش۔ یا اللہ! تو میرے حوصلے کا مزید امتحان نہ لے اور مجھے محاذ جنگ تک پہنچا دے۔ وہ اپنے رب سے گڑگڑا کر مدد مانگ رہے تھے۔ ساری زندگی منزل کو پانے کے خواب دیکھتے رہے جب وہ ان کے بالکل سامنے کھڑی تھی تو راستہ کھو گئے۔ یہ ان کے لئے ایک بڑی آزمائش کا وقت تھا، انہیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ میری شہادت اسی جگہ لکھی ہوئی ہے، اس وقت وہ نہیں جانتے تھے کہ وادی کشمیر کی تاریخ کا ایک سنہرا باب انہوں نے اپنے لہو سے رقم کرنا ہے۔ ابھی کشمیر کے کوہساروں کی جبینیں ان کے گرم خون سے سرخ ہونی باقی ہیں اور ابھی انہوں نے ہندو بنیئے کو درجنوں گہرے زخم دینے ہیں۔

انہوں نے سوچتے سوچتے آنکھیں بند کر لیں۔ تھکاوٹ اور زخموں سے نڈھال جانے کس لمحے ان کی آنکھ لگ گئی، اسی دوران خواب میں انہیں دادی اماں نظر آئیں وہ ان سے کہہ رہی تھیں میرے شیر تو ادھر کیوں پڑا ہے اُٹھ اور آگے بڑھ، تم کشمیر ضرور پہنچ جاؤ گے۔ دادی اماں کے لہجے میں یقین تھا اعتماد تھا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں تو سوچ میں پڑ گئے۔ اس خواب کو انھوں نے اللہ کی طرف سے الہام سمجھ کر یہ محسوس کر لیا کہ وہ کشمیر پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے اپنے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں، چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ گردن تان کر کھڑے تھے۔ اس مسافر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی منزل کس طرف ہے اور وہ کس سمت پیش قدمی شروع کرے۔ اتنے میں انہیں کوئی سرسراہٹ محسوس ہوئی وہ پتھر کی اوٹ میں ہو کر ادھر اُدھر جھانکنے لگے۔ چند لمحوں کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ یہ کسی کے قدموں کی آہٹ ہے یہ دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر گن پر ان کی گرفت اور مضبوط ہو گئی یکایک سامنے کے منظر نے ان کے ٹوٹے پھوٹے اور زخموں سے چور چور وجود میں زندگی کی لہر دوڑا دی، وہ ان کا بچھڑا ہوا قافلہ تھا۔ کئی فٹ کی بلندیوں سے گر کر بھی جس جگہ وہ پڑے ہوئے تھے وہی ان کی راہ گذر تھی۔ ساتھی انہیں زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مزاحاً کہنے لگے جہادی بھائی اتنی لمبی مسافت آپ نے ایک چھلانگ لگا کر طے کر لی ہمارا تو چل چل کر برا حال ہو گیا۔ اس طرح کئی امتحانوں سے گذرنے کے بعد وہ بالآخر منزل پر پہنچے جہاں کپواڑہ میں موجود مجاہدین نے ان کا استقبال کیا۔

کپواڑہ میں آمد

کپواڑہ وادیٔ کشمیر کا ایک خوبصورت سرحدی ضلع ہے، یہ علاقہ جہادِ کشمیر میں ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت کا حامل رہا ہے، پاکستانی سرحد کا ایک طویل حصہ اس علاقے کے گرد گھومتا ہے۔ کسی دور میں کپواڑہ مجاہدین کا مرکز ہوا کرتا تھا، بارڈر سے گروپ اور اسلحہ وغیرہ بھی اسی علاقے میں آتے اور پھر وہاں سے پوری وادی میں ان کی ترتیب لگائی جاتی تھی۔ پر کیف وادیوں، گھنے جنگلوں اور خوبصورت ندی نالوں والا یہ علاقہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ وہاں کے سرسبز و شاداب اور گھنے جنگلات مجاہدین کے لئے محفوظ پناہ گاہوں کا کام دیتے تھے۔ کپواڑہ کے لوگ بے حد ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔ وہاں کے ہر گھر کے ساتھ قربانیوں کی الگ الگ داستانیں وابستہ ہیں۔ ساجد جہادی نے جب کشمیر کی رزمگاہ میں قدم رکھا تو سب سے پہلے کپواڑہ کی حسین اور پر کیف وادیوں نے ان کا استقبال کیا۔ ان کے ذہن میں کشمیری عوام کے بارے میں وہی تصور تھا جو اکثر قصے کہانیوں اور تصویروں میں دیکھنے کو ملتا ہے تاہم اپنے خیالات کے برعکس ماحول دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی، انہیں کشمیری عوام کا رہن سہن اور سادہ طرز زندگی بہت پسند آیا۔ اس علاقے میں ساجد جہادی کے تربیت یافتہ مجاہدین کی بڑی تعداد موجود تھی اور اب یہ استاد خود ان کے پاس آ گئے۔ وہ وہاں پر بھی مجاہدین کی فکری و نظری ذہن سازی کرتے رہے۔ ساتھیوں نے انہیں وہاں کی فیلڈ اور دشمن کا طرز جنگ سمجھنے میں مدد کی، اس طرح وہ تھوڑے ہی عرصے میں وہاں کی فیلڈ سے واقف ہو گئے، ان کے جانے کے دو ماہ بعد ہی سردیاں شروع ہو گئیں۔ کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں پر برف گر چکی تھی تاہم میدانی علاقوں میں ابھی موسم خشک ہی تھا۔ ایک مرتبہ وہ پانچ ساتھیوں سمیت ایک گروپ وصول کرنے جا رہے تھے، یہ گروپ ایک پہاڑی علاقے سے وصول کر کے کسی دوسرے علاقے میں پہنچانا تھا۔ دورانِ سفر اچانک موسم نامہربان ہوا اور مجاہدین کا یہ قافلہ شدید آزمائش سے دوچار ہوا جس کا حال کچھ یوں ہے۔

موت کی وادیوں میں

وادیٔ کشمیر میں سردیوں کے موسم میں برفباری بھی ہوتی ہے یہ بہت ضروری ہے کیونکہ پہاڑوں پر جمی کئی کئی فٹ برف گرمیوں میں پگھلنا شروع ہو جاتی ہے اور اس پانی سے کشمیر کے کھیت کھلیان سیراب ہوتے ہیں۔ اس کی بدولت وادی کشمیر کے جھرنوں اور نغمہ خواں آبشاروں کا حسن برقرار رہتا ہے یہ موسم بہت دلکش ہوتا ہے۔ درختوں کی ٹہنیوں پر جمی برف کی تہیں عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ کشمیر کے میدانی علاقوں میں بھی کئی کئی فٹ برف گرتی ہے۔ بچے اپنے صحن میں اور سڑکوں پر برف کے آدمی بناتے ہیں کبھی کبھی بش اور ایڈوانی کے مجسمے بنا کر انہیں جوتے مار کر نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ کشمیری زبان میں برف کو ''شین'' کہا جاتا ہے، بچے اور بڑے مل کر ایک دوسرے پر برف کے گولے پھینکتے ہیں۔ اس کھیل کو ''شنہ جنگ'' یعنی برف کی جنگ کہا جاتا ہے میدانی علاقوں میں برفباری سے خوبصورتی اور دلکشی کا سماں بندھ جاتا ہے مگر پہاڑی علاقے اس موسم میں موت کی وادیوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ کشمیر میں کچھ ایسی فلک بوس چوٹیاں بھی ہیں جہاں سارا سال برف نہیں پگھلتی۔ یہ موسم مجاہدین کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ برف میں سفر کرنے سے ایک تو پاؤں کے نشان بن جاتے ہیں جن کی راہنمائی میں دشمن مجاہدین کا پیچھا کرتا ہے اور دوسرا اس میں زیادہ سفر کرنے سے مجاہدین کے پاؤں جل جاتے ہیں۔ آگ کا جلا اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا برف کا جلا ہوا ہوتا ہے۔ ساجد جہادی اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ کپواڑہ کے جنگلوں میں محوِ سفر تھے۔ دو دنوں کا انتھک سفر طے کر کے وہ کافی آگے نکل چکے تھے۔ زادِ راہ کب کا ختم ہو چکا تھا وہ اس اُمید پر آگے کا سفر کرتے جا رہے تھے کہ شاید کوئی بستی مل جائے اور ہم راشن حاصل کر سکیں۔ اس دوران شدید برفباری شروع ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر برف کی تہیں جم گئیں اور تمام

راستے دب گئے۔ وہ اس علاقے میں پہلی بار آئے تھے اس لئے راستوں کا بھی زیادہ علم نہ تھا۔ اب انہیں نہ آگے کا راستہ سجھائی دے رہا تھا اور نہ پیچھے کا کیونکہ برف نے ہر چیز کو ڈھانپ دیا تھا۔ انہوں نے اندازے سے ایک سمت چلنا شروع کر دیا جوں جوں وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے آگے کسی بستی کا نام ونشان تک نہ تھا بلکہ دور دور تک بیاباں ہی بیاباں تھا۔ وہ تین دن ان برفانی پہاڑوں کے بیچ میں بھٹکتے رہے۔ بھوک اور سردی سے ان کی حالت انتہائی خستہ ہو چکی تھی۔ پہاڑوں پر بسنے والے خانہ بدوش گجروں اور بکروالوں کے قافلے کب کے کوچ کر چکے تھے البتہ ان کی عارضی رہائش گاہیں جنھیں عرف عام میں ''ڈھوک'' کہا جاتا ہے ادھر موجود تھیں۔ چلتے چلتے ان کے راستے میں ایک خوفناک قسم کا برفانی نالہ آ گیا تو ہمت جواب دے گئی کیونکہ اس چیختے چنگھاڑتے نالے کو عبور کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کی حالت انہیں نالے کے اُس پار جانے پر اُکسا رہی تھی کہ شاید اس طرف کوئی بستی ہو اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے انہیں کچھ کھانے کو مل جائے، نالے میں اس قدر طغیانی تھی کہ اس کے بیچ سے پار ہونا خودکشی کے مترادف تھا۔ انہیں کچھ سجھائی نہ دیا تو پاس بکروالوں کی ایک خالی ڈھوک میں چلے گئے ان کے جسم سردی سے اکڑ چکے تھے، ڈھوک کے اندر خشک لکڑیاں پڑی تھیں انہوں نے آگ جلائی ٹھنڈے یخ وجود میں آگ کی حرارت سے ایک طرف جان سی پڑ گئی لیکن دوسری طرف بھوک کی شدت مزید بڑھ گئی۔ ساجد جہادی نے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی سب کے چہرے زرد ہو چکے تھے اور سب اس قدر نڈھال ہو چکے تھے کہ ایک قدم چلنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ انہوں نے ساتھیوں سے کہا ساتھیو! اللہ سے گڑگڑا کر مدد ونصرت مانگتے ہیں اگر شام تک بھی کھانے کا کچھ بندوبست نہیں ہو سکا تو قرعہ اندازی کریں گے جس کسی کے نام قرعہ نکل آیا اس کو دوسرے ساتھیوں کی زندگی کے لئے قربانی دینی پڑے گی، ساتھی خاموش تھے کیونکہ انہیں بظاہر اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ صرف ایک سوچ تھی جس پر عمل کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن کام تھا لیکن جب انسان اس قدر مجبور اور بے بس ہو جائے تو اس طرح کے انوکھے فیصلے کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ جہاد کا

راستہ جنت کا راستہ ہے اور رب کی پیاری جنت اتنی سستی تو نہیں ہوسکتی اس کے لئے بہت کچھ سہنا پڑتا ہے شہید کو قیامت کے دن کی گھبراہٹ اور خوف سے اسی لئے امان دی گئی ہے کیونکہ وہ میدانِ جنگ میں کئی بار خوف و دہشت کے مراحل سے گذر چکا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے جنہوں نے اس مادہ پرستی کے دور میں صحابہ کرامؓ کی یادیں تازہ کر کے بستیوں سے کوچ کر کے پہاڑوں اور بیابانوں میں ڈیرے ڈالے۔ اس ڈھوک کے اندر نڈھال اور بے سدھ پڑے اپنے رب سے ملاقات کا انتظار کر رہے تھے اسی دوران ساجد جہادی کی سماعت سے کچھ عجیب آوازیں ٹکرائیں یہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں تھیں، انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اب ہم موت کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں اس لئے اس بیاباں میں جہاں کسی پرندے کی آواز بھی کان میں نہیں پڑتی مجھے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد انہیں بھیڑ بکریوں کی آواز سنائی دی، اب کی بار آوازیں بالکل واضح سنائی دے رہی تھیں۔ انہوں نے ساتھیوں کی طرف دیکھا وہ سب بھی اسی طرف متوجہ تھے۔ وہ ڈھوک سے باہر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ نالے کے اس طرف بھیڑ بکریوں کا ریوڑ جس میں گھوڑے بھی شامل تھے کھڑا تھا۔ یہ بکروالوں کا ایک بھولا بھٹکا ڈھیرہ تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کے پاسبانوں کی مدد کے لئے پیچھے روک رکھا تھا ورنہ وہ لوگ سردیوں کے آغاز میں ہی بستیوں کا رخ کرتے ہیں۔ اس خدائی نصرت کا نظارہ کر کے مجاہدین کے پژمردہ چہرے کھل اٹھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نالے کو کس طرح عبور کیا جائے۔ وہ ہر حال میں نالہ عبور کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس طرف زندگی اور امید کی کرن جگمگا رہی تھی۔ وہ دور تک نالے کے کنارے چلتے رہے ایک جگہ درخت اس انداز سے نالے کے اوپر گرا تھا جو ایک پل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ درخت کے اوپر جمی برف کی تہوں پر بہت زیادہ پھسلن تھی اس وجہ سے گرنے کا بھی بہت زیادہ امکان تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر غور و خوض کیا بہر حال نالے کے اس طرف انہیں موت ہی نظر آ رہی تھی جبکہ دوسری طرف امید کی کرن۔ وہ اب مزید بھوک برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس خطرناک راستے سے پار جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ

درخت پر جمی برف کو ہاتھوں سے ہٹاتے گئے اور اللہ کا نام لے کر ایک ایک ساتھی پار ہوتا گیا، کرتے کرتے سب ساتھی بحفاظت پار پہنچے۔ بکر والوں نے انکی خوب خاطر تواضع کی۔ انہیں بکریوں کا دودھ پلایا اور ان کا گوشت بھون کر کھلایا پھر انہی کی راہنمائی میں وہ واپس اپنی ہائیڈ پر پہنچے یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کی کھلی نشانی تھی جو اس موت کی وادی میں ان کے لئے نئی زندگی کا باعث بن گئی اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ جو مسلمان اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ میں نکل جاتے ہیں اللہ تعالیٰ غیب سے ان کی مدد فرماتے ہیں اور ان کے لئے ساری کائنات کو مسخر کر دیتے ہیں۔

جہادی اور کانگڑی

کئی دنوں کا مشکل ترین سفر کر کے وہ واپس کپواڑہ پہنچے تو وہاں بھی ہر طرف برف ہی برف تھی سردیوں کا موسم عروج پر تھا۔صادق آباد کی جھلسا دینے والی گرمی میں پلے بڑھے ساجد جہادی کے لئے کشمیر کی یخ بستہ ہوائیں اور ہڈیوں کے اندر سرایت کرنے والی سردی بالکل نئی تھی۔ کشمیری لوگ سردی سے بچنے کے لئے کانگڑی کا استعمال کرتے ہیں لیکن ساجد جہادی اس آگ کی ٹوکری کو دیکھ کر دور بھاگتے تھے حالانکہ پاکستانی مجاہدین جو کافی عرصہ سے کشمیر میں رہ رہے تھے کانگڑی کے جوہر سے خوب استفادہ کر رہے تھے۔کانگڑی کشمیری کلچر کا ایک اہم حصہ ہے جس کے بغیر کشمیر کی سردیاں گذارنی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بات ہے۔ یہ لکڑی کے باریک تنکوں سے بنی ہوئی چھوٹی سی ٹوکری نما چیز ہوتی ہے۔اوپر دو خوبصورت دستے بنے ہوتے ہیں اور اندر کی جانب مٹی کا چھوٹا سا پیالہ نصب ہوتا ہے۔ پیالے کے اندر دہکتے ہوئے انگارے ڈالے جاتے ہیں اور دستوں سے پکڑ کر کشمیر کا ہر بوڑھا، بچہ، جوان بے خوف وخطر کانگڑی فیرن (کشمیری جبہ) کے اندر رکھ کر سردی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔رات کو سونے سے پہلے بستر گرم کرنے کے لئے کانگڑی کو بستر کے اندر بھی رکھا جاتا ہے۔ بوڑھے لوگ کمال مہارت سے اسے ساری رات بستر کے اندر رکھتے ہیں اور نیند کے دوران الٹنے سے بچائے بھی رکھتے ہیں۔ وہاں پر جدید قسم کے الیکٹرک روم ہیٹر بھی دستیاب ہیں لیکن وہ گھر کے تمام افراد کو میسر نہیں آ سکتے اس لئے یہ آسان سا نسخہ کانگڑی سب پر لازمی ہے، وہ ایک سرد اور برفانی رات تھی ساجد جہادی اپنے ایک ہم مشن ساتھی اور دوست شفیق بھائی عرف تندر شہیدؒ کے ہمراہ ایک گھر میں داخل ہوئے۔گھر والوں نے سب سے پہلے کانگڑی پیش کر دی جہادی حسب سابق اس آگ کی ٹوکری سے دور ہی رہے البتہ تندر شہیدؒ چونکہ علاقے میں پرانے آئے ہوئے تھے اس لئے کانگڑی سے ان کی شناسائی ہو چکی تھی۔ جہادی نے بستر کے اندر بیٹھنے پر اکتفا کیا۔ جب تندر

شہیدؒ نے کانگڑی بستر کے اندر رکھ دی تو وہ اچھل پڑے ارے تندر بھائی یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اسے جلدی سے باہر نکالیں ورنہ بستر کو آگ لگ جائے گی۔ تندر شہیدؒ ہنسنے لگے اور کانگڑی باہر نکال کر انہیں مٹی کا پیالہ دکھاتے ہوئے سمجھایا کہ آگ اس کے اندر رکھی جاتی ہے اس سے آگ لگنے کا امکان تب ہوتا ہے جب تک کہ یہ الٹ نہ جائے۔ اس دن کے بعد وہ کانگڑی کا کچھ کچھ استعمال کرنے لگ گئے لیکن صرف ہاتھ گرم کرنے کی حد تک۔

وقت کے ساتھ ساتھ انہیں اندازہ ہو گیا کہ کشمیر میں اس چیز کے بغیر گذارہ مشکل ہے۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب جہادی بستر کے اندر کانگڑی رکھنے لگے لیکن بدقسمتی سے کانگڑی باہر نکالنے سے پہلے انہیں نیند آ جاتی اور پھر اس وقت آنکھ کھلتی جب کانگڑی کے ساتھ ان کا بستر بھی آگ کا لاوا بن چکا ہوتا تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنے ہاتھوں سے آگ بجھانے کی کوشش کرتے اور ساتھیوں کے سامنے اس بات کا عزم کرتے۔

یار یہ عجیب مصیبت ہے آج کے بعد میں اس بلا سے دور ہی رہوں گا۔ گھر والوں کا بستر جلانے پر انہیں شدید ندامت کا احساس ہوتا تھا۔ اپنے میزبانوں کے ہونے والے نقصان کا ازالہ کرنے کے لئے جانے سے پہلے سرہانے کے نیچے پیسے رکھ کر جاتے تھے۔ اگلے دن ٹھنڈی ہواؤں کے تھپیڑے انہیں پھر سے کانگڑی پکڑنے پر مجبور کر دیتے تھے اور پھر وہی رات والی کہانی دہرائی جاتی تھی، یہ سلسلہ پوری سردیاں چلتا رہتا۔ کپواڑہ کے لوگوں کو اپنے اس پردیسی بیٹے سے بہت ہمدردی تھی وہ دوسرے دن انہیں پیسے واپس کرتے ہوئے کہتے: بستر آپ سے قیمتی تو نہیں ہے، ایک جلا دوسرا حاضر ہے، آپ پیسے رکھ کر ہمیں شرمندہ کر دیتے ہیں۔ آپ لوگ ہماری عزت اور آزادی کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر اس پردیس میں آ کر اپنی جانوں کی قربانیاں دے رہے ہیں ہم ان دنیاوی چیزوں کو کیسے آپ سے عزیز رکھیں، ہماری جانیں بھی آپ لوگوں کیلئے حاضر ہیں۔

موسم بہار جہادی بہاریں لے کر آیا

سردیوں کا موسم گذرنے کے بعد جہادی نے انڈین آرمی پر تباہ کن حملوں کا آغاز کر دیا۔ کپواڑہ کے کوہسار ہر روز بارودی دھماکوں سے گونجنے لگے۔ بھارتی فوج نے مجاہدین کے ممکنہ حملوں سے بچنے کے لئے کپواڑہ کے گردونواح میں اہم شاہراؤں اور خاص جگہوں پر عارضی بنکر بنا لئے جن میں دن کے وقت دو دو چار چار کی تعداد میں فوجی پہرہ دیتے تھے اور رات کے وقت وہ اپنے کیمپ میں چلے جاتے تھے۔ انڈین آرمی کے بنائے ہوئے یہ مورچے نہ صرف مجاہدین کے لئے نقل وحرکت کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنتے تھے بلکہ آرمی والے سول گاڑیوں کو روک کر تلاشی کے بہانے لوگوں کی تذلیل بھی کرتے تھے۔ مجاہدین نے ان مورچوں کو تباہ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کارروائی میں ساجد جہادی نے اپنی بہترین حکمت عملی اپناتے ہوئے رات کے وقت تمام بنکروں میں ٹائم بم نصب کر دیئے۔ اگلے دن جب آرمی اپنے بنکروں میں آ بیٹھی تو ایک ہی وقت میں کئی خوفناک دھماکے ہو گئے۔ بھارتی فوجیوں کے مورچوں کے ساتھ ساتھ ان کے ٹکڑے بھی فضاء میں بکھر گئے۔ اس کامیاب کارروائی میں دشمن کے درجن بھر فوجی واصل جہنم ہو گئے، اس کے بعد انہوں نے دوبارہ مورچے بنانے کی ہمت نہیں کی۔

ساجد جہادی کی بارود پر کی گئی محنت بھرپور رنگ لا رہی تھی، چند ہی دنوں کے بعد انہوں نے انڈین آرمی کی ایک تھری ٹن گاڑی کو بمع سوار فوجیوں کے دھماکہ کر کے فضاء میں اڑا دیا۔ یہ ان کی پہلی بڑی اور کامیاب کارروائیاں تھیں اس کے بعد کپواڑہ سے ان خبروں کا آنا معمول کی بات بن گئی کہ آج جہادی نے آرمی کا ٹرک بارود سے اڑا دیا اور آج فلاں جگہ پر جیپیں اڑا دیں۔ پاکستان میں ذمہ داران نے مشورہ کیا کہ اس نابغہ روزگار بارودی کو کپواڑہ کے گمنام جنگلوں میں نہ رکھا جائے، ادھر ہونے والا نقصان آرمی چھپانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور مجاہدین کی طرف سے خبر دی بھی جائے تو اس کی تردید کی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو آگے کھلی

وادیوں میں بھیج دیا جائے تاکہ بھارتی طاقت کو فضا میں بکھرتے ہوئے ایک دنیا مشاہدہ کر سکے چنانچہ ساجد جہادی کو آگے کوچ کرنے کا کہہ دیا گیا۔ وہ کپواڑہ سے لولاب وہاں سے بانڈی پورہ اور پھر وہاں سے اجس بازی پورہ تک دشوار گذار پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کے راستے کئی مہینے پیدل چلتے ہوئے پہنچ گئے۔ اجس بازی پورہ کے گھنے جنگلات میں انہوں نے ایک تربیتی سنٹر قائم کیا جہاں پر جہاد میں شامل ہونے والے نوجوانوں کو مکمل تربیت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ صفا پورہ، گاندربل اور مودہ بڑھ پورہ تک ساجد جہادی نے ایک مضبوط فیلڈ بنا دی۔ ساجد جہادی کی ایمان افروز داستان کو آگے بڑھانے سے پہلے ان علاقوں میں مجاہدین کی آمد سے پہلے کے حالات کا تذکرہ کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔

ماسنبل صفاپورہ

یہ علاقہ سرینگر سے 28 کلومیٹر شمال کی جانب جھیل ماسنبل کے کنارے پر واقع ایک خوبصورت گاؤں ہے۔ گاؤں کے مشرق میں ''کرش ٹاپ'' نام کا بلند و بالا پہاڑ ہے یہ ایک طویل پہاڑی سلسلہ ہے جو شمال کی جانب بانڈی پورہ اور وادی لولاب سے جا ملتا ہے جبکہ جنوب کی طرف گاندربل اور صورہ سے ہوتے ہوئے ترال کی فلک بوس چوٹیوں کے ساتھ مل جاتا ہے، چھ گاؤں پر مشتمل علاقہ صفاپورہ دو خوبصورت جھیلوں کے درمیان میں واقع ہے۔ ایک طرف جھیل ماسنبل کی نیلگوں لہروں نے علاقے کے حسن میں چار چاند لگائے ہوئے ہیں، دوسری طرف مغرب کی جانب لہلہاتے کھیتوں سے گذرتا ہوا دریائے جہلم گویا پورے علاقے کو اپنی بانہوں کے حصار میں لئے ہوئے ہے۔ انہی پرفضا وادیوں میں ایک چھوٹا سا گاؤں ''چیوا'' بھی تھا یہ پیارا سا گاؤں کرش ٹاپ کے دامن میں آباد تھا۔ پہاڑ سے گرنے والے جھرنوں اور آبشاروں کی چھم چھم کرتی آواز جب رات کے وقت بند کمروں کے اندر آتی تھی تو یوں محسوس ہوتا تھا گویا کوہ قاف پر پریاں گنگنا رہی ہوں۔ اس گاؤں کو چاروں طرف سے لہلہاتے کھیتوں اور سیبوں کے باغات نے گھیر رکھا تھا، موسم بہار میں علاقے کی خوبصورتی اور دلکشی دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، سرسوں کے پھولوں سے لدے ہوئے کھیت پورے ماحول کو معطر کر دیتے تھے، اس پیارے چمن میں جہاں ہر طرف بہاریں مسکرا رہی ہوتی تھیں میرا بچپن گذرا...... بچپن کے دن کس کو پیارے نہیں لگتے، انسان ہر قسم کے فکر و غم سے بے نیاز ہوتا ہے۔

ہمارے دو سیبوں کے باغ تھے، ان میں سے ''وڈر'' والا باغ میری پسندیدہ جگہ تھی۔ یہ باغ پہاڑ کے دامن میں تھا، ہم شام گئے تک ان باغوں میں کھیلا کرتے تھے، پکے ہوئے سیبوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی شاخیں جب ہمارے سروں سے ٹکراتیں تو ہمیں ایک عجیب قسم کی شرارت سوجھ جاتی، ہم شاخ کے ساتھ لگے سیب کو اتارے بغیر آدھا کھا لیتے اور باقی شاخ کے ساتھ لگا

رہنے دیتے، بابا جب پھلوں پر یہ ظلم دیکھتے تو انتہائی برہم ہو جاتے، اگلے دن ہم پھر وہی کھیل کھیلتے تھے۔ بچپن ان بہاروں اور قدرت کے حسین نظاروں سے اٹھکھیلیاں کرتے ہوئے جوانی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک 1990ء کے بعد چمن کی فضاء ہی بدل گئی، ان بہاروں اور نظاروں کو کسی کی نظر لگ گئی، ماحول میں سرسوں کے پھولوں کی بجائے بارود کی بو رچ بس گئی۔ وجہ یہ تھی کہ کشمیری مسلمانوں نے بھارت کے ظالم اور غاصب حکمرانوں کے سامنے بغاوت کا اعلان کر دیا اور اپنی آزادی جو کشمیری قوم کا بنیادی حق ہے کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور غاصب برہمن حکومت نے مسلمانوں کی آواز کو دبانے کے لئے وادیٔ کشمیر میں ظلم و جبر کا بازار گرم کر دیا۔ بھارتی فوج نے کشمیری لڑکیوں پر بے تحاشا ظلم ڈھائے، دن دیہاڑے لڑکیوں کو اغواء کر کے ان کی عصمت دری کرنا بھارتی درندوں کا معمول بن چکا تھا۔ اس وقت مسئلہ کشمیر پوری دنیا میں اجاگر نہیں ہوا تھا اس لئے وہ تمام حیا سوز اور شرمناک مظالم دنیا کی نظروں سے اوجھل رہے۔ 90ء کی دہائی میں کشمیر کی عفت مآب بیٹیوں پر وہ شرمناک مظالم ڈھائے گے جنھیں صفحۂ قرطاس پر لانا ناممکن ہے۔ کشمیر کی درجنوں بہنوں نے گوہر عصمت کو بچانے کی خاطر خود کو دریائے جہلم کی بے رحم لہروں کے حوالے کیا اور کئی عفت مآب چھتوں پر سے کود کر جان کی بازی ہار گئیں لیکن اپنی عزت کو وحشی درندوں سے بچانے میں کامیاب ہو گئیں۔

وادی کے طول و عرض میں ظلم و جور کی تند و تیز آندھی چلنے لگی تھی۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو لوریاں دینے کی بجائے بھارتی فوجیوں کے ظلم و تشدد کی داستانیں سنانا شروع کر دیں۔ ہم اس بات کو سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ بھارت کے ظالم فوجی ہمیں کس جرم میں مار رہے ہیں، ہماری مائیں ہمیں گھر سے دور ویران اور سنسان جگہوں پر جانے سے منع کیا کرتی تھیں انہی دنوں کی بات ہے میں اور میری ہم عمر کزن ''وڈر'' والے باغ میں جا پہنچیں۔ ہم دونوں انار کے درخت کے نیچے کچے اناروں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ ہمارے باغ کے ساتھ ہی سرینگر بانڈی پورہ شاہراہ گذر رہی تھی، عین اس وقت سڑک پر دو فوجی گاڑیاں رک گئیں اور ان میں سے کچھ فوجی نیچے اتر آئے۔ ہم اپنے کھیل میں مگن تھے لیکن آرمی کی طرف بھی دھیان تھا۔ باغ کے چاروں

طرف خاردار تار لگی ہوئی تھی ۔ہم نے دیکھا کہ فوجی باغ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں ۔اچانک ماں کے کہے ہوئے الفاظ دماغ میں تازہ ہو گئے بھارت کے ظالم فوجی لڑکیوں کو اغواء کر کے لے جاتے ہیں اس لئے تم لوگ ''وڈر'' والے باغ میں مت جایا کرو۔باغ سڑک کے اوپر کی طرف پہاڑ کے دامن میں تھا جبکہ ہمارا گاؤں سڑک کی دوسری جانب تھا۔سڑک پر فوجی کھڑے تھے اس لئے ہم نے گھر کا رخ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔فوجی باغ کے اندر داخل ہو چکے تھے یہ باغ کافی بڑا تھا اس لئے ہمارے اور ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ہم نے مٹھیاں بند کر کے مشرق کی طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔دور دور تک کسی بندہ بشر کا نام ونشان تک نہ تھا۔مارے خوف کے ہمارا دم نکلنے والا تھا لیکن پھر بھی روتے چلاتے ہم ان وحشی درندوں سے بھاگ رہی تھیں۔پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی جس کو ''بخشی محلّہ'' کہتے تھے ہمارا رخ اسی طرف تھا۔ظالم ہندوؤں نے جب آبادی دیکھی تو واپس پلٹ آئے۔اس دن کے بعد ان عزت کے لیٹروں کی دہشت دل میں بیٹھ گئی اور ہم نے باغ کی طرف جانا ہی چھوڑ دیا۔

خزاں کا موسم یہ کون لایا؟

وقت دبے پاؤں گذرتا چلا جا رہا تھا، تحریک آزادیٔ کشمیر شروع شروع میں صرف کشمیری نوجوانوں کی تحریک تھی، کشمیر کے چپے چپے اور گلی گلی میں یہ نعرہ گونج رہا تھا، ہم کیا چاہتے آزادی...... بھارتی کتو واپس چلو...... نوجوان دھڑا دھڑ اسلحہ اٹھا رہے تھے ہر طرف مجاہدین کے قافلے نظر آ رہے تھے لیکن ان مجاہدین میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو جہاد کے معنٰی اور راہ جہاد کی کٹھنائیوں سے بے خبر تھے تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے راہ حق میں اور اپنے وطن کی آزادی کے لئے اپنے لہو کے نذرانے پیش کئے اور شجر آزادی کو اپنے گرم خون سے سیراب کیا۔ بھارتی فوج نے مجاہدین کے اہل خانہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور جن لوگوں نے محض شوق میں اسلحہ تھام لیا تھا وہ راہ جہاد کی کٹھنائیوں پر ثابت قدم نہیں رہ سکے اور انڈین آرمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ سرنڈر ہونے والوں میں اخوان المسلمین نامی تنظیم کا امیر غدار ملت یوسف پرے المعروف کوکہ پرے سرفہرست تھا۔ انڈین آرمی نے ان لوگوں کی ہر طرح سے مالی اور اسلحہ کے طور پر امداد جاری رکھی بالآخر 1995ء میں ایمان فروشوں کا یہ ٹولہ ایک منظم گروہ کی صورت میں ابھرا جس کی قیادت کوکہ پرے کر رہا تھا۔ انڈین آرمی نے انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجاہدین اور ان کے مخلص معاونین کے خلاف استعمال کیا نتیجتاً پوری وادی ان کے ظلم و تشدد کی لپیٹ میں آ گئی۔

کوکہ پرے کا آبائی علاقہ حاجن سونا وادی تھا، حاجن سے ہی تعلق رکھنے والا ایک اخوانی بشریار کے نام سے مشہور تھا۔ اس شیطان کے چیلے نے اس قدر ہیبت ناک شکل بنا رکھی تھی جسے دیکھ کر بچے تو کیا بڑے بھی سہم جاتے تھے۔ اس کی بڑی بڑی مونچھیں پورے چہرے پر پھیلی ہوئی ہوتی تھیں۔ کوکہ پرے کا رشتہ دار ہونے کے ناطے طاقت کے گھمنڈ میں اس کی زبان پر ہر وقت یہ کلمہ کفر رہتا تھا اس کا تکیہ کلام تھا ”آسمان کا مالک پروردگار ہے اور زمین کا مالک بشریار ہے“

اس نے بے گناہوں پر دل کھول کر مظالم ڈھائے ایک روز مجاہدین نے اس کو انجام بد تک پہنچایا......تو زمین و آسمان نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ زمین کا مالک ہونے کا دعویدار جب قبر میں ڈالا گیا تو رات کے وقت قبر نے اس کو باہر پھینک دیا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا دن کو اس کو دفنایا جاتا تھا اور صبح اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ہوتی تھی۔ اس صورتحال سے حاجن کے لوگ بہت خوفزدہ ہوئے بالآخر کسی مولوی صاحب نے اس کے گھر والوں کو قبر پر ختم وغیرہ اور صدقہ خیرات کرنے کا مشورہ دیا، اس کے بعد زمین نے اسے اپنے اندر جگہ دے دی۔ پورے علاقے میں خوف و ہراس کا عالم تھا، زندگی اجیرن بن گئی تھی، اخوان کے دہشت گرد انڈین آرمی کے ساتھ مل کر اچانک بستی پر دھاوا بول دیتے اور بلا وجہ لوگوں کو زدوکوب کر کے چلے جاتے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا لوگ دن بھر کے بھوکے پیاسے جب افطاری کے لئے گھر میں جمع ہوتے عین اسی وقت یہ درندے یلغار کرتے ہوئے گاؤں میں آ جاتے اور لوگوں پر تشدد کرتے۔ ایک دفعہ افطاری کے وقت باہر عورتوں کی چیخ و پکار بلند ہوئی، سب لوگ گھروں سے باہر آئے معلوم ہوا کہ ظالم فوجی اور اخوانی ماسٹر غلام محمد کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ماسٹر صاحب کی چھ بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی بھی نہیں تھا، وہ سب بہنیں ننگے پاؤں اُن ظالموں کے پیچھے بھاگی جارہی تھیں اور روتے ہوئے فریاد کر رہی تھیں کہ ہمارے بے قصور باپ کو چھوڑ دو انہوں نے تو ابھی روزہ بھی افطار نہیں کیا ہے۔ ہر شام اس طرح کسی نہ کسی گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی تھی۔

ان دنوں ہمارا خاندان ان کے زیادہ ہی زیرِ عتاب تھا، اس کی وجہ میرے چچازاد بھائی عمر مختار تھے جو اس وقت حزب المجاہدین کے ضلعی کمانڈر تھے۔ ہماری صبح و شام خوف و دہشت کے مہیب سایوں میں گزر جاتی تھی، شاید ہی کوئی ایسا دن گزرتا تھا جب دشمن ہمارے گھروں میں آ کر توڑ پھوڑ اور ظلم و تشدد نہ کرتا۔ بھائی عمر مختار کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور بہادر دل دیا تھا وہ دشمن کے آگے جھکنے کے لئے کبھی تیار نہ تھے حالانکہ دشمن نے انہیں ہتھیار ڈالنے کے لئے کئی لالچ دیئے۔ ان کا مسکن کرش ٹاپ والی پہاڑی تھی۔ انڈین آرمی علم ہونے کے باوجود بھی پہاڑ کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں کرتی تھی۔ ان کا ہدف نہتے اور بے گناہ لوگ ہوتے تھے، ان کا ہر بار ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ مختار کو ہمارے حوالے کر دو یا اسے سرنڈر کرا دو، اس

بات پر انہوں نے چاچو کے گھر پر کیا کیا قیامتیں نہیں ڈھائیں لیکن بھائی عمر مختار ان آزمائشوں کے آگے کوہ گراں ثابت ہوئے۔ ایک مرتبہ بزدل انڈین آرمی نے چاچا جی کو اور بھائی عمر مختار کے چار سالہ بیٹے ارشد مختار کو گرفتار کر لیا۔ انہی دنوں بھائی ایک رات ہمارے گھر آ گئے میں نے ان کو ننھے ارشد کی گرفتاری کا بتایا تو انہوں نے مسکرا کا جواب دیا ارے اس میں پریشانی والی کونسی بات ہے۔ وہ اس بچے کا کیا بگاڑیں گے ایک دن آخر ذلیل ہو کر چھوڑ دیں گے۔ یہ بزدل ہیں اس لئے ایسی بزدلانہ حرکتیں کر رہے ہیں۔

وہ جب بھی ہمارے گھر میں آتے تھے میں ان سے اسلحے کے بارے میں کچھ نہ کچھ سیکھ لیتی تھی۔ اس رات ان کے گلے میں پیکا گن جھول رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح میں نے سکھانے کی فرمائش کی اور انہوں نے مجھے اس کے بارے میں چند ضروری باتیں بتائیں اس کے بعد دوربین دے کر کہا کہ میں حالات پر نظر رکھوں، انہیں والد صاحب یا بچے کی گرفتاری کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور حق والوں پر ایسی آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔

ایک مرتبہ دن کے گیارہ بجے انڈین آرمی اور اخوانی دہشت گردوں نے مل کر ہمارے گھر پر چھاپہ مارا۔ وہ یہ کہتے ہوئے دندناتے پھر رہے تھے کہ ہاں عمر مختار کو سرنڈر کراؤ گے کہ نہیں؟ ورنہ تم لوگوں کا انجام بہت برا ہوگا۔ انہوں نے کھڑکیاں دروازے توڑ ڈالے اور لوٹ مار کرتے ہوئے جہاں کوئی قیمتی چیز پیسے زیور وغیرہ جو کچھ ہاتھ لگا اٹھا لیا۔ یہاں تک کہ عمر بھائی کی اہلیہ کے بکسے سے ان کی شادی کے کپڑے تک نہیں چھوڑے۔ سب لوگ ان کے مظالم سے بہت تنگ آ چکے تھے۔ میری جواں سال کزن یعنی مجاہد کی بہن نے مزاحمت کی اور ان لیٹروں کے سامنے دلیری سے کہا کہ گھر کا سامان کیوں توڑ رہے ہو۔ مختار وہ پہاڑ پر بیٹھا ہے تم اتنے سارے ہو جا کر اس سے مقابلہ کرو، ہم نہتے اور بے گناہ لوگوں پر ظلم کیوں کرتے ہو۔ ہمت ہے تو جا کر مردوں کی طرح اس کے ساتھ مقابلہ کرو۔ کمزور عورتوں پر ظلم ڈھانا کون سی بہادری ہے۔ وحشی درندوں کو حقیقت پر مبنی کھری اور سچی باتیں ناگوار گزریں، انہوں نے میری بہنا کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھر سے باہر نکالا اور گھسیٹتے ہوئے سڑک پر لے آئے۔ سڑک پر پڑے سنگ ریزے اس نرم نازک بدن کو لہولہان کرتے جا رہے تھے۔ ہم بہن کی حالت پر احتجاج کرنے لگے تو ہمیں بھی تھپڑ اور گنوں کے

بٹ مارے گئے۔ وہ اس کو اسی طرح گھسیٹتے ہوئے کافی دور تک لے گئے۔ بالآخر اس نے ایک بار بھرپور مزاحمت کر کے خود کو اس ظالم کے چنگل سے چھڑایا۔ ایک درندے نے کہا گولی مار دو...... کو۔ اخوانی ڈاکو نے گولی چلائی وہ مظلوم لڑکی ابھی تک زمین پر پڑی تھی۔ اس نے فوراً پینترا بدلا اور گولی اس کے اوپر سے گذر کر ایک بوڑھی عورت کے کان کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ بوڑھی اور ضعیف العمر خاتون غربت کے مارے مدد کوٹ بالا سے چیوا آ کر سنگھاڑے بیچا کرتی تھیں اور اس وقت بھی وہ بجلی کے کھمبے کے نیچے سنگھاڑوں کی ٹوکری لئے بیٹھی تھی۔ آج بچوں کی ٹولیاں اس سے سنگھاڑے خریدنے کے لئے نہیں آئیں۔ کیونکہ آج صبح سے ہی چیوا کی گلیوں میں انڈین آرمی اور اخوانی ظالموں نے خوف و دہشت پھیلا رکھی تھی۔ بوڑھی عورت مارے خوف کے بے ہوش ہو گئی۔ ہم انہیں گھر کے اندر لے آئے اور پانی پلا کر حوصلہ بڑھایا کہ آپ کا صرف کان زخمی ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔ پوری بستی میں ہو کا عالم تھا۔

وحشی درندے لوٹ مار اور ظلم و تشدد کر کے چلے گئے تھے۔ سب لوگ ہمارے گھر کے باہر جمع تھے۔ اتنے میں لوگوں کی نظریں ایک چادر پوش آدمی پر جم گئیں۔ اس نے اپنا چہرہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اچانک میری نظر چادر کے کونے کے ساتھ بندھے ہوئے گرنیڈ پر پڑی تو میرے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ مختار بھائی! جان یہ آپ ہیں نا؟ انہوں نے چہرے سے نقاب ہٹایا تو ہم سب رونا شروع ہو گئے اور انہیں سارے مظالم کی داستان سنا دی۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور پوچھا وہ لوگ کس طرف سے گئے ہیں۔ وہ اس وقت بالکل اکیلے تھے اس لئے ہم نے انہیں زبردستی واپس جنگل کی طرف بھیج دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حزب کے مجاہدین نے مختار بھائی کے ساتھ ملکر انڈین آرمی کے کانوائے پر حملہ کیا۔ اور ان کی اس گھٹیا حرکت پر انہیں خوب سبق سکھایا۔ زندگی انہی مصائب و آلام میں گذر رہی تھی۔ بہاریں اب بھی آتی تھیں لیکن وہ پہلے جیسی رونق اب چمن میں نہیں رہی تھی۔ ظالم کا ظلم بڑھتا گیا اور مظلوم میں ظلم سہنے کی قوت بھی بڑھتی گئی۔ لیکن ہر شخص کے لبوں پر جیسے یہ سوال تھا کہ:

میرے وطن کی بہار رت میں خزاں کا موسم یہ کون لایا
یقین کے کھلتے گلاب دے کر گماں کا موسم یہ کون لایا

انڈین آرمی کی درندگی

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ چچا جان اور ننھا بھی کافی دنوں کے بعد رہا ہو گئے تھے۔ ہمارے بوڑھے بزرگ اس عبادت والے مہینے میں بھارتی فوج کے ہیڈ کوارٹر کے گیٹ پر اپنے پیاروں اور عزیزوں کی رہائی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ آرمی ہیڈ کوارٹر ماسنبل جھیل کے کنارے پر واقع تھا اور علاقے کے لوگ ٹھٹھرتی سردی میں ماسنبل جھیل سے اٹھنے والے سرد ہوا کے تھپیڑوں میں صبح سے شام تک کیمپ کے باہر کھڑے رہتے تھے۔ بالآخر کئی دنوں کے بعد پتھروں کے پجاریوں کا دل نرم ہو جاتا اور پھر بے گناہ افراد کو رہا کیا جاتا تھا۔

عید کی آمد آمد تھی۔ انڈین آرمی کے ظلم و تشدد نے کشمیری عوام کی خوشیاں پہلے ہی ملیامیٹ کر کے رکھ دی تھیں۔ لیکن عید اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک خاص تحفہ ہے۔ اس لئے چیوا کے لوگ بھی زخمی دل لئے عید کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس دن دھوپ چمک رہی تھی، ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا انڈین آرمی گاؤں کی طرف آ رہی ہے۔ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی اور نوجوان ادھر اُدھر چھپ گئے۔ کئی نوجوانوں نے ان ظالموں کے خوف سے پانی کی ندی میں پناہ لی۔ تمام عورتیں بھی ایک جگہ جمع ہو گئیں اور یہ فیصلہ کیا کہ آج ہم آرمی والوں کو کسی نوجوان کو گرفتار نہیں کرنے دیں گی۔ پرسوں عید ہے اور یہ کافر ہمارے بھائیوں کو گرفتار کر کے عید کی خوشیوں کو ماتم میں بدلنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اگر آرمی کسی کو گرفتار کرنے کی کوشش کرے تو ہم سب ملکر حملہ کر دیں گے۔ ایسا کئی دفعہ ہوا تھا کہ کشمیری خواتین نے انڈین آرمی پر پتھر اور ڈنڈے برسا کر ان کی خوب ٹھکائی کی۔ ایک دفعہ آرمی کچھ بے گناہ کشمیریوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چیوا کی بہادر اور نڈر عورتوں نے مل کر آرمی والوں پر حملہ کر دیا۔ میری مامی جی نے ایک فوجی کے سر پر گرم گرم کانگڑی الٹ دی آگ اس کے گریبان کے اندر گئی تو وہ چیختا چلاتا اور ہائے بھگوان ہائے بھگوان کہتا ہوا بندر

کی طرح اچھل رہا تھا۔ دوسرے فوجی نے اپنے ساتھی کی درگت بنتے دیکھی تو مامی جی پر اس زور سے گن کا بٹ مارا جس سے ان کا بازو ٹوٹ گیا۔ اتنے میں باقی عورتوں نے بھی اس آتشی ہتھیار کا استعمال کیا اور انڈین آرمی پر دھڑا دھڑ کانگڑیاں برسائیں۔ اس دن بھارتی فوج کی وہ پٹائی ہوئی کہ اگلے دن وہ خبر اخبار میں آ گئی۔ اس دن کے بعد انڈین آرمی نے چھوا کی عورتوں کو بدمعاش عورتیں کہنا شروع کر دیا۔

اس روز بھی عورتوں نے اسی انداز کی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف سے نوجوانوں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ بھارتی کتے کسی کو ٹھنڈے پانی کی ندی میں ڈبو کر اذیت دے رہے تھے اور کسی کو گھروں سے گھسیٹ کر باہر لا رہے تھے اسی دوران چند فوجی بھائی عمر مختار کے چھوٹے بھائی کو گریبان سے پکڑ کر لے آئے۔ وہ غریب کئی بار قید میں رہ کر ان کے بہیمانہ تشدد کا شکار ہو چکا تھا۔ آرمی آنے کی خبر سن کر اسے ہم نے ایک ایسے گھر میں جانے کا کہا تھا جہاں بظاہر آرمی کے جانے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن بدبختوں نے اس دن کوئی گھر نہیں چھوڑا یہاں تک کہ وہ ان کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے جب عورتوں کو سڑک کے ساتھ ایک باغ میں جمع دیکھا تو رو کر فریاد کرنے لگا کہ مجھے ان سے بچاؤ ایک کافر اس کو بری طرح مکے اور گھونسے مارتا جا رہا تھا۔ میں بھاگ کر اس کی طرف گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زور زور سے کھینچنے لگی۔ بھارتی فوجی کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا اور وہ بے تحاشا میرے بازوؤں پر مارے جا رہا تھا۔ اس وقت اللہ نے میرے بازوؤں میں نہ جانے کیسی طاقت دی کہ میں نے گلزار کو اس کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اتنے میں عورتوں کا ہجوم بھی آگے بڑھا اسی وقت انڈین آرمی کی ایک تیز رفتار گاڑی آئی اور میرے اور عورتوں کے درمیان میں رک گئی۔ آرمی والے عورتوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے چیختے چلاتے ہاتھوں میں گنیں لہراتے ہوئے گاڑی سے کود پڑے۔ اور عورتوں کا راستہ روک لیا ادھر میں تین کافروں کے سامنے بالکل اکیلی رہ گئی۔ بھارتی کتا مسلسل مجھ پر ڈنڈے برسا رہا تھا لیکن میں نے بھائی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ فوجی باقی عورتوں کو منتشر کر کے میری طرف متوجہ ہوئے۔ گنوں کے بٹ اور ڈنڈوں کی مسلسل ضربوں سے میرے بازو شل ہو گئے۔ انہوں نے گلزار بھائی کو دھکا دے کر گاڑی کے اندر پھینک دیا۔ ادھر ساتھ ہی پتھروں کا

ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ مجھے غم و غصے اور تکلیف کی شدت نے پاگل کر دیا تھا۔ میں نے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر ان کی گاڑی کے اندر پھینکے۔ فوجی گاڑی پیچھے سے کھلی ہونے کی وجہ سے پتھر ان کے اوپر گر رہے تھے۔ مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی تھی میں پوری طاقت سے چلا رہی تھی۔ بھارتی کتو! کافرو! حرام زادو! اور نہ جانے کیا کیا کہے جا رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ بھارتی کتے قہقہے لگاتے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے گاڑی بھگا کر لے گئے۔ اس دن کئی نوجوان گرفتار کر لئے گئے۔ عید کے موقع پر بھی وہی آنسوؤں اور آہوں کا سماں بندھ گیا۔ چاند رات کو پھر بزرگ کیمپ کے باہر دھکے کھا رہے تھے اور نوجوان عورتیں، بچے احتجاجی مظاہرے کر کے اپنے پیاروں کی رہائی کا ان الفاظ میں مطالبہ کر رہے تھے۔

بے گناہ بھائیوں کو رہا کرو۔

جس کشمیر کو خون سے سینچا

وہ کشمیر ہمارا ہے۔

انڈین آرمی نے گلزار بھائی کو اس بات پر خوب ٹارچر کیا کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری گن اس لڑکی کے پاس ہے۔ ہم اس کو گرفتار کر کے سبق سکھائیں گے۔ اس نے ہمارے ساتھ بڑا مقابلہ کیا ہے وہ ملی ٹینٹ ہے۔ اس نے جواب دیا میرے پاس کون سی گن ہے جو میں نے اس کے پاس رکھی ہوگی۔ وہ میری بہن ہے جب آپ لوگوں نے مجھے گرفتار کیا تو اس نے اسلئے آپ کے آگے مزاحمت کی۔ اس دن انڈین آرمی نے میرا نام فائل میں درج کیا کہ یہ لڑکی ملی ٹینٹوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ بابا نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ میں نے انفرادی مقابلہ کیوں کیا۔ اب میں دشمن کی نظروں میں آ گئی ہوں۔ بڑے بھائی جان جماعت اسلامی کے رکن تھے۔ انہوں نے میری سائیڈ لے کر کہا۔ نام لکھ دیا تو کیا ہوا۔ اگر ہم ان کے گھروں میں اس طرح جا کر ظلم کریں گے تو ان کی عورتیں بھی مزاحمت کریں گی۔ اس رات مجھے بالکل نیند نہیں آئی تھی۔ میرے دونوں بازو سوج گئے تھے۔ اسی حالت میں ہماری عید بھی گزری۔

ایک دفعہ حزب کے مجاہدین کی ایک گھر میں میٹنگ ہو رہی تھی۔ بھائی عمر مختار بھی اس میں شامل تھے۔ اس بات کی اطلاع آرمی کو مل گئی تو انہوں نے فوراً چھاپہ کی طرف پیش قدمی کی۔

مغرب سے ذرا دیر پہلے مجھے پتہ چلا کہ انڈین آرمی گاؤں کی طرف آ رہی ہے۔ میں مجاہدین کو اطلاع دینے کی غرض سے نکلی اتنے میں آرمی کی ایک جیپ بستی میں داخل ہوگئی۔ میں نے تیز تیز دوڑنا شروع کر دیا کیونکہ وہ گھر گاؤں کے آخر میں تھا۔فوجی جیپ میرے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آ رہی تھی۔ میں نے گیٹ پر زور زور سے دستک دی اندر سے آواز آئی کون ہے؟ حاجرہ آپا آرمی آ گئی ہے۔ میرے پاس اپنا تعارف کرانے کے لئے وقت نہیں تھا اس لئے میں نے سب سے پہلے دشمن کی اطلاع دی۔ انہوں نے اندر پیغام دیا اور جلدی سے گیٹ کھول کر مجھے اندر بلا لیا۔ وہ ہمارے رشتہ دار ہی تھے۔ مجاہدین گھر کے پچھلے دروازے سے نکل گئے۔ اور چند سیکنڈ کے اندر اندر آرمی گھر میں داخل ہوگئی۔ گھر میں مچی افراتفری سے انہیں یقین ہوگیا کہ ادھر مجاہدین موجود تھے۔ انہوں نے گھر والوں پر خوب تشدد کیا کہ ہمیں ادھر مجاہدین کے موجود ہونے کی پکی اطلاع مل گئی تھی تم لوگوں نے انہیں بھگا دیا ہے۔ انڈین آرمی کے گھر میں داخل ہوتے ہی پورے گھر میں ایک ناگوار بو پھیل گئی۔ ہم لوگ شراب کی بو سے ناآشنا تھے اس لئے اسے Piodine کی بو سمجھ رہے تھے۔ یہ مشرک شراب پی کر آئے تھے۔ بھارتی فوج کے کمانڈنگ آفیسر (C.O) نے فیرن پہن رکھا تھا کافر نے اس قدر بھیس بدلا ہوا تھا اگر وہ اکیلا باہر جاتا تو بالکل کسی کو شک بھی نہ گزرتا کہ یہ (C.O) ہے۔ میری سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔ اس نے مجھے کھڑا کر کے پوچھا کہ تم کون ہو؟ حاجرہ آنٹی نے فوراً جواب دیا یہ میری بیٹی ہے۔ وہ کافی بڑا خاندان تھا دو بھائی اکٹھے رہ رہے تھے اس لئے وہاں پر لڑکیوں کی ایک کھیپ موجود تھی۔ اس کمبخت کو نہ جانے کیا شک گذرا وہ سب کو چھوڑ کر مجھ سے پوچھ گچھ کرنے لگا کمرے میں بلب روشن تھا اس شیطان کے چہرے پر سے سفاکیت چھلک رہی تھی۔ آنکھیں خونخوار ہو رہی تھیں اور اس کے منہ سے بات کرتے ہوئے بدبو کے بھبھوکے نکل رہے تھے۔ اس کے بات کرنے کا انداز ہی کچھ اور تھا جس سے مجھے شک پڑا کہ جسے ہم (Piodine) کی بو سمجھ رہے تھے وہ دراصل شراب کی بو ہے۔ اور یہ شیطان اس وقت نشے میں دھت ہے اس بات سے مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اس نے لڑکھڑاتی آواز میں سوال کیا ہاں تم بتاؤ ملی ٹینٹ کدھر گئے ہیں۔

ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔ میں نے جواب دیا مجھے کیا پتہ وہ کدھر گئے ہیں۔ ہمارے گھر میں تو کوئی نہیں تھا۔ میرا جواب سنتے ہی وہ غصے سے بھر گیا اور اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ میں چکرا کر گر گئی۔ حاجرہ آنٹی نے دل پکڑ کر چیخ ماری اور دھڑام سے فرش پر گر پڑی ہم سب نے شور مچایا اور ہائے اماں ہائے اماں کی فریادیں کرنے لگے آنٹی فرش پر بے سدھ پڑی ہوئی تھیں۔ سی او بولا بڑھیا کو کیا ہوا ہم نے کہا ہماری ماں دل کی مریضہ ہیں۔ انہیں شاید خوف سے دل کا دورہ پڑا ہے۔ کشمیر میں بھارتی فوج کے مظالم کی وجہ سے یہ بیماری بہت عام ہوگئی اور کئی لوگ اسی کے ہاتھوں جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ سی او کمرے سے باہر چلا گیا آنٹی نے ایک آنکھ کھول کر پوچھا چلے گئے ہیں؟ ہم نے کہا ابھی ادھر ہی ہیں آپ پڑی رہیں۔ پھر اس وقت تک ہماری چیخ و پکار جاری رہی جب تک کہ وہ وہاں سے دفع نہ ہوئے۔ اس طرح انہوں نے سی او کو بے وقوف بنا کر ہم سب کو اس کے شر سے بچا لیا ورنہ وہ شرابی نہ جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ ہم نے اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا کہ مجاہدین بحفاظت نکل گئے اور کافروں کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا البتہ کچھ عرصہ بعد بھائی عمر مختار گرفتار ہو گئے۔ ان دنوں مجاہدین اخوان المسلمین کی غداری کی وجہ سے جنگلوں میں روپوش ہونے پر مجبور تھے بھائی کو معمولی سا بخار ہو گیا اور احتیاط نہ ہونے کی وجہ سے مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن وہ بستی کی طرف آرہے تھے، راستے میں طبیعت بہت خراب ہوگئی اور سر چکرانے لگا۔ ادھر ایک باغ کے اندر ایک خالی جھونپڑی تھی وہ اس میں جا کر لیٹ گئے بخار کی شدت سے وہ بے ہوش ہو گئے کچھ دیر بعد وہاں انڈین آرمی آ گئی اور وہ اسی حالت میں گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی آدھی زندگی جیلوں میں گذر گئی۔

لہورنگ وادی

وادیٔ کشمیر کا کوئی گوشہ کوئی بستی ایسی نہیں جہاں خون معصوم کے دھارے نہ بہے ہوں بے گناہوں کے خون کے چھینٹوں نے وادی کے سبزہ زاروں کو لالہ زار بنا دیا۔ انڈین آرمی کشمیری قوم کی نسل کشی کے لئے روزانہ دور دراز علاقوں سے درجنوں نوجوان گرفتار کر کے انہیں ابدی نیند سلا دیتی۔ ہم نے کئی بار چیوا کے گرد ونواح میں ایسی بے گور وکفن لاشیں دیکھیں جنہیں بھارتی فوجی رات کے اندھیرے میں کھیت کھلیانوں میں پھینک کر چلے جاتے ان بدنصیبوں کے بارے میں پتہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ یہ کس ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور کس بہن کے دل کا سکون ہیں۔ انھیں لاوارث سمجھ کر مقامی قبرستانوں میں منوں مٹی کے اندر دبایا جاتا تھا اور انکے گھر والے تمام زندگی اس انتظار میں گذارتے کہ شاید ان کے عزیز گھر لوٹ کر آ جائیں۔ کشمیری نوجوان جو ہزاروں کی تعداد میں لاپتہ کئے گئے۔ ان کی اکثریت اسی طرح گمنام قبروں میں سو رہی ہے اور گھر والوں کو انکی قبر دیکھنی بھی نصیب نہیں ہوئی۔

صفا پورہ کے چھوٹے سے علاقے میں بھی اسی طرح درجنوں افراد موت کی نیند سلا دیئے گئے جن میں میرے ایک محسن استاد ماسٹر عبدالکریم بٹ بھی شامل تھے۔ ماسٹر صاحب سفید ریش پُر نور چہرے والے بزرگ انسان تھے اور میرے بڑے بھائی جان کے ساتھ ان کے قریبی مراسم تھے۔ ہمارے گھر بھی ان کا کافی آنا جانا تھا۔ وہ دونوں علاقے کے نوجوانوں کو جہاد کے لئے تیار کر کے تربیت کے لئے بیس کیمپ روانہ کرتے۔ کافی عرصہ وہ نوجوان نسل کے دلوں میں شمع جہاد روشن کرتے رہے۔ جب وادی میں مسلح تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا اس وقت میں چھٹی یا ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ ماسٹر صاحب ہمیں کلاس میں اکثر مجاہدین کے قصے سنایا کرتے تھے وہ کشمیری لڑکیوں کو بھی تربیت دینے کے حق میں تھے کیونکہ کشمیر کی بیٹیوں کی عزت غیر محفوظ

ہو چکی تھی۔ اس لئے ماسٹر صاحب کہا کرتے تھے کہ اپنی عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے لڑکیوں کو بھی تربیت دینی چاہئے۔ ان دنوں دخترانِ ملت کے نام سے کشمیری خواتین کی ایک منظم جماعت بھی بن گئی تھی جس کی سربراہ محترمہ آسیہ اندرابی تھیں۔ ماسٹر صاحب بھی ان کے حوالے سے بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ اللہ جانے یہ ان کی دوراندیش نگاہوں کا کمال تھا یا محض ایک خیال وہ اکثر مجھے کلاس میں کھڑا کرتے اور ساری کلاس کو بتاتے دیکھنا میری یہ بیٹی بڑی ہو کر مجاہدہ بنے گی پھر مجھ سے سوال کرتے کیوں بیٹا ایسا ہی ہوگا نا؟ اس وقت مجھے جہاد اور مجاہدین جیسے الفاظ کا کوئی شعور نہیں تھا لیکن ان کی خوشی کے لئے میرا جواب ہاں میں ہوتا تھا۔ ماسٹر صاحب جانتے تھے کہ وہ دشمن کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے بے خوف وخطر اپنا مشن جاری رکھا ایک دفعہ انڈین آرمی اور اخوانیوں نے ان کے گھر پر صبح سویرے چھاپہ مارا۔ ماسٹر صاحب ناشتہ کر رہے تھے۔ انہوں نے آ کر کہا آپ باہر آ جائیں ہم نے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ وہ باہر جانے لگے تو ان کی اہلیہ محترمہ نے انہیں روک کر کہا مجھے ان کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے اس لئے آپ باہر نہ جائیں جو بات کرنی ہے ادھر ہی کیوں نہیں کرتے۔ ماسٹر صاحب ایک بہادر اور جرأت مند انسان تھے انہوں نے اپنی اہلیہ کو سمجھایا کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کی مرضی کے بغیر یہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے انہوں نے فیرن پہن رکھا تھا اور فیرن کے اندر کانگڑی بھی پکڑی ہوئی تھی۔ جب وہ باہر نکلے ایک درندہ بولا کانگڑی ادھر ہی رکھ دو دوسرا کہنے لگا رہنے دو یہ خود ہی گر جائے گی ان کی گفتگو سے استادِ محترم ان کے مکروہ عزائم بھانپ گئے اور باآواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا اور ظالموں نے بنا کسی سوال وجواب کے گولیوں کا ایک برسٹ سینے میں اتار دیا۔ وہ موقع پر ہی شہادت کا جام نوش کر گئے۔ خونی درندے وہاں سے نکل چکے تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ اپنے سرتاج کی خون میں لت پت لاش سے لپٹ کر آسمان والے رب سے انصاف مانگ رہی تھیں۔

غلام نبی اپنے والدین کا بڑا بیٹا تھا۔ ابھی اس کی داڑھی مونچھ ہی نہ آئی تھی کہ ماں کے دل پر بیٹے کے سر پر سہرہ سجانے کے شوق نے انگڑائی لی۔ اس نے محلے میں ہی اس کے لئے رشتہ

تلاش کیا اور فوراً ہی منگنی کر ڈالی۔ منگنی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں ماں اپنے بیٹے کو دولہے کے روپ میں دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں۔ غلام نبی سیدھا سادا اور صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ ایک رات وہ عشاء کی نماز کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں اسے ہینڈز اپ کی آواز سنائی دی۔ اس کے پاس کوئی گن یا اسلحہ نہیں تھا اس لئے اس نے ہاتھ اوپر کر لئے۔ خون آشام بھیڑیے اسے بستی سے دور کھیتوں میں لے گئے۔ خدا جانے اُن کا کیا قصور تھا نہ اس کا مجاہدین سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی کسی اور جماعت سے منسلک تھا۔ بھارت کے سفاک فوجیوں نے اس کے سر میں گولی ماری اور وہ موقع پر ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ادھر ماں پر اس رات قیامت گذری۔ اسے تمام رات نیند نہ آئی نہ جانے میرا لال کہاں رہ گیا۔ پہلے اس نے کبھی دیر نہیں کی آج کیا ہو گیا فائر کی آواز اس نے بھی سن لی تھی مگر وہ اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار ہی کب تھی وہ یہ سوچنے کی ہمت کس طرح کرتی کہ جس بیٹے کے سر پر سہرہ سجانے کے خواب دیکھ رہی ہے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا گیا۔ صبح گاؤں میں یہ خبر پھیلی کہ کھیتوں میں کسی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ وہ غلام نبی ہی تھا جس کی اکڑی ہوئی بے گور و کفن لاش یہ سوال کر رہی تھی کہ مجھے کس جرم میں قتل کیا گیا؟

لوگوں نے اس کو چارپائی پر ڈال کر ہیڈ کوارٹر کی طرف ایک اجتماعی جلوس نکالا مظاہرین میں ''نسیمہ'' بھی شامل تھی غلام نبی شہیدؒ کی ہونے والی دلہن۔ اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں کا کوئی حساب نہ تھا مظاہرین سارا دن ایک بے گناہ شہیدؒ کی لاش کندھوں پر اٹھائے یہ نعرے لگاتے رہے۔

اے ظالمو اے قاتلو............ کشمیر ہمارا چھوڑ دو............ ہمیں کیا چاہئے آزادی

انڈین آرمی کے خوں آشام درندوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور چند دن بعد انہوں نے ایک اور گھر کا چراغ گل کر دیا۔ غلام محی الدین پیشے سے کسان تھا اور وہ بھی غیر شادی شدہ تھا۔ گاؤں بھر کے لوگ اس کی شرافت اور سادگی کا اعتراف کرتے تھے۔ وہ کسی تنظیم کا سر کردہ رکن یا کوئی گوریلا کمانڈو بھی نہ تھا پھر اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ بھارتی درندوں سے یہ

پوچھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری تھا والدین بیٹوں کو باہر بھیجتے تو ان کی واپسی کی امید کم ہی رہتی تھی۔ وہ بیٹوں کی وجہ سے بھی پریشان تھے اور بیٹیاں بھی کسی مصیبت سے کم نہ تھیں کیونکہ کشمیر کی بیٹیاں آئے روز انڈین آرمی کی وحشت اور بربریت کا نشانہ بن جاتی تھیں کافر راہ چلتی لڑکیوں پر فقرے کستے اور فحش گالیاں بکتے تھے ہمیں زندگی سے نفرت ہونے لگی بیٹی ہونا جرم محسوس ہونے لگا جب ہم نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ہماری آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھا۔ اگر تھا تو فقط یہ سوال کہ اس لہورنگ وادی میں ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟ ہماری چادرِ عصمت کا تحفظ کون کرے گا؟ جس چمن میں کبھی ہمیں خوشیوں اور مسرتوں کے نغمے سنائی دیتے تھے اب وہاں ہر طرف پامال لاشوں سے لپٹی ہوئی ماؤں کے بین سنائی دے رہے ہیں۔ یا دریدہ آنچل بہنوں کی دلدوز صداؤں کی بازگشت یا پھر بھارتی فوج کے شرمناک مظالم کی نئی نئی داستانیں۔

کشمیر کی بیٹیاں

ظہر اور عصر کا درمیانہ وقت تھا۔قریبی گاؤں ''تکیہ بالا'' سے اسی وقت کریک ڈاؤن ختم ہوا تھا۔فوج بمشکل گاؤں سے باہر نکلی ہو گی کہ فضاء نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ہم نے سمجھا کہ انڈین آرمی بے گناہ افراد کو گرفتار کر کے لے گئی۔اس وجہ سے لوگ احتجاج کر رہے ہیں۔رفتہ رفتہ آوازیں قریب آنے لگیں عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔کشمیری عوام میں یہ خوبی ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں جی جان سے شریک ہوتے ہیں تحریک آزادئ کشمیر کے بعد جذبہ اخوت میں مزید شدت آ گئی ہے انڈین آرمی جب کسی بستی کو ظلم و جبر کا نشانہ بناتی تو اردگرد کی تمام بستیوں کے لوگ ان کے ساتھ مظاہرے میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔تکیہ بالا کے لوگوں کے ساتھ ہماری قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ان کی آہ و بکا سن کر ہمارے گاؤں کے لوگ مین روڈ پر جمع ہو گئے۔مظاہرین کندھوں پر ایک چارپائی اٹھائے چلے آ رہے تھے۔لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے شاید بھارتی قاتلوں نے کسی کو شہید کر ڈالا ہے۔مگر کاش ایسا ہی ہوتا!اگر یہ کسی کشمیری نوجوان کی لاش ہوتی تو کوئی غم نہ تھا بلکہ اگر یہ درجنوں مسلمانوں کی لاشیں ہوتیں تب بھی اتنے دکھ اور ملال کی بات نہ تھی مگر افسوس یہ ایسا سانحہ تھا جس پر عرش عظیم بھی ہل گیا ہو گا۔یہ اسلام کی ایک پاکباز بیٹی کی عصمت کا جنازہ تھا۔ایک غریب مفلس کشمیری باپ کی غیرت کا جنازہ اور ایک معصوم لڑکی کے ارمانوں کا جنازہ۔اس بدنصیب لڑکی کے پاس نہ دولت تھی نہ زیور اور نہ کوئی تعلیم تھی۔بس اس کی عزت ہی اس کا گہنا تھا اس کا سرمایہ تھا۔اس نے ابھی ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔اور اب وہ اپنے ہاتھوں پر مہندی اتر آنے کے خواب بننے لگی تھی کہ آج انڈین آرمی کے ایک سفاک آفیسر نے اس غریب کی متاع کل چھین لی۔

بھارتی فوجی کریک ڈاؤن کر کے لوگوں کو گھروں سے نکال کر کسی میدان میں جمع کرتے تھے پیچھے گھروں میں صرف عورتیں رہ جاتی تھیں اور پھر عزت کے لٹیرے گھر گھر تلاشی کے

بہانے عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے یہ صورتحال دیکھ کر کشمیری خواتین نے گھروں سے باہر کسی جگہ جمع ہو جانا بہتر سمجھا بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ انڈین آرمی جس جگہ مردوں کو جمع کر دیتی ادھر ہی تھوڑے فاصلے پر عورتیں بھی بیٹھ جاتیں تھیں تکیہ بالا کی عورتیں بھی آج ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھی تھیں ان میں محمد سلطان کی جواں سال بیٹی راشدہ بھی شامل تھی۔ دوپہر کا وقت ہوا تو اسے خیال آیا کہ جانوروں کو صبح سے چارہ نہیں ڈالا۔ چونکہ ماں کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ چکا تھا اس لئے گھر کی ساری ذمہ داریاں اس کے نازک کندھوں پر تھیں۔ محلے میں کوئی موجود نہ تھا وہ جلدی جلدی کام نمٹانے میں مصروف تھی تاکہ گھر سے نکل جائے لیکن اسی وقت انڈین آرمی کی تلاشی پارٹی وہاں پہنچ آئی۔ میجر نے راشدہ کو اکیلا پا کر باتوں میں الجھایا کہ تمہارے گھر میں ملی ٹینٹ آتے ہیں تم لوگ ان کو گھروں میں جگہ دیتے ہو راشدہ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہ تھا۔ کیونکہ وہ پڑھی لکھی نہ تھی اور سوائے کشمیری زبان کے اسے کوئی زبان نہیں آتی تھی اس کی سادگی اور مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اس خناس نے اس معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اس کی متاعِ کل لٹ چکی تھی اور چادرِ عصمت تار تار ہو چکی تھی۔ وحشی درندے اسے کسی زندہ لاش کی مانند کمرے میں پھینک کر چلے گئے کریک ڈاؤن ختم ہوا تو لوگ گھروں میں آ گئے محمد سلطان نے بیٹی کی حالت دیکھی تو گویا اس پر آسمان ٹوٹ پڑا اس کا دل کرتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور اسے اپنے اندر چھپا دے پھر کشمیر کی اس بدنصیب بیٹی کو چارپائی پر نیم مردہ حالت میں ڈالا گیا لوگوں کا جمِ غفیر آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کے دھارے میں انصاف کی تلاش میں سرینگر کی طرف رواں دواں تھا ان کے لبوں پہ دلوں کو تڑپا دینے والا نعرہ تھا۔

مسلمانوں بیر بیوبا ...... از چھ ماتم جابہ جا

اے مسلمانو نکل جاؤ...... آج چار سو ماتم ہے

یہ نعرہ اٹھارہ برس سے کشمیر کے گلی کوچوں میں گونج رہا ہے۔ اور اس کے اندر دکھ درد اور مظلومیت کی طویل داستان چھپی ہوئی ہے۔ راستے میں لوگ اس ستم رسیدہ قافلے میں شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ یہ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر بن گیا۔ صفاپورہ سے آگے جا کر

انڈین آرمی نے انہیں روک لیا اور آگے جانے کی اجازت نہیں دی یہ لوگ سرینگر تو نہیں پہنچ سکے لیکن ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ان کا پیغام ہر طرف پہنچ گیا۔ رات کو یہ خبر ٹی وی پر آئی اور ملوث آفیسر کو شدید سزا دینے کا پُر زور مطالبہ بھی ہوا مظاہرین رات گئے گھر کو لوٹ آئے۔ راشدہ نے جس گھر میں زندگی کے اٹھارہ برس گذارے تھے۔ جس کے در و دیوار سے اسے بے پناہ محبت تھی آج اس گھر میں اسے شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا کیونکہ اب وہ گھر اس کے ارمانوں کا قبرستان بن چکا تھا اس گھر سے تو میں نے ڈولی اٹھنے کے خواب دیکھے تھے سہیلیوں نے مسرتوں کے گیت گانے تھے اور میرے کورے ہاتھوں پر مہندی سجانی تھی۔ یہ سب کیا ہو گیا ایک پل میں سارے خواب کیوں بکھر گئے نہ جانے وہ کتنی دیر تک اپنی حسرتوں کے مزار پر آنسوؤں کے پھول نچھاور کرتی رہی۔ دفعتاً ایک زوردار دستک نے اس کے خیالوں کا تسلسل توڑ ڈالا محمد سلطان کی آنکھوں سے بھی نیند روٹھ گئی تھی وہ پہلی ہی دستک پر اٹھ بیٹھا اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ انہی سوچوں میں گم اس نے دروازہ کھولا سامنے اسی شیطان صفت میجر کو دیکھ کر اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ میجر اندر آتے ہی محمد سلطان پر برس پڑا او بڈھے! تم نے میرے خلاف جو کیس کیا ہے وہ واپس لے لو ورنہ تیرا انجام بہت بُرا ہو گا میں تجھے جان سے مار دوں گا اور تیری جھونپڑی بھی جلا کے راکھ کر دوں گا اور سن کل ادھر میڈیا والے آئیں گے اپنی بیٹی سے کہنا کہ کیمرہ کے سامنے وہ وہی کہے گی جو میں چاہوں گا دوسری صورت میں وہ مجھ سے نہیں بچ سکے گی اس لئے تم لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ یہ کیس ختم کر دو۔ میجر دھمکی دے کر چلا گیا اور محمد سلطان گویا سولی پر لٹکا دیا گیا۔ بیٹی کی عصمت لٹ جانے کے بعد وہ بدنصیب باپ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ علاقے کے لوگوں نے اسے ہر معاملے میں تعاون کرنے کی یقین دہانی کی تھی لیکن اس ہتھیار بند ڈاکو کے آگے یہ نہتے لوگ میرا کیا تعاون کریں گے اس کے آگے تو وہ سب خود بھی بے بس ہیں۔ وہ تمام رات سوچتا رہا لیکن خود کو چاروں طرف سے بے بس پایا۔

بالآخر اگلے دن بھارتی کتے نے میڈیا کے سامنے راشدہ سے جبراً یہ بیان دلایا ''صاحب مجھ سے مجاہدین کے بارے میں پوچھ تاچھ کر رہے تھے میں خوف سے بے ہوش ہو گئی۔ انہوں

نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی'' یہ بیان دیتے وقت اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو پلکوں سے چھلکنے کو بے تاب نظر آرہے تھے اور اس کے مرجھائے ہوئے چہرے سے ساری حقیقت عیاں ہو رہی تھی ظلم کی اس اندھیر نگری میں آواز بلند کرنا بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ میڈیا بھی بھارت کے قبضے میں ہے اس لئے بھارتی فوج کو ظلم و بربریت کی ہر حد سے گذرنے کی کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے اور ان عزت کے لیٹروں سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

نسیمہ ایک خوبصورت باحیا اور انتہائی کم گو لڑکی تھی وہ میری کلاس فیلو ہونے کے علاوہ دوست بھی تھی۔ منفرد طبیعت کی مالک، سلجھی ہوئی اور برد باری وہ لڑکی مجھے اکثر یاد آتی ہے۔ اس کے والد پولیس محکمے میں ملازمت کرتے تھے گھر میں بہن بھائیوں میں سے وہی بڑی تھی اس کا چھوٹا اور اکلوتا بھائی مجاہدین کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ کشمیر میں انڈین آرمی کے ظلم وستم کی وجہ سے والدین کو دن رات یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ بیٹی عزت و آبرو کے ساتھ اپنے گھر کی ہو جائے۔ نسیمہ کے والدین نے بھی پڑھائی کے دوران بیٹی کے ہاتھ پیلے کر کے سکھ کا سانس لیا۔ اس نے جس گھر میں قدم رکھا اس کے مکین بھی اللہ کے راستے کے ستائے ہوئے تھے اس کا دیور عرصہ دراز سے مصروف جہاد تھا۔ اس لئے گھر پر روزانہ بھارتی فوجی چھاپے مارتے تھے اور گھر والوں سے کہتے تھے کہ جہانگیر کو ہمارے حوالے کر دو نسیمہ کی گھر میں آمد کے بعد یہ سلسلہ یوں ہی جاری تھا ایک سال بعد اللہ نے اس کو پیاری سی بیٹی دے کر ماں کے رتبے پر فائز کر دیا۔ ابھی ننھی ''سحر'' چند ماہ کی تھی کہ کسی دوسرے مہمان کی آمد آمد ہوئی نسیمہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں خوش وخرم زندگی گذار رہی تھی ایک رات ''میجر یادھو'' نے ان کے گھر پر چھاپہ مارا۔ آرمی نے گھر کا سامان تہس نہس کیا اور نسیمہ کے شوہر کو بہت مارا پیٹا کہ تم اپنے بھائی سے کہو کہ وہ سرنڈر کر دے اسے ہمارے حوالے کیوں نہیں کرتے ہو۔ وہ ایک سکول ٹیچر تھا۔ اس نے غیر تمندانہ انداز میں جواب دیا وہ ایک مجاہد ہے اس کے ٹھکانوں کا مجھے کیا پتہ ہے؟ اس کو تلاش کرنے کی ڈیوٹی آپ کی ہے ہماری نہیں، یہ جواب سن کر میجر یادھو آگ بگولا ہو کر اسے گھسیٹنے لگا وہ اسے گرفتار کر کے بدترین اذیت دینا چاہتا تھا۔ نسیمہ نے شوہر کو اس ظالم کے چنگل سے چھڑانے کے لئے بھرپور مزاحمت

کے ساتھ ساتھ اس ظالم ہندو سے منتیں بھی کیں کہ میرے سرتاج کو چھوڑ دو اس کو کس جرم میں لے کر جا رہے ہو۔ بس اتنی سی بات پر ظالم نے اس پر گولیوں کا برسٹ چلایا تمام گولیاں اس کے پیٹ میں پیوست ہوگئیں اور میری وہ پیاری بہنا موقع پر ہی شہادت کا جام نوش کر گئی اس کی کوکھ میں پلنے والا وہ معصوم پھول بھی کھلنے سے پہلے ہی مسل دیا گیا۔ اگلے دن اخبار میں اس بے گناہ مظلوم شہیدہ کی تصویر چھپی تھی۔ ننھی سحر جو ابھی خوشی اور غم کے احساس سے بے نیاز تھی ماں کی لاش کے پاس بیٹھی کھیل رہی تھی اسے کیا پتہ تھا کہ بھارتی درندوں نے اسے ماں جیسی مہربان ہستی سے محروم کر دیا ہے۔ جب وہ بڑی ہوگی تو اپنی ماں کی ایک جھلک دیکھنے کو ترسے گی۔

صبا رشید چار بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن تھی نہایت خوش اخلاق اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کی ذہانت پر اس کے استاد بھی رشک کرتے تھے۔ وہ بانڈی پورہ کی رہنے والی تھی اور ہماری ان کے ساتھ قریبی رشتہ داری تھی۔ بانڈی پورہ میں ان کا خاندان نہایت شریف اور معتبر مانا جاتا ہے۔ اس کے بڑے بھائی ظہور احمد کی بانڈی پورہ چوک میں الیکٹرانک کی بڑی دوکان تھی۔ بانڈی پورہ میں ویسے تو کافی بنکر اور چھوٹے موٹے کیمپ ہیں لیکن ان کے علاوہ وہاں پر ایک بڑا آرمی ہیڈ کوارٹر ہے جو ماڈر کیمپ کہلاتا ہے۔

ایک دفعہ اس کیمپ میں آرمی کو بجلی کا کچھ کام کروانا تھا۔ آرمی والے ظہور احمد کی دوکان پر گئے وہ دوکان پر موجود نہ تھا تو آرمی والے اس کے گھر کا پتہ کرنے کے لئے اس کے گھر چلے گئے وہاں پر میجر دیپک کمار کی گندی نظریں ظہور احمد کی بہن صبا پر پڑیں اس کے بعد وہ کم بخت کسی نہ کسی بہانے سے انکے گھر آتا رہا اور ایک دن اس نے صبا کو اغواء کر لیا۔ لوگوں نے بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے کئے اخبارات میں خبر دی لیکن سیکولر بھارت کے فوجی افسر پر کوئی اثر نہ ہوا وہ معصوم کلی پندرہ دن اس شیطان کی قید میں رہی اور اس کی درندگی کا نشانہ بنتی رہی جب اس کا دل بھر گیا تو اٹھا کر چوک میں پھینک دیا۔ صبا گھر کے ایک کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی نہ کسی سے ملتی اور نہ ہی کسی سے بات کرتی تھی۔ پھولوں کی طرح شوخ و چنچل اور ہر وقت ہنستی مسکراتی لڑکی پت جھڑ کے زرد پتوں کی طرح بکھر کر رہ گئی تھی۔ اس کے لئے دنیا میں اب کیا رہ

گیا تھا۔ جن ماں باپ کی آنکھوں میں اس کے لئے محبت ہی محبت بسی ہوتی تھی اب ان آنکھوں میں آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور جو بھائی ہر وقت اس کے ناز اٹھانے کے لئے تیار ہوتے تھے اب وہ ان سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہ تھی اور اس سب کے علاوہ اس کی روح پر لگنے والے زخم بہت گہرے تھے۔ اس کی عصمت تار تار ہو چکی تھی ہاں یہی تو عورت کا زیور ہے سرمایہ ہے۔ میں دامن پر یہ داغ لے کر کب تک جی سکوں گی؟ اس کے ضمیر نے اسے کہا عزت کے بغیر کوئی زندگی نہیں پھر اس نے ایک خطرناک فیصلہ کیا۔

چنانچہ ایک دن اس اندوہناک خبر نے ہم سب پر سکتہ طاری کر دیا۔ ہمیں خبر ملی کہ صبا نے خود کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا ہے اور وہ سرینگر کے S.M.H ہسپتال میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ناز و نعم میں پلنے والی وہ شہزادی کئی دن ہسپتال کے ایک کمرے میں تڑپتی اور سلگتی رہی۔ بالآخر اسے زندگی کی قید سے رہائی مل گئی۔ اس ادھ کھلی کلی کے عین شباب میں مرجھانے پر پورا ہسپتال سوگوار ہوا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر وقت مسکرانے والی اور سب کو ہنسانے والی ''صبا'' آج سب کو رُلا کر جا رہی تھی بے شک اس نے حرام موت کا ارتکاب کیا لیکن اسے اس پر مجبور کرنے والا کون تھا؟ اس کی ہنستی مسکراتی اور خوشحال زندگی سے موت کی طرف دھکیلنے والا کون تھا؟ صبا کا جھلسا ہوا آبلوں سے بھرا لاشہ گویا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ ہے کوئی جو بھارت کے ظالم فوجیوں سے میرے زخموں کا حساب لے۔ ہے کوئی جو میرے خون ناحق کا بدلہ لے اور میری عزت کے لٹیروں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

آسیہ اور عشرت دونوں بہنیں تھیں۔ ان کی عمریں بالترتیب 16، 14 سال تھیں۔ ایک دفعہ انڈین آرمی کو چیوا میں مجاہدین کی موجودگی کی اطلاع مل گئی۔ انھوں نے گاؤں پر چڑھائی کر دی لیکن رسوائی کے سوا کچھ ان کے ہاتھ نہ لگا۔ مذکورہ بالا لڑکیوں کا بڑا بھائی مجاہدین کا ساتھ دیتا تھا اور ان کی بھرپور مدد کرتا تھا بھارتی فوج نے سراج الدین کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے گھر پر چھاپہ مارا وہ اس رات گھر میں موجود نہ تھا اور ان کا باپ بھی کہیں گیا ہوا تھا۔ بھارتی فوج نے یہ بہانہ گھڑا کہ تمہارے گھر میں مجاہد موجود تھے اور گھر والوں پر تشدد شروع کر

دیا۔ آسیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مثال آپ حسن عطاء کیا تھا وہ نیلی سبز آنکھوں والی ایک حسین لڑکی تھی۔ بھارتی درندوں کی اس پر جب نظر پڑی تو ان کے اندر کا شیطان جاگ گیا۔ انہوں نے آسیہ کی ماں کو بالوں سے پکڑ کر زور سے لات ماری وہ لڑکھڑا کر کہیں نیچے جا گری ادھر ایک پڑوسی نے انہیں اپنے پاس ہی روک لیا۔ ادھر گلاب کے پھولوں جیسی نازک آسیہ اور عشرت ان وحشی درندوں کے نرغے میں اکیلی رہ گئیں۔ کافروں نے مکان کے بلب توڑ ڈالے اور تمام رات ان نوخیز کلیوں کو مسلتے رہے ستم کی راتیں ویسے بھی بہت طویل ہو جاتی ہیں اور شب غم کی سحر بھی بڑی دور ہوتی ہے لیکن وہ رات میری بہنوں کے لئے صدیوں سے بھی طویل ہوگئی۔ پڑوسیوں نے ان کی دلدوز چیخیں سن کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ لوگ رضائیوں میں منہ چھپا کر رو رہے تھے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ وہ ہر کسی کو مدد کے لئے پکارتی رہیں لیکن اس وقت کوئی رحمت کا فرشتہ انہیں لٹنے سے نہیں بچا سکا مظلوم کشمیری لوگ اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے سے قاصر تھے کیونکہ اگر وہ انہیں بچانے کی کوشش کرتے تو ان کی اپنی بیٹیاں بھی انڈین درندوں کی وحشت کا شکار ہو جاتیں اس لئے ہر کوئی گھر کا دروازہ بند کئے اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہا تھا۔ دوسرے گھر میں ان کی بے بس ولا چار ماں سینہ پیٹ رہی تھی۔ ان کی لاڈلی کمسن بچیاں جنھیں انہوں نے کبھی پھولوں کی چھڑی بھی نہیں لگائی تھی ان سفاک فوجیوں کے وحشیانہ تشدد کی لپیٹ میں تھیں۔ وہ دیوانہ وار اپنی بیٹیوں کی مدد کے لئے بھاگ رہی تھی۔ لیکن پڑوسیوں نے اس کو سمجھایا کہ وہ بھی ایک جوان عورت ہے اور ان بے دین کافروں کے سامنے سوائے اپنی عزت گنوانے کے اور کیا کر سکے گی جو ماں، بہن اور بیٹی کے تقدس سے ناواقف ہیں۔

ہر طرف سے مایوس ہو کر ان مظلوم بہنوں نے مسلمانوں کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا ان کی یہ فریادیں عالم اسلام کے ان غفلت زدہ مسلمانوں کے لئے تھیں جو ابھی تک خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے کافی دیر تک ان کے لبوں پر یہ صدائیں تھیں اے مسلمانو! کوئی ہماری مدد کو آئے کوئی تو ہمیں ان ظالموں سے بچائے ...... ہاں بھارتی فوجی انتہائی ظالم، جابر اور سفاک ہیں جو ایک دہائی سے کشمیر کی بیٹیوں کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرتے آ رہے ہیں۔

چچا کا گھر ان کے گھر کے ساتھ ملا ہوا تھا چچازاد بھائی کو بہنوں کی دلدوز صداؤں نے بے قرار کر دیا پھر وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر چھت سے اس گھر میں داخل ہوا بہنوں نے بھاگ کر اس کی آغوش میں جائے پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ کمانڈنگ افسر جو اس گھناؤنے فعل میں بذات خود ملوث تھا نے گلریز کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔ اس نے بہنوں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں چھپا لیا تھا۔ ان کی دگرگوں حالت، زخمی، لہولہان چہرے دیکھ کر جیسے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر سی او سے کہا سر میری بہنوں کو چھوڑ دیں۔ خدا کے لئے ان پر رحم کریں وہ کافر مشرک جو ''رحم'' کے نام سے نا آشنا تھا ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجا کر بولا۔

بولو! پاکستان مردہ باد...... ہندوستان زندہ باد پھر میں انہیں چھوڑ دوں گا۔ اپنی بہنوں کو بچانے کے لئے گلریز یہ نعرہ لگانے کے لئے تیار تھا لیکن کشمیری مسلمانوں کے دلوں میں پاکستان کی محبت اس درجہ ہے کہ اس وقت بھی گلریز کی زبان سے پاکستان مردہ باد کے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ مسلسل پاکستان زندہ باد...... ہندوستان مردہ باد کا نعرہ لگائے جا رہا تھا سی او اسے ڈنڈے مارے جا رہا ہے اوئے سالے یہ کیا کہہ رہا ہے گلریز کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر کافی دیر تک یہ نعرہ لگاتا رہا۔

جب وہ شب ظلمت دو معصوم اور پاکباز بہنوں کا حال اور مستقبل تاریک کر کے گذر گئی تو صبح سب لوگ ان کے گھر تعزیت کے لئے جا رہے تھے۔ ان کے زخم زخم چہرے جو کل شام تک ادھ کھلے گلاب کی مانند ترو تازہ تھے زبان حال سے اپنی داستان سنا رہے تھے آسیہ بار بار دوپٹے کے ذریعے چہرے پر لگی خراشیں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بھارتی فوج کی درندگی کے ثبوت چھپائے نہیں چھپتے تھے میں دل میں ان کے لئے اظہار ہمدردی کے بے شمار الفاظ لے کر گئی تھی لیکن ان بہنوں کو دیکھ کر سارے الفاظ آنسو بن کر آنکھوں سے چھلک پڑے میں روتے روتے گھر واپس آئی راستے میں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں میں شدت غم سے پاگل ہو رہی تھی اور اس کی عمر کا لحاظ کئے بغیر اس پر برس پڑی اور کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو کیا تمہیں کچھ پتہ نہیں کیا تم لوگ اپنی آزادی اور بہنوں کے تحفظ کے لئے اب بھی نہ نکلو

گے اگر تم لوگ اتنے ہی بے حس اور بے غیرت بن گئے ہو تو ہم اپنی عزت کی حفاظت کے لئے خود میدان میں نکلیں گی جاؤ ان بہنوں کو ایک نظر دیکھ آؤ شاید تمہارا مردہ ضمیر جاگ اٹھے۔

یہ ایسا سانحہ تھا جس نے ہر اپنے پرائے کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ جوان بیٹیوں کے والدین کی نیندیں حرام ہو گئیں اور بیٹیاں لڑکی ہونا جرم محسوس کر رہی تھیں۔ چیوا کی گلیوں میں کئی روز تک آسیہ اور عشرت کی دلخراش صداؤں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی اور کئی دنوں تک بہاروں پر اداسی اور چمن کے پھولوں پر افسردگی چھائی رہی۔ ہر آنکھ میں یہ سوال تھا کہ اے پروردگار عالم! ہماری بیٹیاں کب تک یوں لٹتی رہیں گی اس سیلاب کا رخ کون موڑے گا جو ماں بہن بیٹی کی عزت بہائے لے جا رہا ہے؟ اے مالک کائنات! اگر ہمارے مقدر میں غلامی کی ذلت لکھی ہوئی ہے تو اے رب آج سے کشمیر میں کوئی بیٹی پیدا نہ ہو۔

اخوانی کی درگت

ظلم وجور کی تند وتیز آندھیوں نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔انڈین آرمی کا ظلم وستم ایک طرف دوسری جانب اخوانیوں نے عوام الناس کا جینا دوبھر کر رکھا تھا، بالخصوص نوجوان لڑکیوں کی زندگی اجیرن بنادی گئی تھی۔ان ہی دنوں عاشق اخوانی نامی ایک دہشت گرد نے مجھے بہت پریشان کر رکھا تھا جس کی وجہ یہ تھی میں صفاپورہ ہائر سیکنڈری سکول میں ایف اے میں پڑھ رہی تھی عاشق خان کی طرف سے مجھے غلط خطوط اوراسی طرح کے پیغامات ملے۔میرا ایک کزن افضل بھائی بھی اسی کالج میں پڑھ رہا تھا میں نے اس کو عاشق کی گھٹیا حرکت کے بارے میں بتادیا اس نے کہا جب وہ کالج میں آئے تو آپ مجھے بتانا میں اس کو سبق سکھاؤں گا مانسبل جھیل کے کنارے پر بنے لڑکے اورلڑکیوں کے کالج الگ الگ تھے لیکن تھے بالکل ساتھ ساتھ عاشق خان وہاں پڑھتا نہیں تھا البتہ آوارہ گردی کے لئے اکثر وہاں پھرتا رہتا تھا۔چھٹی کے وقت جوں ہی ہم گیٹ سے باہر آئے وہ نامراد ادھر ہی کھڑا تھا۔میں نے وہ خط اس کے منہ پر مارے اورسخت غصے سے کہا آئندہ تم نے ایسی حرکت کی تو تمہارے لئے اچھا نہیں ہوگا وہ کم بخت امیر باپ کی بگڑی ہوئی اولاد تھا میری بات کا اسے کوئی اثر نہ ہوا اورآگے سے مزید بکواس کرنے لگا مجھے پہلے ہی اس پر شدید غصہ تھا میں نے اس کا گریبان پکڑا اورزوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔اسی دوران افضل بھائی بھی آ گئے اوراس کی خوب درگت بنائی اس کے دوست واحباب نے اسے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ تو نے ایک لڑکی سے مار کھائی ہے۔کچھ دن بعد اس نے مجھے پیغام بھیجا کہ وہ عنقریب مجھ سے بدلہ لے گا۔اس وقت تو اس کی دھمکی سے میری صحت پر کوئی اثر نہ پڑا البتہ کچھ ہی عرصہ بعد جب وہ اخوان میں شامل ہوگیا تو مجھے شدید پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ اخوانی اور بھارتی فوجی مل کر خوامخواہ لڑکیوں کو ہراساں کرتے تھے۔عاشق اخوانی جو میرا دشمن تھا ایک خونخوار اورظالم انسان کے روپ میں سامنے آ گیا۔

پھر ایک دن اس کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ اب تم سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا ہے اس دھمکی نے میری نیندیں اڑا کر رکھ دیں کیونکہ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا اب وہ خود بھی مسلح تھا اور انڈین آرمی کی بھرپور سپورٹ بھی اسے حاصل تھی وہ ہمارے گاؤں میں آ کر ہر کسی کے سامنے اپنے مکروہ عزائم کا اظہار کرتا تھا۔ ان ہی دنوں میرا ایف اے کا رزلٹ آ گیا میں سیکنڈ گریڈ میں پاس ہوگئی تھی اور میں نے B.A کے لئے نواکدل وومین کالج سرینگر میں داخلہ لے لیا بڑے بھائی جان اپنی فیملی کے ہمراہ سرینگر میں ہی رہائش پذیر تھے میں بھی انہی کے پاس رہنے لگی ہفتے دو ہفتے بعد جب سرینگر سے گھر آتی تھی تو عاشق اخوانی کے خطرناک پیغامات میری نیندیں اڑاتے رہتے تھے وہ لوگ علاقے میں دندناتے پھرتے رہتے تھے۔ ان ہی دنوں ہواؤں کے دوش پر یہ خبریں گشت کر رہی تھیں کہ اجس بازی پورہ میں افغانی مجاہد آئے ہیں وہ عنقریب صفاپورہ پہنچنے والے ہیں میں دن رات اللہ سے دعاء مانگتی کہ اے اللہ! اپنی طرف سے کوئی نجات دہندہ بھیج دے جو مجھے اس ظالم کے شر سے بچائے۔ رفتہ رفتہ دعائیں اثر دکھانے لگیں، شہیدوں اور مظلوموں کا خون رنگ لانے لگا، اور ستم رسیدہ لوگوں کو ظلم و جبر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اُمید و آس کی جگمگ کرتی کوئی کرن نظر آنے لگی۔

کرش ٹاپ شیروں کا مسکن

کشمیریوں کی اکثریت پاکستانی مجاہدین کو افغانی کہتے ہیں اور جن افغانیوں کے قصے علاقے میں مشہور ہورہے تھے وہ دراصل مجاہدین جیش محمد ﷺ تھے جو اس وقت حرکت الانصار کے نام سے جانے جاتے تھے اور بازی پورہ کے پہاڑوں میں بیٹھ کر دشمن پر جھپٹنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ساجد جہادی نے ادھر ہی ایک بڑا تربیتی کیمپ قائم کیا ہوا تھا مقامی نوجوانوں کو چھوٹے بڑے غرض ہر قسم کے اسلحے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اسی کیمپ میں عبدالرحمٰن قندھاری جیسے شیر تیار ہوئے (جن کا ذکر آگے آئے گا انشاءاللہ)

ایک دفعہ میں سرینگر سے گھر آئی تو میری بڑی بہن نے مجھے یہ حیرت انگیز خبر سنائی کہ کچھ دن پہلے ہمارے گھر چار افغانی آئے تھے۔ اس وقت تک ہم لوگوں نے پاکستانی مجاہدین نہیں دیکھے تھے اس لئے میں نے باجی سے پوچھا وہ لوگ کیسے لگتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا وہ بہت خطرناک نظر آتے ہیں، ان کے بہت بڑے بڑے بال ہیں اور انہوں نے بہت سارا اسلحہ اٹھا رکھا تھا، اب وہ بھارتی کتوں اور اخوانی غنڈوں کو خوب سبق سکھائیں گے۔ ہم دیر تک انہی کی باتیں کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے چیوا کے ساتھ والی بلند و بالا پہاڑی کرش ٹاپ پر ڈیرے ڈالے اور گاؤں میں بھی آنا شروع ہوگئے، ایک بار ساجد جہادی پندرہ بیس مجاہدین کے ہمراہ گاؤں میں آئے تو لوگ جوش مسرت سے ان کے پیچھے ناچنے لگے اور ہماری فوج...... زندہ باد کے نعرے لگانے لگے کئی سالوں سے ظلم و جبر کی چکی میں پسنے والے لوگوں کے لئے یہ مجاہدین بلاشبہ نجات دہندہ بن کر آئے، لمبے لمبے بالوں والے افغانی مجاہدوں کا نام بھارتی فوج بالخصوص اخوانیوں کے لئے دہشت کی علامت بن گیا۔ لوگوں نے انہیں کچھ زیادہ دہشت زدہ کر کے رکھا تھا جب وہ کسی سے پوچھتے رات افغانی آئے تھے؟ وہ جواب دیتا تھا ہاں سر تیس چالیس آدمی تھے۔ خدا کی قسم! وہ اتنے خطرناک دکھائی دیتے ہیں کہ ان کی طرف دیکھ کر ہی خوف آتا ہے

یہ سب سن کر بنیے پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ادھر ساجد جہادی نے کچھ ہی عرصہ میں پورے علاقے میں جہادی کارروائیاں شروع کر دیں۔ اب گاندربل، صفاپورہ اجس بلکہ صورہ بڑھ پورہ سرینگر تک ساجد جہادی کی کارروائیوں کا میدان تھا۔ سرینگر بائی پاس روڈ پر چڑھنے والا کوئی فوجی افسر اس یقین کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا تھا کہ رات کو زندہ واپس جا سکے گا اب بھارتی فوج کی گاڑیوں کے پرخچے بھی اڑ رہے تھے وہ بھی سر بازار جس کی تردید کی بھی کوئی صورت انڈیا کے پاس نہ تھی۔ ساجد جہادی شروع میں شہباز خان کے نام سے علاقے میں جانے جاتے تھے لیکن بعد میں وہ استاد جہادی اور غازی بابا کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ سرشام بستی میں آتے اور لوگوں سے ملاقاتیں کر کے انہیں اپنا ہم نوا بناتے تھے۔ وہ ایک سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے جو ان سے ایک بار ملتا وہ ان کا ہم خیال بن جاتا تھا لہجہ اس قدر شیریں تھا کہ ان کی ہر بات سننے والے کے دل میں اتر جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ لوگ انہیں دشمن کے بارے میں ہر طرح کی معلومات دیا کرتے تھے۔ وہ رات بھر علاقے میں گھوم پھر کر فیلڈ بنانے میں مصروف رہتے اور آخر شب جنگل میں چلے جاتے تھے اس جنگل میں قدرتی طور پر کافی غار بنے ہوئے تھے۔ جو مجاہدین کے لئے محفوظ پناہ گاہوں کا کام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اس بلند پہاڑ سے سارا علاقہ نظر آ جاتا تھا غازی بابا نے پورے علاقے میں بھارتی فوج کے خلاف بارودی سرنگوں کا جال بچھا رکھا تھا پہاڑ کے دامن سے گذرنے والی سرینگر بانڈی پورہ شاہراہ پر آئے روز بارودی دھماکے ہوتے تھے۔ کبھی ''پریشر ککر'' میں سے دھماکہ ہوتا تھا تو کبھی گیس سلنڈر کے اندر سے مائن بلاسٹ ہو جاتی تھی۔ پے در پے بارودی دھماکوں نے بنیے کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مجاہدین کارروائی کے بعد فلک بوس پہاڑ کی وسعتوں میں گم ہو جاتے تھے اور انڈین آرمی زخم چاٹتی رہ جاتی تھی۔

بھگوان کے لئے مائن بلاسٹ مت کرو

مین روڈ سے صبح دس بجے اور شام چار بجے فوجی کانوائے گذرتے تھے جنہیں اکثر مجاہدین نشانہ بناتے رہتے تھے۔ بارودی دھماکے اور کراس فائرنگ روز کا معمول بن گیا تھا۔ انڈین آرمی مجاہدین کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد بے گناہ عوام پر اپنی بھڑاس نکالتے تھے۔ لوگ مجاہدین سے بھرپور تعاون کرنے لگے اور اُن سے کہتے کہ آپ لوگ ہماری فکر نہ کریں اور ان کافروں کو چن چن کر قتل کریں۔

ایک دن چیوا کے لوگ اپنے کاموں پر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک فضا ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھی۔ دھماکے کی شدت سے در و دیوار ہل گئے لوگوں کو صورتحال سمجھنے میں دیر نہ لگی اس لئے جس کا جدھر منہ تھا بھاگ کھڑا ہوا لوگوں نے انڈین آرمی کے تشدد سے بچنے کی یہی ترکیب نکالی تھی کہ جب فائرنگ یا مائن بلاسٹ ہو جاتا تھا تو لوگ قریبی گاؤں میں جا کر چھپ جاتے تھے پھر فوج کے چلے جانے کے بعد گھروں کو لوٹ آتے تھے۔

غازی بابا نے اس کارروائی کی زبردست پلاننگ بنائی تھی وہ اس طرح کہ پہلے دھماکے سے جب کافروں کے پرخچے اڑ جائیں گے تو اس کے بعد جائے وقوعہ کا معائنہ کرنے کے لئے بڑے آفیسر آئیں گے چونکہ وہ گرمیوں کے دن تھے چند گز کے فاصلے پر گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔ عقل کا تقاضہ یہی تھا کہ گرمی اور دھوپ سے بچنے کی خاطر افسر وغیرہ چھاؤں میں آ جائیں گے مجاہدین نے وہاں پر بھی ایک طاقتور مائن بچھا دی اللہ پاک کی نصرت شامل حال رہی اور پہلے ہی دھماکے سے ایک گاڑی تباہ ہوئی اور اس میں سوار تمام فوجیوں کے ٹکڑے ہوا میں بکھر گئے۔ ہیڈ کوارٹر وہاں سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کرنل سنگھ تازہ دم لشکر کے ہمراہ جائے وقوعہ پر پہنچا اپنے سپاہیوں کا حشر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا مجاہدین تو اس کے ہاتھ آنے والے نہ تھے اس لئے وہ نہتے لوگوں سے بدترین انتقام لینے کے منصوبے بنا

رہا تھا اسی دوران اجل کا فرشتہ اسے درختوں کے جھنڈ کی طرف لے گیا۔ وہ بڑے غصے کے عالم میں سامنے کھڑے پہاڑ کو دیکھ رہا تھا۔ اسے علم تھا میرے جوانوں کو خاک وخون میں تڑپانے والے اسی جنگل میں موجود ہیں۔

اسلام کے شیر یہ دلفریب نظارہ پہاڑ سے دوربین کے ذریعے دیکھ رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ کرنل کے اردگرد کافی تعداد میں فوجی جمع ہو چکے ہیں پھر ادھر ایک بار پھر ریموٹ کنٹرول (R.C) کا بٹن دبا اور اللہ کے دشمنوں کے جسم ریزہ ریزہ ہو گئے۔ یہ دھماکہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔ کرنل سنگھ ایک میجر اور گیارہ سپاہیوں کے ہمراہ جہنم میں چلا گیا۔ باقی ماندہ فوجی اپنے ساتھیوں کے بکھرے ہوئے اعضاء دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے۔ اس دن چشم فلک نے ان خونخوار درندوں کو شاید پہلی مرتبہ اس قدر بے بس اور خوفزدہ دیکھا۔ انہیں ہر قدم پر بارودی سرنگ کا گمان ہوتا تھا۔ وہ ڈرے سہمے بستی میں آئے تاکہ لوگوں کو یرغمال بنا کر اور انہیں ڈھال بنا کر اپنے مردار فوجیوں کا ملبہ سمیٹ لیں۔ گاؤں کی گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ دوسرے دھماکے کے بعد تقریباً پورا گاؤں خالی ہو چکا تھا۔ اس وقت بنیے پر جو آفت نازل ہوئی تھی اس نے اسے انتقام لینے کے قابل ہی نہ چھوڑا تھا اس کامیاب کارروائی سے لوگوں کے کلیجے ٹھنڈے ہوئے اور انہوں نے مجاہدین کو مبارک بادیں دیں۔

میرے ماموں جی گاؤں کے نمبردار تھے انہیں ہر خاص وعام عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کرنل سنگھ انہیں اکثر دھمکیاں دیتا کہ آپ کے گاؤں کے لوگ مجاہدین کا ساتھ دیتے ہیں۔ انہیں سمجھا دیں ورنہ میں اس گاؤں کو آگ لگا دوں گا (اللہ پاک نے اسے پہلے ہی جہنم کا ایندھن بنا دیا) ماموں جی اس دن گھر میں موجود تھے بھارتی فوجیوں نے ان سے کہا مکھیا جی (نمبردار صاحب) آ کر دیکھ لیں کہ ملی ٹینٹوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ماموں جی نے کافروں کا جو حشر دیکھا تھا اس کی وجہ سے کئی روز ان پر خوف طاری رہا ان کا کہنا تھا وہ انتہائی دہشت ناک منظر تھا۔ ہر طرف خون اور گوشت کے لوتھڑے بکھرے ہوئے تھے۔ کسی کا پیٹ پھٹا ہوا تھا اور کسی کی انتڑیاں درختوں کے ساتھ لٹکی ہوئی تھیں۔ محمد شفیع کو بھی فوجی یرغمال بنا کر

لے گئے تھے اس نے بتایا کہ کرنل سنگھ انتہائی بھاری بھر کم ہونے کے باوجود کئی فٹ اوپر جا کر درخت کے ساتھ لٹک گیا تھا۔ ایک فوجی نے مجھے اسے اتارنے کا کہا۔ میں درخت پر چڑھ کر سوچنے لگا کہ اس مردود کو کس طرح نیچے اتاروں ڈرتے ڈرتے فوجی سے پوچھ لیا سر کیسے اتاروں؟ اس نے گندی گالیاں بکتے ہوئے کہا ارے گرا دو نیچے سالے کو کون سا زندہ ہے۔ جب میں نے کرنل سنگھ کو دھکا دے کر نیچے گرایا تو اس وقت بڑا مزہ آیا اس کا یوں دھما کہ ہوا گویا کدو زمین پر گر کر پھٹ گیا ہو۔ بھارتی فوجی ہمیشہ اپنی ہلاکتوں کو راز میں رکھتے ہیں اور جہاں چھ آدمی ہلاک ہوں وہاں بمشکل دو کا بتاتے ہیں۔ لیکن اس دن مجاہدین نے جوان کی درگت بنائی تھی اس سے وہ انتہائی خوفزدہ ہو چکے تھے۔ انہیں ہر قدم پر موت نظر آ رہی تھی اس لئے انہوں نے مقامی لوگوں کی مدد سے اپنے مردوں کے ٹکڑے سمیٹے اور دم دبا کر بھاگ گئے۔ اس دن پچیس کے قریب فوجی واصل جہنم ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ بارودی سرنگ کے نام سے ہی ڈر جاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ماموں کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مکھیا جی مجاہدوں سے کہو چاہے کچھ بھی کرو۔ بھگوان کے لئے مائن بلاسٹ مت کیا کرو۔ فوجی افسر کی منت سماجت کے باوجود مجاہدین نے بارودی حملے جاری رکھے۔ چند دنوں کے بعد غازی بابا نے اسی جگہ کے آس پاس ایک اور مائن بچھا دی۔ انڈین آرمی کے جوان اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہوں نے کئی دنوں تک کیمپ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا اور اس علاقے میں گاڑی پر سفر کرنا تو بالکل بند کر دیا اس سڑک پر تمام دن لوکل گاڑیاں بھی چلتی رہتی تھیں۔ کئی دن انتظار کرنے کے باوجود بھی اس طرف کوئی فوجی گاڑی نہیں آئی بالآخر مجاہدین نے مائن نکالنے کا فیصلہ کیا۔ ساتھی چاروں طرف پوزیشنیں لے کر تیار کھڑے تھے تاکہ ممکنہ خطرے سے نمٹا جا سکے۔ بھائی شاہد نذیر عرف شرجیل مائن نکال رہے تھے اس دوران بدقسمتی سے مائن بلاسٹ ہو گئی۔ اور بھائی شاہد نذیر جام شہادت نوش کر گئے۔ اس کے بعد فوجی اور زیادہ خوف میں مبتلا ہو گئے بالآخر انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ صبح سویرے ایک گشتی پارٹی مائن ڈیکٹر ''Mine Dictor'' کے ذریعے روڈ چیک کیا کرتی تھی روڈ کلیئر ہونے کی صورت میں سفر کیا جاتا تھا۔ یہ چیکنگ صفا پورہ سے لے کر

چیوا، تکیہ بالا اور صدر کوٹ بالا تک ہوتی تھی ایک مرتبہ تلاشی پارٹی کو چیوا کے گردونواح میں سڑک کے کنارے الیکٹرک تار کا ایک سرا نظر آ گیا تار کا دوسرا حصہ زمین کے اندر دبا ہوا تھا پھر کیا تھا ہندو لالے کو بارودی سرنگ کا بھوت نظر آیا تو ان کی دوڑیں لگ گئیں دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بنیے کی فوج کا ''لشکر جرار'' جمع ہو گیا۔ مائن کو ناکارہ بنانے کے لئے اسپیشل فوج بلائی گئی لوگوں کو گالیوں اور ڈنڈوں کی بھرمار میں ہانک ہانک کر گھروں سے لایا گیا کئی نوجوانوں کو سڑک پر کھدائی کرنے اور بارودی سرنگ نکالنے کا حکم دیا گیا۔ ان غریبوں کو دونوں طرف سے جان کے لالے پڑ گئے کیونکہ کچھ عرصہ قبل انڈین آرمی نے مائن کا پتہ لگایا عین اس وقت صدر کوٹ بالا کا ایک ٹرک وہاں سے گذر رہا تھا آرمی والوں نے ٹرک ڈرائیور کو کھدائی پر لگا دیا اتفاق سے مائن بلاسٹ ہو گیا اور ٹرک ڈرائیور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بھائی شاہد نذیر کے واقعے کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے اور یہ کشمیری نوجوان ان واقعات کو یاد کر کے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے خود کو شہادت کے لئے تیار کر رہے تھے وہ لرزتے ہاتھوں زمیں کا سینہ چیر رہے تھے۔ دور دور سے بھارتی سورما ان پر گنیں تانے کھڑے تھے مائن ڈسپوزل اسکواڈ کے اہلکار بھی الرٹ کھڑے تھے اچانک کھدائی کے کام پر مامور نوجوانوں کے ہاتھ رک گئے وہ حیرت زدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر چاروں طرف سے کفر کے نرغے میں ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ سالے کیا کر رہے ہو اپنا کام کرو بھارتی کتا زور سے بھونکا۔ سر مائن نظر آ گئی ہے ایک نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ سنتے ہی بھارتی سورماؤں نے انتہائی محتاط انداز میں پیش قدمی شروع کر دی، جب وہ قریب پہنچے تو گڑھے کے اندر پڑا ایک عدد ''آلو میاں'' ان کا منہ چڑا رہا تھا آلو کے گرد بجلی کی تار لپیٹی ہوئی تھی جس کا ایک حصہ محض بھارتی فوج کو الو بنانے کے لئے ظاہر کیا گیا تھا فوجی اس بے عزتی پر سیخ پا ہوئے اور کشمیری یرغمال لوگوں کی ہڈی پسلی ایک کر دی یہ مزے دار کارروائی بچوں کی تھی۔

کشمیری بچے ایسی کارروائیاں کرتے رہتے تھے ایک دفعہ صدر کوٹ بالا میں بچوں نے اس طرح کی کارروائی کر کے انڈین آرمی کو سارا دن ذلیل وخوار کیا۔ انہوں نے ایک شاپر کے

اندر غلاظت رکھ کر بھارت کیساتھ اپنی نفرت کا اظہار کر دیا۔ اس کے علاوہ چھوٹے بچے کانچ کی بوتل میں مٹی کا تیل بھر کر اور اسے دیا سلائی دکھا کر فوجی گاڑیوں کے اندر پھینکتے تھے۔ یہ بوتل بم کچھ اس انداز کا بنا ہوتا تھا کہ گاڑی کے اندر گرتے ہی زوردار دھماکے سے پھٹ جاتا تھا۔ گائے ماتا کے بیٹے مجاہدین کا حملہ سمجھ کر پورا کانوائے روک دیتے اور بدحواسی کے عالم میں ہزاروں گولیاں اندھا دھند فائر کرتے تھے۔ کافی اسلحہ ضائع کرنے کے بعد جب انہیں حقیقت حال کا علم ہوتا تھا تو وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتے تھے۔

کمانڈر انچیف

1997ء کے آغاز میں بھارتی ایجنسیاں مجاہدین کی مضبوط اور منظم جماعت میں کوئی نقب لگانے میں کامیاب ہوگئیں اور صرف دو ماہ کے مختصر عرصے میں یکے بعد دیگرے تین مایہ ناز چیف کمانڈر شہید ہو گئے حاجی عبداللہ شہیدؒ، ابو غازی شہیدؒ اور خالد لاہوری شہیدؒ جیسے معروف کمانڈروں کا یوں شہید ہو جانا جماعت کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس نقب کے ذریعے پوری تنظیم کا شیرازہ بکھر جائے گا لیکن ان نازک حالات میں اور عین وقت پر غازی بابا نے اس نقب کا سراغ لگا کر پاکستان میں ذمہ داروں کو مطلع کر دیا اور بہت شدت سے زور دیا کہ اس نقب کا بندوبست کر دو ورنہ ہم میں سے آخری مجاہد کی شہادت کی خبر سننے کے لئے کانوں کو تیار کر لو۔ اللہ نے مدد فرمائی اور قائدین نے اس سازش کا بروقت تدارک کر کے نظام کو محفوظ کر لیا۔ اب معاملہ تھا چیف کمانڈر کی تشکیل کا اور یہ انتہائی گہرے غور و خوض سے کرنے کا فیصلہ تھا۔ کیونکہ حال ہی میں بہت تجربہ کار اور منجھے ہوئے کمانڈر شہید ہو چکے تھے مشاورت کے بعد ذمہ دار حضرات کے ذہن میں جو سب سے پہلا نام آیا تو وہ ساجد جہادی کا تھا حالانکہ اس وقت وادی کے اندر ان سے سینئر اور تجربہ کار ساتھی موجود تھے لیکن چند خصوصیات کی وجہ سے بزرگوں نے غازی بابا کا انتخاب کیا اور تمام ساتھیوں کو بھی انہی کے نام پر متفق کر لیا وہ خصوصیات یہ تھیں

۱. بہت اعلیٰ عسکری تربیت اور اس تربیت کی طویل عملی مشق

۲. شدید ترین جذبہ عمل یعنی ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا جذبہ جہادی کبھی بھی بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کے بالکل قائل نہ تھے

۳. مقامی کشمیری آبادی کے ساتھ گھل مل جانے کی صلاحیت یہ صلاحیت ان میں اتنی بھر پور تھی کہ عین اس وقت جب مجاہدین اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ مقامی مجاہدین کا نظام الگ اور مہمان مجاہدین کا الگ ہونا چاہیے غازی بابا نے نہ صرف یہ کہ خود مقامی مجاہدین کے ساتھ رہنا

پسند کیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر جنگل کی بجائے مقامی آبادی میں پوائنٹ بنا کر گھل مل کر رہنا شروع کر دیا۔ پاکستانی مجاہدین کا کشمیری مسلمانوں سے بدظن ہونے کی بڑی وجہ اس وقت کے نازک حالات تھے۔ کیونکہ ایک طرف اخوان المسلمین کے خودساختہ کمانڈر کوکہ پرے نے انڈین آرمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے دوسرا ان سرنڈر مینوں نے مجاہدین کے اہل خانہ اور معاونین پر جو بے تحاشہ ظلم ڈھائے اس کی وجہ سے کئی مقامی مجاہدین نے آرمی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس حوالے سے ایک ساتھی کے تشویش زدہ سوال کے جواب میں غازی بابا نے کہا کہ اخوان کی وجہ سے جو حالات پیدا ہو گئے ہیں یہ صرف وقتی ہیں اور اخوانیوں کا خاتمہ ہونے تک ہی ہیں جو ساتھی کشمیری مسلمانوں کے بارے میں مختلف وسوسوں کا شکار ہیں اور انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ دراصل انہیں سمجھتے ہی نہیں ہیں میں نے یہاں آ کر یہ تجربہ کیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کشمیریوں کو یہ یقین دلا دیں کہ آپ ان کے ہیں اور ان کے لئے ہی یہاں آئے ہیں تو پھر مخبری تو دور کی بات یہ آپ کو اس حد تک اپنا لیں گے کہ آپ کو اپنے بھول جائیں گے۔

چوتھی اور بڑی خصوصیت جس کے فقدان نے آج امت مسلمہ میں قحط الرجال کی کیفیت پیدا کر دی ہے وہ ہے بہادری اور احتیاط کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا، آج معاملہ اتنا خلط ملط ہے کہ جو بہادر ہے وہ عقلمندی کی حدود کو پامال کر دیتا ہے اور احتیاط کو بزدلی کہہ کر اپنے لئے اس کو عار کی چیز بنا لیتا ہے۔ تو ضرورت اس بات کی تھی کہ کسی ایسے شخص کو چیف کمانڈر بنا دیا جائے جو بہادر بھی ہو اور احتیاط کا دامن بھی نہ چھوڑے تاکہ کچھ وقت نکال کر عسکری سیٹ اپ کو جما سکے اور حقیقت یہ ہے کہ عسکری سیٹ اپ جمتا ہی تب ہے جب کمانڈر بھی کچھ وقت جم سکے ورنہ آنیاں جانیاں ہی لگی رہتی ہیں۔ ساجد جہادی میں یہ صفت حد درجہ پائی جاتی تھی وہ بہادری کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں اپنی حفاظت کا بھی خیال رکھتے اور خوب احتیاط برتتے تھے اسی احتیاط کی وجہ سے کپواڑہ کے ساتھی شروع شروع میں انہیں ابوٹینشن کہنے لگے تھے۔ مگر وہ ان طعنوں سے کبھی نہ گھبرائے بلکہ اس کے جواب میں بڑے پیار سے ساتھیوں سے کہتے دیکھو بھائیو! بہادری، بے وقوفی، احتیاط اور بزدلی میں باریک فرق ہے۔ اس کو سمجھو بہادری کو بے وقوفی سے اور بزدلی کو احتیاط سے خلط ملط نہ ہونے دو چنانچہ اسی فرق کو سمجھنے کا نتیجہ تھا کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں اتنا محتاط کہ ابوٹینشن نظر آتا اور وہی شخص دوسرے وقت میں اتنا بہادر کہ چنگھاڑتا ہوا بھارتی فوج کے کیمپوں میں گھس رہا ہوتا تھا۔

غازی بابا نے اس دور میں بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جب وہ جہاد کشمیر کے بے تاج بادشاہ تھے۔ سرینگر کی ایک بہن ان کے بارے میں اکثر یہ جملہ کہتی ''بھائی جان بہت ڈرتے ہیں'' اگلے دن وہی شخص دن دیہاڑے لال چوک میں بھارتی فوج کی گردنیں اڑا رہا ہوتا تھا۔ ان کی انہی صفات کو دیکھ کر ذمہ داران حضرات نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس شخص کو چیف کمانڈر بنا دیا جائے تو کافی فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اتفاق رائے کے بعد کمیونیکیشن پوائنٹ k2 سے ان کی نئی ذمہ داری کا اعلان کروا دیا گیا۔ پھر آگے آنے والے ایام نے ثابت کیا کہ وہ فیصلہ بہت اچھا تھا۔ اللہ کے فضل وکرم اور غازی بابا کی محنت سے کام خوب ہوا ساجد جہادی احتیاط اور بہادری کا نسخہ استعمال کر کے خوب جم گئے اور کام کو بھی جما دیا۔ صفا پورہ، گاندربل اور اجس بازی پورہ جیسے بڑے علاقوں میں اس وقت بے سروسامانی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے غازی بابا نے کچھ ہی عرصے میں وہاں پہاڑی راستے سے اسلحہ اور افراد کی سپلائی لائین بحال کر دی پھر وہ وقت بھی آیا جب اُنہوں نے اپنے مرکز سے کچھ وسائل کی ڈیمانڈ کی جب وہ ڈیمانڈ مکمل کی گئی تو انہوں نے بڑے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اپنے بزرگوں کو پیغام دیا کہ جو بھی کارروائی چاہیے ہمیں حکم دیں انشاء اللہ ہم پورے کشمیر میں کسی بھی جگہ کسی بھی قسم کی کارروائی ایک ہفتے کی وارننگ پر کر سکتے ہیں۔ یہ عسکریت کا وہ عروج تھا جس کے صرف خواب دیکھے جا سکتے تھے۔ اور جن کے شرمندہ تعبیر ہونے کی توقع بہر حال بہت کم تھی کیونکہ چھوٹی سی وادی کے اندر سات لاکھ انڈین فوجیوں کے ہوتے ہوئے یہ سب ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن غازی بابا کی شبانہ روز محنتوں نے جیش محمد ﷺ کے وسائل اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ مقام حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ عالم کفر بے شک عسکری فیلڈ میں بہت سارے میدان مار چکا ہے مگر اس کے باوجود یہ نتیجہ نکالنا کہ اب مسلمانوں کے بس میں سوائے حالات کا رونا رونے اور اللہ تعالیٰ کو مدد و نصرت نہ بھیجنے پر طعنے دینے کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں صحیح نہیں ہے بلکہ آج بھی اگر کوئی باہمت مسلمان اللہ کے بھروسے پر میدان میں نکل آئے اور پورے اخلاص کے ساتھ محنت میں جت جائے تو آج بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے:

اگر ہمت کرے تو کیا نہیں انسان کے بس میں
یہ ہے کم ہمتی جو بے بسی معلوم ہوتی ہے

پنن گام

غازی بابا کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے انڈین آرمی پر انکی دھاک بیٹھ گئی۔ دوسری طرف پورے علاقے میں انکی بہادری کے چرچے ہونے لگے انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں عوام الناس کے دل جیت لئے صفاء پورہ کا ہر جوان بوڑھا بچہ غرض ہر کوئی ان پر جان چھڑ کنے لگا۔ جس کسی کو میزبانی کا شرف بخشتے وہ اپنی قسمت پر رشک کرتا لوگوں نے مجاہدین کی محبت میں اپنے بچوں کے نام ان کے ناموں پر رکھنے شروع کر دیئے الغرض لوگوں نے مجاہدین کو اتنی محبت دی کہ مجاہدین نے چیوا کو پنن گام (اپنا گاؤں) کہنا شروع کر دیا پھر وہ وقت بھی آیا کہ پاکستانی مجاہد کسی گھر میں داخل ہوتا باوجود یکہ گھر والوں کو اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہوتا تھا کہ یہ کس شہر کس دیس سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حسب نسب کیا ہے لیکن وہ مجاہد پھر بھی ہر کشمیری ماں کا بیٹا اور ہر بہن کا بھائی ہوتا تھا بلکہ کشمیری مائیں بہنیں انہیں اپنا بیٹا اور بھائی کہنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ وادی کشمیر سے غازی بن کر لوٹنے والے مجاہدین کے لبوں پر وہاں کے لوگوں کے خلوص ومحبت کے تذکرے ہمیشہ رہیں گے۔

پیر بابا

غازی بابا دم وغیرہ کرنے کے حوالے سے بھی مشہور تھے وہ کوئی عالم یا حافظ تو نہ تھے لیکن کسی شاعر کے بقول ؎

ہوتا ہے اثر ان کی دعاؤں میں یقیناً
غازی کی دعا لو اور کبھی غازی کو دعا دو

یہاں مقصد غازی بابا نہیں بلکہ میدان جنگ میں لڑنے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی دعاء کو فوراً شرف قبولیت حاصل ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ غازی بابا کی دعاء اور دم نے کئی لوگوں کو فائدہ پہنچایا ایک دفعہ وہ میرے ماموں جی کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے دوسرے کمرے سے مسلسل کھانسنے کی آواز آ رہی تھی ان کے دریافت کرنے پر مامی جی نے پریشان کن لہجے میں اپنی بیٹی ثمینہ کے بارے میں بتایا جسے بچپن سے کھانسی کا عارضہ لاحق تھا اور کافی علاج کروانے کے باوجود بھی افاقہ نہ ہو سکا تھا۔ لگے ہاتھوں مامی جی نے اس کے دل کے عارضے کی بھی کہانی سنا ڈالی غازی بابا نے پانی پر دم کر کے دے دیا اور ساتھ روز نماز کے بعد قبلہ رخ ہو کر پینے کی ہدایت کی اللہ کے فضل و کرم سے وہ کچھ ہی عرصے میں بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایسے واقعات رونما ہوئے اب یہ حال تھا کہ لوگ غازی بابا کو مجاہد سے زیادہ پیر بابا سمجھنے لگے شانوں تک بکھری لمبی لمبی زلفیں لمبی داڑھی اور ہاتھ میں تسبیح انہیں پیر بابا ظاہر کرنے کے لئے کافی تھیں۔ وہ جس گھر میں داخل ہوتے وہاں دم کروانے والوں کی قطار کھڑی ہوتی تھی۔ مردوں کے علاوہ عورتیں اور جوان لڑکیاں بھی دم کروانے والوں میں شامل ہوتی تھیں۔ یہ صورتحال جہادی کے لئے پریشان کن تھی چونکہ برہمن حکومت کے زیر قبضہ رہنے کی وجہ سے کشمیری قوم بالکل آزادانہ ماحول کی عادی

ہے۔اور وہاں پر شرعی پردہ کا تصور بھی نہیں بلکہ اس چیز کا کسی کو پتہ ہی نہیں ہے۔البتہ برقع کا استعمال بہت زیادہ ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ برہمن حکومت کے شکنجے میں جکڑی سادگی کی پیکر قوم نے کبھی اپنی روایتی حدوں کو پھلانگنے کی کوشش نہیں کشمیری کلچر کا ایک لازمی جز فیرن ہے یہ لباس انسان کو پوری طرح مستور کر دیتا ہے اور کشمیر میں ہر طبقے کے لوگ اس کا استعمال کرتے ہیں غازی بابا کو فیرن بہت پسند تھا اور وہ اکثر اس کی تعریف کیا کرتے تھے تاہم خواتین کا بے دھڑک سامنے آنا انہیں اچھا نہیں لگتا تھا۔اس کے لئے انہوں نے ایک ترکیب سوچی رمضان المبارک کی ستائیسویں رات چیوا کی جامع مسجد میں ذکر واذکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اس دوران مجاہدین کی آمد پر مسجد کے منبر ومحراب مہک اٹھتے اس رات غازی بابا نے جامع مسجد میں پہلا بیان کیا مقامی لوگوں کو جہاد اور شہادت کے فضائل بتانے کے بعد انہیں جہاد کی دعوت دی اس کے علاوہ اس بات پر خصوصی زور دیا کہ نوجوان عورتیں اور لڑکیاں ہمارے سامنے نہ آیا کریں عورتوں کا غیر محرم مردوں کے سامنے آنا شریعت میں ناجائز ہے۔ اگر گھر میں مرد موجود نہ ہوں تو ہمیں بتا دیا جائے، مجاہدین اس گھر میں داخل نہیں ہونگے البتہ بوڑھی اور ضعیف العمر خواتین کے معاملے میں رعایت دے دی گئی اگلے دن یہ تمام باتیں زبان زد عام تھیں لوگوں نے ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی تعریف کی البتہ اس بات پر عمل درآمد صرف ان کی ذات تک محدود رہا کیونکہ لوگ پاکستانی مجاہدین سے بے انتہا محبت کرتے تھے ان کی نظروں میں یہ مجاہدین فرشتوں کی طرح مقدس تھے اس لئے ہر بہن ان پردیسی بھائیوں کی خدمت کرنے کی خواہش مند ہوتی تھی۔

اخوانیوں کا صفایا

صفاپورہ میں اخوانیوں کی قیادت فیاض نابدی نامی ایک شخص کررہا تھااس کا گھر ہیڈکوارٹر کے ساتھ ہی تھا۔صفاپورہ سے تعلق رکھنے والے کئی نامی گرامی افراد بھی اس گروہ میں شامل ہو چکے تھے اوران کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا تھا غازی بابا کی صفاپورہ میں آمد اور عسکری کارروائیوں کے بعد اس چیز میں نہ صرف کمی آئی بلکہ اخوانی اب پہلے کی طرح سرعام دندناتے پھرنے سے گریز کرنے لگے اورانڈین آرمی کا عبرتناک انجام دیکھ کروہ لوگ بھی خوف وہراس میں مبتلا ہوگئے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ کافراورمنافق کبھی بہادر نہیں ہوسکتا یہ اعزاز ہمیشہ سے مومن کو ہی حاصل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی جان کا سودا کرنے کے بعد ہر چیز سے بے نیاز ہوکراور جان کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کود پڑتا ہےاس کا رب جنت کے بدلے اس کی جان کا خریدار بن جاتا ہے اور جبکہ کافراور منافق کے لئے دنیا میں بھی ناکامی اور رسوائی لکھی ہوتی ہے۔اورآخرت میں بھی یہی چیز اس کا مقدر ہوتی ہے۔اس لئے موت اور مصائب کے ڈر سے کافروں کے آلہ کار بننے والے اخوانی ظالم ضرور تھے البتہ فطرتاً بزدل تھے۔مجاہدین نے انڈین آرمی کی پٹائی کرنے کے بعد اپنی کارروائیوں کا رخ اخوانیوں کی طرف موڑ دیا اوران کے خلاف بڑے آپریشن کا آغاز کیا اب ہرطرف سے ان ایمان فروش لوگوں پر حملے ہورہے تھے۔ان میں سے کئی افراد مارے گئے اور کئی ایک تائب ہوکر شریفانہ زندگی گذارنے لگے کچھ لوگ فرار کا راستہ اختیار کرکے علاقے سے بھاگ گئے اس طرح مجاہدین نے لوگوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دلائی مارے جانے والوں میں عاشق اخوانی بھی شامل تھا اسے ایک مجاہد نے دن دیہاڑے اورسرِ بازار ہلاک کردیا وہ دن میرے لئے انتہائی خوشی کا دن تھا میں نے اس ظالم سے نجات ملنے پراللہ کا خوب شکرادا کیا اورمجاہدین کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

پہلا قافلہ سوئے جنت

نومبر 1998ء کی بات ہے، اخوانیوں کا صفایا ہونے کے بعد علاقے میں کسی حد تک امن وسکون ہو گیا۔ صفاپورہ اور چیوا کا علاقہ مجاہدین کا گڑھ بن گیا یوں لگ رہا تھا گویا ان علاقوں میں آزادی کا سورج طلوع ہو گیا ہے سرشام ہر طرف مجاہدین کے قافلے نظر آتے تھے اور وہ لوگ مقامی نوجوانوں کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کھلے عام گھومتے پھرتے تھے۔ ہر گھر میں ضرورت سے زیادہ کھانا پکایا جاتا تھا اور ہر کسی کے گھر میں رات کو دو چار مجاہد کھانا کھاتے تھے۔ لوگ ان مبارک اور سعادتمند مہمانوں کی دل کھول کر خدمت کرتے تھے۔ انڈین آرمی نے ان دنوں چپ سادھ لی تھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس خاموشی کے پیچھے دشمن کیا مکروہ عزائم رکھتا ہے۔

ایک رات مجاہدین ہمارے گھر آئے، اس دن فضا کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی تھی ماحول پر اداسی کی کیفیت چھائی ہوئی تھی مجاہدین نے ہمیں بتایا کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں اس لئے وہ جنگل کی طرف جا رہے ہیں ضرار بھائی نے ہمیں روٹیاں پکانے کا کہا جنہیں وہ جنگل میں ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے۔ ہم دونوں بہنوں نے کافی ساری روٹیاں پکائیں اور مجاہدین وہ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کئی دن وہ لوگ بستی میں نہیں آئے۔ ایک دن صبح صادق کی روشنی نمودار ہوتے ہی بھارتی فوجیوں کے منحوس چہرے پھر ظاہر ہوئے یوں منہ اندھیرے اس مکروہ مخلوق کی موجودگی کا واضح مطلب کریک ڈاؤن ہی تھا ہم نے مردوں کو جلدی جلدی ناشتہ کرایا کیونکہ پھر بھارتی فوج نے انہیں سارا دن بھوکا رکھنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسجدوں میں اعلان کرایا گیا کہ تمام لوگ فلاں جگہ جمع ہو جائیں اس دن انڈین آرمی نے جنگل کا بھی گھیراؤ کیا تھا۔ اس بلند و بالا پہاڑ کا محاصرہ کرنا ناممکن تھا لیکن دشمن پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آ گیا تھا اور غازی بابا کے خلاف یہ ان کا پہلا بڑا آپریشن تھا اس سے پہلے انہوں نے کبھی جنگل کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کی تھی غازی بابا اور مجاہدین کی ایک بڑی تعداد جنگل میں موجود تھی آرمی نے جوں ہی جنگل

کی طرف پیش قدمی کی تو مجاہدین نے ان پر اپنی بندوقوں کے دہانے کھول دیئے جس کے بعد حق وباطل کے درمیان شدید معرکہ آرائی شروع ہوگئی بھارتی فوج کا بیڑہ غرق کرنے کے لئے اللہ پاک نے طوفانی بارش بھیج دی۔ انڈین آرمی کے لئے وہ بارش مصیبت بنی، ہندی رنگروٹ پھسل پھسل کر گہرے نالے میں گرتے جارہے تھے اسی دوران ایک زوردار زلزلے کا جھٹکا بھی آیا۔ اس خدائی نصرت سے کافی تعداد میں فوجی نالے میں جاگرے جوان کی قبر بن گیا یہ خون ریز معرکہ دودن جاری رہا۔ درجن بھر فوجیوں کی ہلاکت کے باوجود انڈین آرمی مجاہدین کا بال بھی بیکا نہ کرسکی بالآخر انہوں نے خصوصی کمانڈوز دستے بلائے جنہیں پیراشوٹ کے ذریعے جنگل میں اتارا گیا یہ خبریں اخبارات کی شہ سرخیاں بن گئیں کہ مٹھی بھر مجاہدین نے صفاپورہ ہیڈکوارٹر کی ایک بریگیڈ فوج کو بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ علاقے کے لوگوں پر شدید غم کی کیفیت طاری تھی ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار تھا۔ لوگوں نے دیر تک گھروں کے دروازے کھلے رکھے کہ شاید ہمارے عزیز جن پر اس سخت سردرات میں گولے اور بارود برسایا جارہا ہے اس محاصرے سے نکل کر آجائیں۔ ہر شخص مجاہدین کے لئے دعاء گو تھا مخلصین کی دعاؤں سے اسلام کے مجاہدوں نے بھارتی کمانڈوز کا غرور خاک میں ملادیا آخر کار انڈین آرمی نے مکروفریب اور دھوکہ بازی جو ہندوؤں کی روایت ہے کا سہارا لے کر مجاہدین کے خلاف نیا آپریشن کیا۔ تیسرے دن آرمی نے مقامی لوگوں کو پکڑ کر انہیں بطور ڈھال استعمال کیا اور بھارت ماتا کے بزدل پجاری سول لوگوں کے کندھوں پر گنیں رکھ کر مجاہدین پر گولیاں برسانے لگے یہ صورتحال مجاہدین کے لئے انتہائی صبر آزما اور مشکل تھی کیونکہ ان کی طرف سے جوابی کارروائی کرنے کی صورت میں عام لوگ شہید ہونے کا اندیشہ تھا۔ ایک نوجوان نے بتایا کہ قاسم بھائی بپھرے ہوئے شیر کی مانند ایک پتھر کی اوٹ سے نکلے وہ کافروں پر گولی چلانے والے تھے لیکن سامنے اس دوست کو دیکھ کر ہاتھ رک گئے جس کے ساتھ انہوں نے کئی شامیں ہنسی مذاق اور خوش گپیوں میں گذاردی تھیں قاسم بھائی اور ذیشان بھائی کے علاقے کے نوجوانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے اور یہ دونوں نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ آج ان ہی میں سے ایک دوست کو دشمن نے بطور

ڈھال استعمال کیا تھا۔ فوجی گن اس کے کندھے پر رکھ کر خود اس کی اوٹ میں کھڑا تھا قاسم بھائی نے اپنے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانا گوارا نہ کیا۔ ادھر بھارتی کتے نے اندھا دھند فائرنگ کر کے اس پتھر کو چھلنی کر دیا۔ قاسم بھائی نے زخمی حالت میں گن توڑ ڈالی پھر لیلائے شہادت نے انہیں اپنی آغوش میں چھپا لیا اس طرح انڈین آرمی نے مکارانہ پالیسی اپنا کر چھ مجاہدین کو شہید کر دیا جن میں قاسم بھائی شہید ضرار بھائی شہید اور ہر دلعزیز ذیشان بھائی شہید شامل تھے۔ ذیشان بھائی گلگت کے رہنے والے تھے وہ اسقدر خوبصورت تھے کہ انہیں دیکھ کر ہر ماں کی ممتا جوش مارتی تھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی کہ یہ کس ماں کا لال ہے؟ اور وہ ماں اس کی جدائی پر کس طرح صبر کر پائے گی؟ یہ سوئے جنت جانے والا پہلا قافلہ تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کی جدائی پر پورا علاقہ سوگوار تھا لوگوں نے کئی دنوں تک چولہے نہیں جلائے۔ شہیدوں کے جنازے میں شامل ہزاروں لوگ جن میں بوڑھے بچے جوان شامل تھے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے یہ سچ ہے کہ ایک شہید کے خون کے قطروں سے کئی شہید پیدا ہو جاتے ہیں کشمیر میں اس بات کا بارہا عملی مظاہرہ ہوا ساتھیوں کی شہادت کے بعد کشمیری نوجوانوں نے غازی بابا کو خط لکھے جن میں یہ لکھا تھا کہ آپ ساتھیوں کی جدائی پر غمگین نہ ہوں ہم آپ کے بازو بن کر شہداء کا مشن آگے بڑھائیں گے میرے چھوٹے بھائی راشد کی ذیشان بھائی کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ وہ کئی دنوں تک روتا رہا پھر غازی بابا کے نام ایک خط لکھا جس میں ذیشان بھائی کے مشن کے ساتھ وفا کرنے کا عزم تھا۔

نصرت خداوندی کا نظارہ

انڈین آرمی کو مجاہدین کے خلاف کافی عرصے کے بعد یہ پہلی بڑی کامیابی ملی تو وہ اس خوشی میں پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اسی خوشی میں انہوں نے غازی بابا کے خلاف کارروائیوں میں تیزی لائی کئی بار محاصرے میں آنے کے باوجود وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جاتے تھے۔ انڈین آرمی تو شروع سے ہی انہیں جن بھوت سمجھ رہی تھی اب لوگوں نے بھی عجیب قسم کی باتیں شروع کر دیں اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ غازی بابا کے پاس کوئی جادوئی طاقت ہے جس کی مدد سے وہ محاصرے سے نکل جاتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور اس سے پہلے کوئی طاقت انسان کو مار نہیں سکتی لیکن مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ غازی بابا کے ساتھ اللہ کی خصوصی نصرت اور مدد تھی اور انہیں کئی دفعہ الہام کے ذریعے خطرے سے آگاہی ملتی تھی جس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ آرمی نے بابا صالح نامی علاقے کا کریک ڈاؤن کیا علاقے کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جس کے ایک غار میں غازی بابا پانچ ساتھیوں سمیت موجود تھے۔ دشمن کو غار کا پتہ چل گیا اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اسے گھیرے میں لے لیا دن کا وقت تھا دونوں اطراف شدید جھڑپ کا سلسلہ شروع ہوا۔ چند مجاہدین کے مقابلے میں کفر کا پورا لشکر تھا غار کے اوپر ہر چھوٹے بڑے ہتھیار سے فائرنگ کی جا رہی تھی علاقے بھر میں ایک مرتبہ پھر غم کی لہر دوڑ گئی لیکن ادھر غار کے اندر سرور و کیف کی محفل جمی تھی۔ غازی بابا کو گولیوں کی بارش میں مسکرانے اور گنگنانے کی عادت تھی وہ غار کے اندر اپنی وجد آفریں آواز میں نظمیں اور اشعار پڑھ کر ساتھیوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے اور ترنم سے یہ نظم پڑھ رہے تھے۔

ہم دینِ محمد کے وفا دار سپاہی
اللہ کے انصار و مددگار سپاہی

مر جائیں گے پر دین کا سودا نہ کریں گے
کٹ جائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

جھڑپ کے دوران محمد عربی ﷺ کا یہ جانثار سپاہی اگلی صف میں کھڑا لڑ رہا تھا دشمن کا فائر برابر آ رہا تھا اور وہ غار کے دہانے کے قریب ان پر جوابی فائر کر رہے تھے۔ ساتھی اس بات پر شدید اصرار کر رہے تھے کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور خطرناک جگہ کوئی ساتھی لے لے گا لیکن خالد بن ولیدؓ کے روحانی فرزند کو یہ کب گوارا تھا اسی حالت میں شام ہوگئی اور وہ زخمی ہو گئے ان کی کلائی میں گولی لگی جو کہنی میں جا کر رک گئی وقتی طور پر بازو شل ہو گیا کیونکہ گولی رگوں کے بیچ میں پھنس گئی تھی ساتھی انہیں غار کے آخر میں لے آئے اور آرام کرنے کو کہا۔

انہیں پورا یقین تھا کہ آج لیلائے شہادت ان کی منتظر کھڑی ہے کیونکہ غار اور زیر زمین ہائیڈ میں پھنس جانا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسی جگہوں سے نکلنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں وہ لیٹے ہی تھے اس دوران انکی نظر ایک چڑیا پر پڑی جو غار کے اندر آ کر پھر دوبارہ باہر جا رہی تھی کافی دیر وہ یوں ہی بے چینی کے عالم میں غار کے اوپر منڈلاتی رہی غازی بابا نے یہ خدائی اشارہ سمجھ لیا اس وقت تک دو مزید ساتھی زخمی ہو گئے تھے۔ باقی ساتھی بھی آخری معرکہ سمجھ کر بہادری کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے انہیں اپنے امیر کی طرف سے تیاری کا حکم ملا تو وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ اس قدر کڑے محاصرے سے نکلنا وہ بھی اس صورت میں کہ وہ غار کے اندر محصور ہیں اور انہیں دشمن کی پوزیشنوں کا کچھ پتہ نہیں ہے ساتھیوں کے لئے یہ فیصلہ پریشان کن تھا مگر وہ اپنے امیر کے قلندرانہ مزاج سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کسی وجہ سے ہی کیا ہوگا رات کے وقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور سورت یٰسین کی آیت **وجعلنا من بين ايديهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشينهم فهم لا يبصرون** پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ وہ انڈین آرمی کو صاف دیکھ رہے تھے لیکن اللہ نے کافروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، یا پھر انہوں نے مجاہدوں کو جان بوجھ کر نکلنے کا راستہ دیا۔ یہ لوگ راتوں رات چیوا پہنچ آئے وہاں ایک ڈاکٹر مجاہدین کا مخلص حمایتی تھا۔ ساتھی انہیں مرہم پٹی کروانے کے لئے لے آئے ڈاکٹر خان نے

غازی بابا سے کہا کہ گولی کہنی کے اندر رگوں کے درمیان پھنسی ہوئی ہے اس کو نکالنے کے لئے آپ کو بے ہوش کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے بے ہوش ہونے سے انکار کر دیا اور ڈاکٹر کو بغیر بے ہوشی کے آپریشن کرنے پر آمادہ کیا جس گھر میں وہ لوگ موجود تھے وہ میرے بھائی کے دوست کا گھر تھا اور اتفاق سے میرے بھائی جان اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر نے کلائی سے لے کر کہنی تک ان کا بازو چیر کے رکھ دیا ہم سب نے آنکھیں بند کر لیں مگر استقامت کا پہاڑ غازی بابا آنکھیں بند کئے تلاوت کر رہے تھے۔ ان کے بازو سے خون ابل ابل کر بہہ رہا تھا لیکن ماتھے پر کوئی شکن نہ تھی ہم سب ان کی جرأت پر حیران رہ گئے بالآخر ڈاکٹر خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ تڑپ کر بولے جہادی بھائی اس طریقے سے یہ کام میرے لئے بہت مشکل ہے ایک زندہ انسان کو اس طرح چیرنا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ غازی بابا مسکرا کر بولے ڈاکٹر صاحب اسے رہنے دیں انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا زیادہ سے زیادہ جسم میں دس گرام وزن کا اضافہ ہوگا پھر وہ گولی آخری دم تک جہادی کے بازو میں ہی رہی۔

غازی بابا کا انتقام

جنگل والے غار آہستہ آہستہ ایکسپوز ہوتے جا رہے تھے اور پہاڑ یعنی کرش ٹاپ میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بالکل ننگا پہاڑ یعنی درختوں سے خالی تھا صرف ٹاپ پر گھنے درخت تھے لیکن وہ جگہ بہت بلندی پر تھی۔ اس لئے مجاہدین پہاڑ کے اندر بنے ہوئے قدرتی ٹھکانوں یعنی غاروں میں پناہ لیتے تھے غازی بابا کے سینے میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ انڈین آرمی سے اپنے ساتھیوں کے خون کا جلد از جلد حساب لینا چاہتے تھے لیکن سب سے پہلے انہوں نے اپنے نئے ٹھکانے ترتیب دینے تھے۔ ان دنوں صفا پورہ میں ساتھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی انہوں نے کچھ ساتھی دوسرے علاقوں میں بھیج دیئے اور اپنے ساتھ مناسب تعداد میں ساتھی رکھ لئے اس کے علاوہ چیوا اور دوسرے علاقوں میں کئی زیر زمین ہائیڈیں بھی بنوا دیں دفاعی انتظامات مکمل کرنے کے بعد غازی بابا نے انڈین آرمی پر ضرب کاری لگانے کی ٹھان لی۔ پھر ایک رات اسلام کے اس جری جرنیل نے آرمی ہیڈ کوارٹر کے دروازے پر جا کر بھارتی فوج کو للکارا ہندو قوم ویسے بھی بزدلی میں اپنی مثال آپ ہے لیکن بھارتی فوج کے لئے غازی بابا کا نام خوف کی علامت بن چکا تھا کیونکہ وہ شخص دشمن کو چیلنج دے کر حملہ کرتا تھا اور ان کی گرجدار آواز ہندوؤں کا پِتّہ پانی کر دیتی تھی مجاہدین کے پاس قوت ایمانی کے علاوہ جو سب سے طاقتور ہتھیار ہے وہ تکبیر کا نعرہ ہے۔ غازی بابا یہ نعرہ مستانہ لگا کر دشمن پر حملہ آور ہوئے وہ کافی دیر تک انڈین آرمی پر گولیاں اور گولے برساتے رہے جب وہ واپس آئے تو کیمپ کے باہر دشمن کے لئے ایک پھندہ لگا کر آئے انہوں نے ڈسپوزایبل راکٹ کے کور کے اندر ''بوبی ٹرپ'' اس طریقے سے لگایا کہ دشمن اس کو اٹھا کر کھولے تو وہ بلاسٹ ہو جائے اس کے علاوہ راستے میں بارود سے بھرا ہوا ایک ''ہاٹ پاٹ'' بھی چھوڑ آئے۔

مجاہدین کی کارروائی کے بعد دشمن پورے علاقے کا کریک ڈاؤن اور تلاشی کی کارروائیاں

کرتا ہے اس غرض سے جب انڈین آرمی کیمپ سے باہر نکلی تو کیمپ کے باہر راکٹ کا کور نظر آ گیا وہ یہ سمجھے کہ مجاہدین سے یہ جاتے جاتے گر گیا ہے۔ جب انہوں نے اسے اٹھا کر کھولنے کی کوشش کی تو وہ زوردار دھماکے سے پھٹ گیا اور کھولنے والے فوجی کے پرخچے اڑا دیئے چونکہ چیوا مجاہدین کا مرکز مانا جاتا تھا اس لئے آرمی نے صفاپورہ اور اس سے ملحقہ چھوٹے موٹے علاقوں سمیت چیوا کا بھی محاصرہ کر لیا کریک ڈاؤن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انڈین آرمی فجر سے پہلے پہلے پورے علاقے کو گھیر لیتی ہے قوی امکان تھا کہ آرمی چیوا کا بھی کریک ڈاؤن کرے گی کیونکہ عام حالات میں بھی اس علاقے کا ہفتے میں دو مرتبہ کریک ڈاؤن ہوتا تھا اس کے پیش نظر مجاہدین نے چیوا کے قریب ایک جگہ پر ہاٹ پاٹ رکھ دیا۔ صبح جب ہر طرف روشنی پھیلی تو محاصرے پر مامور ایک فوجی کی نظر ہاٹ پاٹ پر پڑی قریب جا کر اس نے دیکھا کہ اس کے باہر سالن لگا ہوا ہے جو مجاہدین نے محض دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے لگایا تھا رات بھر سے ڈیوٹی پر کھڑے بھارتی فوجی نے سوچا کہ نہ جانے دن کو کس وقت کھانا میسر آئے کیوں نہ پیٹ پوجا ہی کر لی جائے اس نے قریب کھڑے ساتھی کو بلا کر اس کو کھولا اور کھولنے کے ساتھ ہی دونوں واصل جہنم ہو گئے۔

چیف کمانڈر کی حیثیت سے غازی بابا کی ذمہ داری چند علاقوں تک محدود ہونے کی بجائے اب پوری وادی کی تھی۔ اس طریقے سے ان کا کام اب پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مثلاً وادی کے تمام ڈسٹرکٹ کمانڈروں سے رابطہ رکھنا ان سے کارروائیوں کی ترتیب بنانا، اسلحہ، رقم اور مجاہدین فراہم کرنا، بیس کیمپ میں موجود ذمہ داران سے رابطہ رکھ کر مجاہدین کے لئے ضرورت کا سامان منگوانا زخمی مجاہدین کے لئے علاج معالجے کا مکمل انتظام کروانا کیونکہ وادی کے اندر زخمی مجاہد کو اگر جنگل میں رکھا جائے تو اس کی دیکھ بھال اور چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کو جنگل میں بلانا اس کے لئے خطرناک ہوتا ہے اور اگر بستی میں رکھا جائے تو چھاپے اور کریک ڈاؤن میں گرفتاری کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے اس کام میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ وادی کی مختلف جیلوں میں قید مجاہدین تک ضروریات زندگی مہیا کرنا اور ان کو قانونی تحفظات فراہم

کرتے ہوئے وکلاء کا بھی انتظام کروانا ہوتا ہے، الغرض ایک چیف کمانڈر کے ذمہ مندرجہ بالا ذمہ داریوں کے علاوہ بھی کئی اہم اور حساس کام ہوتے ہیں۔ اس ذمہ داری کے بعد غازی بابا کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئیں اس لئے انہوں نے چیف کمانڈر کی تمام ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے کے لئے اپنی سابقہ ذمہ داری یعنی ڈسٹرکٹ کمانڈر کی ذمہ داری بھائی اسد اللہ (ابو جندل) کے حوالے کر دی۔ ڈسٹرکٹ کمانڈر ہونے کے ناطے اب دشمن پر حملے جاری رکھنے کا کام انہی کا تھا۔ تاہم غازی بابا کئی کارروائیوں میں اب بھی بذات خود شرکت کرتے تھے۔

بھائی اسد اللہ کم عمر ہونے کے باوجود انتہائی باصلاحیت اور بارعب تھے انہوں نے دشمن کے خلاف کارروائیاں جاری رکھتے ہوئے انہیں مسلسل دہشت زدہ کئے رکھا آئے دن کیمپ پر حملے مائن بلاسٹ اور فوجی کانوائے پر حملوں میں بے شک فوج کا نقصان نہ بھی ہوتا لیکن ان کارروائیوں کا مقصد ہی دشمن کو مسلسل خوف اور دباؤ میں مبتلا رکھنا تھا چند ہی دنوں کے بعد انڈین آرمی کے دلوں میں کمانڈر اسد اللہ کا نام دہشت کی علامت بن گیا آرمی والے انہیں ''قصائی'' کے نام سے پکارتے تھے۔ ان تمام کارروائیوں کو طوالت کے باعث صفحہ قرطاس میں نہیں لایا جا رہا ہے البتہ غازی بابا کی داستان کو آگے بڑھانے سے پہلے میں کچھ ان سرفروش شہیدوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے وادیٔ کشمیر کی حسین وادیوں کو اپنے لہو سے سیراب کیا جنہوں نے دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر کشمیر کے جنگلوں، ویرانوں اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ ان عظیم لوگوں نے کشمیر کی رزمگاہوں میں بڑے بڑے معرکے لڑے جو تاریخ کا ایک سنہرا باب اپنے خون جگر سے رقم کر گئے اور خود گمنام قبروں میں جا سوئے۔

گمنام نہ جانے کتنے ہیں

فضا بارش سے جل تھل ہو چکی تھی ہم لوگ رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے اتنے میں گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے بھائی سہیل پربت، بھائی عاصم، بھائی کمانڈو اور ایک مقامی مجاہد بشارت بھائی کھڑے تھے مجاہدین کے بیٹھنے کے لئے ایک کمرہ مخصوص تھا لیکن اس دن مجاہدین گیلری میں ہی کھڑے رہے پوچھنے پر وہ کہنے لگے کہ ان کے جوتے کیچڑ سے بھرے ہوئے ہیں۔ کارپٹ پر بچھانے کے لئے کوئی چیز دے دیں ہم نے کہا کارپٹ آپ کے جوتوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے آپ بیٹھ جایئے مجبوراً انہیں بیٹھنا پڑا دراصل اس دن وہ لوگ جلدی میں تھے اس لئے جوتے نہیں اتارے ورنہ عام حالات میں وہ جوتے اتار لیتے تھے۔ نہ جانے وہ جنت کے شہزادے کہاں کہاں جنگلوں اور جھاڑیوں سے گذر کر آئے تھے وہ تھکے ہوئے اور پیاسے تھے اس لئے تھوڑی دیر ستانے اور پانی پینے کی غرض سے ہمارے گھر ٹھہرے تھے۔ بشارت بھائی کا ہاتھ کانٹوں سے بھرا ہوا تھا ماں جی نے ان کے ہاتھ سے کانٹے نکال لئے اور انہیں لیموں کا شربت بنا کر پلایا پانی پینے کے بعد وہ جانے لگے تو گھر والوں نے کھانا کھانے کے لئے اصرار کیا انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ انہیں اگلی منزل پر جلدی پہنچنا ہے اس لئے وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے گھر میں گوشت پکا ہوا تھا ماں جی بولیں جلدی سے نکال لاؤ کیا پتہ یہ کب ٹھکانے پر پہنچ پائیں گے میں ایک برتن میں گوشت نکال لائی مجاہدین نے وہ کھانے کے بعد ہمیں دعائیں دیں اور چل دیئے اسداللہ بھائی کا ہمارے گھر کافی آنا جانا تھا۔ انہوں نے کئی روز پہلے ہمارے گھر ایک مقامی مجاہد رکھا ہوا تھا غازی بابا نے یہ بات مقامی مجاہدین کی ٹریننگ میں شامل کر رکھی تھی کہ انہیں اسلحے کی تربیت دینے کے بعد کسی گھر میں کافی عرصہ بالکل تنہا اور غیر مسلح حالت میں چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ جس کا نظریہ پختہ نہ ہو وہ قید و بند سے گھبرا کر گھر کی راہ لے گا اور جو ان مصائب اور آزمائشوں پر ثابت قدم رہے اس کو باقاعدہ

صفوں میں شامل کیا جاتا تھا۔ ہمارے گھر جو ساتھی تھا وہ صبح سے شام تک ایک کمرے میں رہا کرتا تھا اس رات انہوں نے سہیل بھائی کو بہت کہا کہ انہیں ساتھ لے چلیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ استاد جی کا حکم نہیں ہے۔

صبح کا وقت تھا گیٹ پر زور زور سے دستک ہو رہی تھی بابا باہر ہی کھڑے تھے انہوں نے گیٹ کھولا تو آگے بھارتی فوجی کھڑے تھے میں کچن کی کھڑکی سے یہ سب دیکھ رہی تھی ہمارا صحن کافی کھلا تھا اس لئے گیٹ سے مکان تک آدمی کو آنے میں جو وقت لگتا وہ میرے لئے بہت تھا میں نے بھاگ کر مہمان کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا وہ شاید سو رہے تھے دروازہ نہ کھلنے پر میں نے تیزی سے کہا بھائی جان آرمی آ گئی ہے دوسرے لمحے دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ ایک سانس میں بولے بہنا میرا نام سید نذیر ہے اور سوپور کا رہنے والا ہوں پہلے انہوں نے ہمیں جو نام اور پتہ بتایا تھا وہ فرضی تھا کیونکہ ایک مجاہد کے لئے یہ ضروری ہے اگر وہ ہر جگہ اپنا اصل نام پتہ بتاتا رہے تو دشمن اسے آسانی سے پکڑ سکتا ہے ان کے شناختی کارڈ پر یہی نام درج تھا اور ہمیں اس لئے بتایا تاکہ اگر آرمی ہم سے علیحدگی میں ان کا نام پوچھے تو متضاد بیان پر وہ مشکوک سمجھ کر گرفتار کر لئے جاتے۔

ہمارے پاس سوچنے کے لئے وقت نہیں تھا میں نے ان سے کہا آپ خاموشی سے لیٹے رہیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیں انڈین آرمی نے سارے گھر کی تلاشی لینے کے بعد اس کمرے کا دروازہ کھولنے کا کہا تو بابا کا چہرہ پیلا پڑ گیا اس کمرے میں نہ صرف ایک مجاہد تھا بلکہ رات جو مجاہدین آئے تھے ان کے جوتوں کے ساتھ لگا کیچڑ بھی وہاں ابھی تک موجود تھا بابا پریشانی کے عالم میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب مہمان کی کس طرح حفاظت کی جائے اللہ پاک نے سب گھر والوں کی نسبت مجھے ذرا مضبوط دل دیا تھا میں نے میجر کے سوال کا نارمل انداز میں جواب دیا اندر ہمارا مہمان سو رہا ہے مہمان کا نام سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے کیونکہ ان دنوں چھوا کے ہر تیسرے گھر میں مہمان مجاہدین موجود ہوتے تھے اور کئی دفعہ کریک ڈاؤن کے دوران انڈین آرمی نے انہیں دیکھ کر نظر انداز کر دیا بلکہ شیروں کو چھیڑنے کی ہمت نہ

کی میجر نے پوچھا کون مہمان ہے؟ یہ سوپور کے ٹھیکیدار صاحب ہیں ہمارے باغات ہر سال یہی ٹھیکے پر لیتے ہیں، بابا نے مزید تائید کی اللہ جانتا ہے کہ بنیا اس بات سے مطمئن ہوا تھا کہ نہیں لیکن اللہ نے اسے کوئی اقدام کرنے کی ہمت نہ دی وہ صرف اتنا کہہ کر دفع ہوا کہ اسے کریک ڈاؤن میں ساتھ لے آنا بھارتی فوجی اس قدر بزدل اور ڈرپوک ہیں کہ گھر گھر تلاشی کے وقت وہ مقامی لوگوں کو آگے رکھتے ہیں تاکہ مجاہدین کی موجودگی کی صورت میں وہ اپنی جان بچا سکیں کسی جگہ مجاہدین کی موجودگی کی اطلاع ملے تو قرب وجوار کے مکانوں پر پوزیشنیں لے کر مطلوبہ مکان پر شیلنگ کر کے زمین بوس کرتے ہیں ہم نے مہمان کو ناشتہ کرایا اور انہیں یقین دلایا کہ ہم اپنے بیان پر قائم رہیں گے آپ بھی یہی بات کہنا اس وقت میرے دل کو بہت صدمہ پہنچا جب انہوں نے جاتے ہوئے مجھے کچھ چیزیں دیتے ہوئے کہا بہنا اگر میں گرفتار ہوا تو یہ امانت میرے ساتھیوں تک پہنچانا۔ ہمارے گھر کے بائیں جانب ایک باغ تھا اکثر کریک ڈاؤن میں لوگوں کو ادھر ہی جمع کیا جاتا تھا کچن کی کھڑکی کی طرف کریک ڈاؤن کا روح فرسا منظر صاف نظر آرہا تھا آفیسر نے سب سے پہلے بابا اور بھائی سید نذیر کو علیحدہ کیا اس طرح کے کچھ اور لوگ بھی جو علاقے میں نئے آئے الگ کر لئے گئے ادھر ساتھ ہی ایک زیرِ تعمیر خالی مکان تھا۔ انڈین آرمی اکثر اس میں کشمیری مسلمانوں پر تشدد کرتے اور مجاہدین کا پتہ پوچھتے تھے اس دن بھارتی درندے ان مہمانوں کو اس خالی مکان میں لے جا کر انٹروگیشن کر کے ان سے پوچھ تاچھ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن ان کے ظالمانہ عزائم پر عمل درآمد ہونے سے قبل ہی کہیں سے ایک برسٹ فائر ہونے کی آواز آئی اس کے ساتھ ہی دوسرے پھر تیسرے برسٹ کی آواز نے بھارتی فوج میں کھلبلی مچا دی فائرنگ کہاں اور کس پر ہو رہی ہے اس بات کا اندازہ کئے بغیر بھارتی سینا کے بہادر جوانوں کی دوڑیں لگ گئیں۔ اس بھاگم بھاگ میں ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے پانی کی ندی میں گرتے ہوئے دیکھا اور اسی بھگدڑ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارا مہمان اور کریک ڈاؤن میں محصور لوگ بھاگ گئے کچھ دیر بعد بنیے کو محسوس ہوا کہ فائرنگ دو کلو میٹر دور ہو رہی ہے تو وہ شرمندہ ہو کر دوبارہ اپنی پوزیشنوں پر بیٹھ گئے کچھ گائے کے بیٹے ہمارے گھر کی چھت پر مورچہ سنبھال بیٹھے۔ فائرنگ صفا پورہ کے محلہ بٹہ پورہ میں ہو رہی تھی اس روز

پورے علاقے کا کریک ڈاؤن تھا اور تلاشی کے دوران فوج اور مجاہدین کے درمیان جھڑپ شروع ہوگئی پورا دن جنگ کا سماں رہا۔ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ معرکہ کون لڑ رہا ہے۔ پھر بھی ہم لوگ جھولی پھیلا پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے مجاہدین کی نصرت اور بھارتی فوج کی ہلاکت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ سارا علاقہ فوج کے کڑے محاصرے میں ہونے کے باعث اس دن جھڑپ کے حوالے سے کچھ معلوم نہ ہو سکا البتہ اگلے دن یہ اندوہناک خبر ملی کہ اس جھڑپ کے دوران سہیل بھائی اپنے چاروں یاروں سمیت جام شہادت نوش فرما گئے۔ یقین کرنا مشکل تھا کیونکہ ابھی تک ان کی خوشبو گھر میں بسی ہوئی تھی اور ان کے نقش پا ان گلیوں میں موجود تھے کیا وہ سچ مچ ہم سے بہت دور چلے گئے؟

چاچو کے گھر کی تو فضا ہی کچھ اور تھی یوں محسوس ہو رہا تھا گویا ان کے گھر کا کوئی فرد بچھڑ گیا ہو دراصل سہیل بھائی کو میری آنٹی نے بیٹا بنایا تھا۔ایک دفعہ جب سہیل بھائی نے ان سے کہا ماں جی! میری امی جان بالکل آپ کی طرح ہیں آنٹی نے جواب دیا میرے بیٹے آج سے آپ مجھے ہی امی جان سمجھو اس دن کے بعد خلوص ومحبت کا یہ لازوال رشتہ آخری دم تک قائم رہا۔ سہیل بھائی نے آنٹی کو اپنی نشانی کے طور پر چاندی کی انگوٹھی دے دی تھی جس پر سہیل پربت لکھا ہوا تھا آنٹی پردیسی بیٹے کی وہ نشانی ہمیشہ سنبھال کر رکھتی اور اس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

چونکہ چیوا مجاہدین کا پنن گام تھا اس لئے لوگوں نے شہداء کو اپنے گاؤں میں ہی دفن کرنے کا فیصلہ کیا اس سے پہلے مزار شہداء صفاپورہ میں تھا اور چونکہ ان کی شہادت بھی اسی علاقے میں ہوئی اس لحاظ سے وہ صفاپورہ میں ہی دفنائے جانے تھے۔لیکن چیوا کے لوگوں نے پولیس کے ساتھ باقاعدہ جھڑپ کر کے شہداء کے جسد خاکی حاصل کر لئے انڈین آرمی نے ضروری تحقیقات کرنے کے بعد نعشیں کشمیر پولیس کے حوالے کر دیں۔انھوں نے نعشیں دینے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ یہ حرکت چیوا کے لوگوں کو مہنگی پڑے گی کیونکہ مہمان مجاہدین کو اپنے علاقے میں دفن کرنا ان کے ساتھ محبت کا واضح اعلان تھا جسے انڈین آرمی نے کسی طور پر برداشت نہیں کرنا تھا بہر

حال لوگوں نے زبردستی نعشیں حاصل کرلیں۔اوراس بات پر بھارتی فوج نے جوظلم وتشدد وہاں کے عوام پر کیاوہ الگ داستان ہے۔

اتفاق سے یہ جنتی روحیں ہمارے پڑوس میں دفنانے کا فیصلہ ہواباغ کے ایک کونے میں راہ حق کے تھکے ماندے مسافروں کی آخری آرامگاہیں تیار ہونے لگیں کچھ لوگ شہداء کی میتیں لینے گئے تھےاور کچھ اشکبار آنکھوں کوراستے میں بچھائے ہوئے منتظر تھے۔چاچوکی دس سالہ بیٹی فرحت اور سہیل بھائی کی ننھی منی بہن زاروقطار رورہی تھی میں نے اس کو پیار کیا تو اس نے فوراًسوال کیاد یدی کیا سہیل بھیا شہید ہو گئے ہیں؟ میں نے اس کے رخساروں پر بکھرے ہوئے موٹے آنسو پونچھتے ہوئے کہانہیں گڑیاوہ کوئی اور ہیں عصر کے وقت راہ وفا کے شہید نعرہ تکبیر کی صداؤں میں بستی میں داخل ہوئے لوگ دیوانہ وار گاڑی پر جھپٹ پڑے ایک ہی قطار میں پانچ جوانوں کے جنازے دیکھ کرآسمان بھی رو پڑا ہوگا۔چیوا کی گلیوں میں روزانہ نظر آنے والے وہ ہنستے مسکراتے چہرے آج لہو میں بھیگے ہوئے تھے مومن کیلئے شہادت سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہے لیکن فطرتاً جدائی کا دکھ ضرور ہوتا ہے۔شہداء کے جنازے میں اردگرد کے سارے علاقوں کے لوگ شامل ہو گئے اورسب کے سب دھاڑیں مار مار کررورہے تھے میں سوچ رہی تھی کہ کشمیر کے لوگ بھی عجیب دیوانے ہیں ان شہیدوں میں کوئی بھی ہمارارشتہ دار بلکہ اس علاقے کا بھی نہ تھا لیکن وہ منظر دیکھ کرلگ رہا تھا گویاوہ سب کے سگے ہیں لوگ ان پردیسی مہمانوں کے قدموں کو بوسے دے رہے تھے جنہوں نے ہماری عزت اورآزادی کی خاطر اپنے سر کٹوادیئے میں سوچ رہی تھی کہ سہیل پربت فیصل آباد کی ماں کا ہی لال نہ تھا بلکہ وہ کشمیر کی ہر مظلوم ماں کا بیٹا تھاہاں وہ اب فیصل آباد کی بہنوں کا بھائی ہی نہیں تھاوہ فرحت کا بھائی بھی تھا میرا بھائی بھی تھااور کشمیر کی ہرستم رسیدہ بہن کی عزت کارکھوالا تھا۔ہمیں اس کی جدائی کا نوحہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے لئے محمد بن قاسم بن کرآیا تھاباغ کے ساتھ پانی کی ندی بہہ رہی تھی اس پانی کے ساتھ شہداء کے غبارآلود چہرے صاف کئے گئے اور بچا ہوا پانی واپس ندی میں گرایا گیا یہ ندی ہمارے گھر کی چاردیواری کے اندر سے گزر رہی تھی۔میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا جو تھمنے میں نہیں آرہا تھامیری امی جی کو معلوم تھا کہ جب بھی کوئی مجاہد شہید ہوتا خواہ

وہ کہیں کا بھی ہوتا میری یہی حالت ہوتی تھی کئی کئی دن تک میرے آنسو خشک ہوتے اور نہ ہی میں کھانا کھا سکتی تھی انہوں نے مجھے دلاسہ دیا اور پانی پینے کا کہا میں نے گلاس جوں ہی منہ کے ساتھ لگایا تو اس پانی سے عجیب قسم کی خوشبو آ رہی تھی ماں جی نے اسے میرا وہم قرار دیا لیکن پاس ہی کھڑی میری کزن نے پانی پیا تو اس نے بھی اس بات کا اعتراف کیا۔ اور رفتہ رفتہ سب لوگوں نے شہداء کے خون کی خوشبو کو محسوس کیا اگلے کئی دنوں تک اس ندی کے پانی کو شہیدوں کے لہو کی خوشبو نے مہکائے رکھا۔ شام کے وقت میں پرنم آنکھیں اور غمگین دل لئے چھت پر گئی مغرب کا وقت گذر چکا تھا لوگ اشکوں کے پھول شہداء پر نچھاور کر کے گھروں کو لوٹ گئے تھے تین شہید عاصم بھائی شہیدؒ، بشارت بھائی شہیدؒ اور ضرار بھائی شہیدؒ فردوس بریں کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ سہیل بھائی شہیدؒ اور کمانڈو بھائی شہیدؒ کی میتیں ابھی تک باغ میں ہی میں رکھی ہوئی تھیں گزشتہ رات ان کا آنا ہنسنا مسکرانا یاد آ کر دل تڑپا رہا تھا وہ ہنستے مسکراتے چہرے آج بالکل خاموش نظر آ رہے تھے میں سوچ رہی تھی میرے یہ غریب الوطن بھائی نہ جانے کس ماں کے جگر کے ٹکڑے ہیں مجاہدین جب ان کی شہادت کی اطلاع دینے جائیں گے تو وہ ضرور سوچیں گی کہ اس پردیس میں ان کے بیٹوں کا کفن دفن بھی ہوا ہوگا کہ نہیں؟ ان کی لاش پر کوئی آنسو بہانے والا ہوگا کہ نہیں؟ ان کو قبر نصیب ہوئی ہوگی کہ نہیں؟ مگر کاش ان سعادتمند ماؤں کو معلوم ہو کہ ان کے نورِ نظر کی تدفین کس شان اور اعزاز کے ساتھ ہوئی۔ ان کی قبریں کئی دنوں تک پھولوں سے لدی ہوئی تھیں انہی خیالوں میں گم اچانک میں نے محسوس کیا کہ شہیدوں کے چہروں سے عجیب طرح کی روشنی اوپر اٹھتی جا رہی ہے کمانڈو بھائی تو یوں چمک رہے تھے گویا چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ ان کا جسم گرنیڈ یا گولا لگنے کی وجہ سے چھلنی ہو کر بکھر گیا تھا اس لئے انھیں ایک کپڑے کے ساتھ لپیٹ کر باندھ دیا گیا تھا۔ البتہ چہرے پر خراش بھی نہیں آئی تھی اور ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا پہلے میں سمجھ ہی نہ پائی کہ یہ روشنی کیسی ہے میں گرد و پیش سے بے خبر ان پرنور چہروں کو تکے جا رہی تھی جو چند لمحوں کے بعد ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا یہ تو نور کی کرنیں ہیں جو حق پر جان لٹانے والوں کے چہروں سے پھوٹ رہی ہیں شہیدوں کے بارے میں کرامات کا پڑھا اور سنا

ضرور تھا مگر اس دن میں کھلی آنکھوں سے اس حقیقت کو دیکھ رہی تھی مجھے پہلے ہی جہاد اور مجاہدین سے محبت تھی لیکن اس واقعے نے میری زندگی بدل کے رکھ دی۔

وہ شہید بظاہر تو میرے کچھ بھی نہیں لگتے تھے لیکن ان کے ساتھ میرا دینی رشتہ تھا۔ وہ ہمارے لئے اپنی محبت کرنے والی بہنوں کو چھوڑ کر آ گئے تھے اس وجہ سے وہ مجھے اپنے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز تھے۔ بھائیوں سے بڑھ کر اس لئے کہ وہ مجاہد تھے۔ اور ان کی کرامت دیکھ کر انہیں نور میں ڈوبا ہوا دیکھ کر میری حالت عجیب ہو رہی تھی آنسو شدت سے بہہ رہے تھے اور میرا دل کہہ رہا تھا میرے بھائیو! آپ کو یہ عظیم رتبہ مبارک ہو سہیل بھائی، کمانڈو بھائی حشر کے دن مجھے یاد رکھنا کبھی سخت سرد راتوں میں اور کبھی خوف و دہشت بھری شاموں میں میں نے آپ کو کھانا کھلایا ہوگا آپ پیاسے تھے تو پانی پلایا ہوگا جب آپ جنت میں جا رہے ہوں تو اپنی اس بہن کی سفارش کرنا۔ میں اس وقت تک ان روشن ستاروں کو تکتی رہی جب تک وہ اپنے مرقد میں جا سوئے رات کو ماں جی کے اصرار پر کھانے کا پہلا نوالہ منہ میں ڈالا تو اسے نگلنا ہی بھول گئی میرا منہ خوشبو سے بھر گیا وہی اجنبی سی خوشبو جو بلاشبہ شہداء کے خون سے آ رہی تھی میں نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بابا نے مجھے ڈانٹ پلائی اور بولے کہ وہ لوگ تو شہادت کی تمنا میں اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر ادھر آتے ہیں اور آپ نے ماتم ہی شروع کر دیا لیکن مجھ پہ گریہ طاری ہوا اور کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

بشارت بھائی شہیدؒ سرینگر کے علاقہ بٹہ مالو کے رہنے والے تھے۔ وہ بھی ادھر ہی دفنائے گئے تھے تیسرے دن ان کے لواحقین انہیں لینے کے لئے آئے۔ شہداء کی قبریں پھولوں کی پتیوں سے لدی ہوئی تھیں۔ مقامی لوگوں کا خلوص و محبت دیکھ کر وہ بولے اگر شہید کی والدہ کا اصرار نہ ہوتا تو ہم اپنے شہید کو ادھر ہی رہنے دیتے۔ نماز ظہر کے بعد امام صاحب کی موجودگی میں قبر کو کھولا گیا۔ اس موقع پر پورا گاؤں جمع ہو گیا تھا شہید کو قبر سے باہر نکالا گیا تو کفن سے خون بہہ رہا تھا چار دن گذر جانے کے بعد بھی شہید کا جسم تر و تازہ اور مہکا تھا حالانکہ وہ گرمیوں کے دن تھے 1999ء، جون کا مہینہ تھا۔

جہاد کے منکر لوگ ذرا سوچیں کہ ایک انسان کے جسم میں کتنا خون ہوتا ہے اور گولیوں سے

چھلنی جسم میں کتنی دیر تک خون باقی رہ سکتا ہے کہ چوتھے روز بھی شہید کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ جہاد کی حقانیت کی گواہی دے رہا تھا شہید کے اوپر دوسرا کفن ڈالا گیا تو وہ بھی وفا کے رنگ میں رنگ گیا۔اس کرامت کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں شہید کے لواحقین نے قبر کے پھول بطور نشانی کے ساتھ رکھ لئے اور لوگوں نے انہیں اشکبار آنکھوں اور فلک شگاف نعروں کے ساتھ رخصت کر دیا۔

وہ لوگ جنہوں نے خوں دے کر پھولوں کو رنگت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

اور زندگی بدل گئی

ذیشان بھائی شہیدؒ والے گروپ کی شہادت نے میرے خیالات کی دنیا میں ہلچل مچا دی تھی۔ میں اکثر پاکستانی مجاہدین کے بارے میں سوچتی تھی انہیں کس چیز نے اپنے وطن اور گھروں سے دور اس دیار غیر میں جان دینے پر مجبور کر دیا اس وقت میں جہادِ کشمیر کو صرف اپنی آزادی کی جنگ سمجھ رہی تھی اور کشمیری نوجوانوں کی جدوجہد اور قربانیوں کو بھی اسی تناظر میں لے رہی تھی پھر کچھ عرصہ بعد مجھے جہاد کے موضوع پر لکھی ہوئی دو کتابیں مل گئیں جن میں ایک ''مجاہد کی اذاں'' اور دوسری ''میدان پکارتے ہیں'' تھیں کتابیں مجھے جس وقت ملیں ان دنوں میں B.A کے امتحانات کی تیاری کر رہی تھی پڑھائی کے سوا مجھے کوئی کام نہ ہوتا تھا اور میں سارا دن اپنے کمرے میں کتابوں کا دفتر کھول کر بیٹھی رہتی تھی۔ ڈاکٹر عبداللہ عزام شہیدؒ کی کتاب ''میدان پکارتے ہیں'' افغانستان میں روس کے خلاف جہاد پر لکھی جانے والی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ میں نے اس کو جب پڑھنا شروع کیا تو اس میں ڈوب کر رہ گئی۔ پڑھتے پڑھتے میری آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں لگ جاتیں اور میں تصور میں افغانستان کے کوہساروں اور صحراؤں میں لڑنے والے مجاہدوں اور غازیوں کو شجاعت و بہادری کی مثالیں قائم کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے جہاد اور قتال کا مطلب سمجھ میں آیا اور یہ بھی کہ مجاہدین سات سمندر پار سے کس لئے ادھر آتے ہیں میں نے وہ کتاب کئی بار بلکہ بار بار پڑھی، امی جان پڑھی لکھی نہیں تھیں وہ کمرے کا دروازہ کھول کر مجھے کتاب میں منہمک دیکھ کر خوش ہو جاتی تھی کہ میں امتحان کے لئے خوب محنت کر رہی ہوں، انہیں کیا معلوم تھا کہ میں کون سا سبق پڑھ رہی ہوں۔ ایک ایسا سبق جس سے قوموں کی حالت سنور جاتی ہے اور ایک ایسا سبق جو پستیوں سے بلندیوں کی طرف جانے کا درس دیتا ہے اس سبق کے پیچھے مجھے اپنا نصاب بھول ہی گیا۔ میں نے کوئی تیاری نہیں کی کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ میں نے خود کو جہاد اور

مجاہدین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جب میرا رزلٹ آیا تو گھر والے حیران رہ گئے کہ اول سے لے کر اس دن تک ہمیشہ اچھے نمبروں میں پاس ہونے والی لڑکی آج ناکام کیسے ہوگئی، میں تین کتابوں میں فیل ہوگئی تھی اور میں جانتی تھی کہ اس مرتبہ ایسا ہی ہوگا۔ گھر والوں نے پڑھائی جاری رکھنے کے لئے مجھ پر شدید دباؤ ڈالا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا انڈین آرمی کے ظلم وستم نے زندگی ویسے بھی اجیرن بنادی تھی پھر بھائی سہیل پربت شہیدؒ کی شہادت پر شہداء کی کرامت اور معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد میری دنیا ہی بدل گئی۔ اب مجھ پر ہر وقت یہ دھن سوار رہتی تھی کہ میں بھی اللہ کی راہ میں جان دے کر سرخرو ہو جاؤں میں ہر وقت اپنی بہنوں اور ماں جی کو افغانستان کے شہیدوں کے واقعات سنایا کرتی تھی اور ان کے سامنے شہید ہونے کی تمنا کا اظہار کرتی رہتی تھی۔

معاذؓ اور معوذؓ کے جانشین

انڈین آرمی کا خیال تھا کہ شہیدوں کے کٹے پھٹے لاشے دیکھ کر لوگ خوفزدہ ہو کر جہاد اور مجاہدین سے دور بھاگیں گے ہندوؤں نے لوگوں کے جذبات مجروح کرنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے کے لئے کئی گھناؤنے حربے بھی استعمال کئے لیکن کشمیری مسلمانوں کے جوش و جذبے میں کوئی کمی نہ آئی۔

ایک بار بھارتی درندوں نے جنگل میں کچھ مجاہدین شہید کر دیئے شہادت کے بعد غیر مہذب ہندوؤں نے انہیں مادر زاد برہنہ کر کے گھسیٹنا شروع کر دیا کیونکہ ان شیروں نے جھڑپ کے دوران انڈین فوج کے درجنوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اس لئے کافروں نے انتقاماً ایسا کیا۔ مقامی لوگوں کو انہوں نے بطور ڈھال ساتھ رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وحشی درندوں کی منتیں کیں کہ ہم شہیدوں کو خود اٹھا کر نیچے لے آئیں گے تم لوگ ان کی نعشوں کی بے حرمتی کیوں کرتے ہو؟ اس ہمدردی پر انسانیت سے عاری انڈین فوج ان پر تشدد کرتی۔ وہ اسی حالت میں شہداء کو جنگل سے نیچے لے آئے پھر مقامی لوگوں کو اپنی درندگی کے وہ شرمناک مناظر دیکھنے پر مجبور کرتے خصوصاً عورتوں کو، وہ ہم پر فقرے کستے اور طعنے دیتے تھے کہ یہ دیکھو ہم نے تمہارے مجاہدوں کا کیا حال کر دیا؟ کیا ملا ان کو اپنی جانیں گنوا کر؟ وہ دل و جگر چھلنی کرنے والا اذیت ناک منظر تھا۔ ہم لوگ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو رہے تھے اور سیکولر بھارت کے ظالم فوجی قہقہے بلند کر رہے تھے۔ اس دن بھی میں بہت روئی میں نے مجاہدین کے نام یہ پیغام بھیجا کہ خدا کے لئے مجھے بارود باندھ کر کسی کیمپ میں بھیج دیں۔ انڈین کتوں سے شہیدوں کی بے حرمتی کا بدلہ لوں گی کافی ساری لڑکیوں کے یہی جذبات تھے کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

انڈین آرمی اس طرح کے گھٹیا اور گھناؤنے ہتھکنڈے آزما کر ہمیں خوفزدہ اور مایوس کرنا

چاہتی تھی لیکن ان کے یہ مظالم جلتی پر تیل کا کام کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دے کر مومن کو کیا ملتا ہے یہ بات بنیے کو سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے برابر تھا۔ البتہ علاقے کے نوجوانوں نے عملی طور پر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو کر اسے یہ باور کرایا کہ

تو اپنے تیرو تفنگ آزما میرے دشمن
مگر یہ سن لے میرا حوصلہ نہ ٹوٹے گا
ہر شہید کے بعد آئے گا ایک اور شہید
شہادتوں کا یہ حسین سلسلہ نہ ٹوٹے گا

شہداء کے نقش پا کو نشان منزل بنانے والوں میں ایک نام ''زاہد'' بھائی کا بھی تھا اس کمسن مجاہد کی عمر اس وقت صرف تیرہ یا چودہ برس تھی اس کے والد صاحب میرے ماموں زاد بھائی تھے اس لحاظ سے زاہد میرا بھتیجا لگتا تھا۔ زاہد کی کوئی بہن نہیں تھی اس لئے وہ مجھے دیدی کہہ کر پکارتا تھا۔ کشمیر میں دیدی بہن کو کہا جاتا ہے زاہد کا تعلق اچھے خاصے امیر گھر سے تھا دونوں بڑے بھائی اچھے عہدوں پر سرکاری ملازمت کرتے تھے اس لحاظ سے گھر میں روپیہ پیسہ کی ریل پیل تھی۔ لیکن زاہد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا تھا۔ میرا چھوٹا بھائی راشد اور وہ ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے دونوں ہم عمر ہونے کے علاوہ اچھے دوست بھی تھے۔ میں ان دونوں کا ہر وقت جہاد میں نکلنے کے لئے ذہن بناتی رہتی تھی۔ زاہد کا معصومانہ جواب مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے وہ کہا کرتا تھا جائیں گے دیدی ذرا اور بڑے ہو جائیں، وہ بہت شریر ہوا کرتا تھا سہیل بھائی کی شہادت کے بعد اس میں بہت تبدیلی آئی۔ دونوں دوست فارغ وقت مسجد میں گذارنے لگے اور پابندی کے ساتھ نماز اور تلاوت کا اہتمام کرنے لگے۔ ایک دن میں نے اس کو پرکھنے کے لئے کہا زاہد! آپ نے دیکھا کمانڈو بھائی کا کیا حال ہوا تھا مجھے تو بڑا خوف آیا۔ وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگا کہ دن رات ہمیں جہاد اور شہادت کی فضیلتیں سنانے والی اس قدر بزدل ہے۔ پھر کہنے لگا ارے دیدی! آپ اس بات سے گھبرا گئیں اس چیز سے تو شہید کا اجر دوگنا

ہو جاتا ہے اور مزہ تو اس شہادت کا ہے کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں پھر اس نے شہادت کے حوالے سے ایسے دلائل دیئے کہ میں حیران رہ گئی۔ دراصل مجاہدین مقامی لوگوں کو جہاد کی دعوت کے ساتھ ساتھ شہید کے فضائل اور انعامات کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ اور زاہد نے وہ سب باتیں اپنے دل میں اتار لی تھیں شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی لمبی لمبی سرگیں آنکھوں میں عجیب چمک آ گئی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ننھے سے زاہد نے جہاد اور قتال کو صحیح معنوں میں سمجھ لیا ہے۔ زاہد اور راشد اکٹھے جہاد پر نکلنے کا ارادہ رکھتے تھے ان ہی دنوں راشد کا ایک خطرناک موٹر سائیکل ایکسیڈنٹ ہو گیا اس کی ٹانگ بری طرح فریکچر ہوئی اور گردن کی ہڈی پر بھی سخت چوٹ لگی راشد چار پانچ ماہ کے لئے بیڈ کی نذر ہو گیا البتہ زاہد تھوڑا اور بڑا ہونے کا انتظار کئے بغیر راہ وفا کا راہی بن گیا۔ غازی بابا کے ٹریننگ کیمپ میں اس کی تربیت جاری تھی۔ غازی بابا پتھروں سے ہیرے تراشنے کا ہنر جانتے تھے۔ اور وہ بندے کو دیکھ کر ہی اس کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ انہیں اس ہیرے کی پہچان ہو گئی تھی اسے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ لڑکا اس علاقے کا مستقبل بنے گا، انہوں نے کچھ عرصہ میں اس ہیرے کو خوب تراشا۔ تین ماہ بعد جب وہ تربیت مکمل کر کے ہمارے گھر آیا تو ہمیں اُسے پہچاننے میں دشواری ہوئی۔ وہ چھوٹا سا نٹ کھٹ اور شریر سا لڑکا مجاہدانہ حلیے میں بہت پیارا اور سلجھا ہوا لگتا تھا۔ اس ننھے مجاہد نے کئی انفرادی اور مشترکہ کارروائیوں میں حصہ لیا۔ انفرادی کارروائیوں میں اس نے کئی کامیاب مائن بلاسٹ کئے۔ اس کے علاوہ گاندربل کے علاقہ کرہامہ میں ایک زیارت پر میلہ لگا ہوا تھا۔ میلے میں کچھ اخوانی بھی شامل تھے گاندربل سے تعلق رکھنے والے ایک اخوانی کی غازی بابا کو ایک عرصے سے تلاش تھی لیکن وہ غدار زیادہ تر انڈین آرمی کے کیمپ میں ہی رہتا تھا البتہ ان دنوں وہ بھی میلے میں آیا ہوا تھا۔ غازی بابا اس کارروائی کے لئے ساتھیوں کا انتخاب کر رہے تھے زاہد نے خود کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ یہ کارروائی اکیلے ہی کرے گا۔ غازی بابا اس کمسن مجاہد کی جرأت پر خوش ہوئے مگر اسے اجازت نہ دی کیونکہ زاہد ان کی نظروں میں بہت اہم تھا اس لئے وہ اسے کسی خاص وقت اور مقصد کے لئے بچا کر رکھنا چاہتے تھے زاہد تو تھا ہی بچہ

اس نے بچوں والی ضد کر کے اپنے استاد سے ضد منوا ہی لی تیسرے اور آخری دن میلہ عروج پر تھا زاہد بھی ایک بچے کی طرح خوب ''انجوائے'' کر رہا تھا کبھی پٹاخے چھوڑ رہا تھا تو کبھی غبارے اُڑا رہا تھا اس شرارتی بچے پر بھلا کس کو شک ہو سکتا تھا؟ شام کے وقت اخوان کے شرابی کبابی آخری خوشی کے طور پر ناچنے لگے زاہد اچھلتا ہوا اپنے شکار کے قریب آ گیا اور کپڑوں کے اندر سے پسٹل نکال کر اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا شیطان کا چیلہ اپنے انجام کو پہنچ گیا اور ننھا مجاہد بحفاظت اپنے ساتھیوں سے جا ملا اس کامیاب کارروائی پر غازی بابا بہت خوش ہوئے، زاہد کو جہاد میں آئے ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا اس کی صلاحیتوں کے جوہر نکھر کر سامنے آ رہے تھے وہ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے اپنے استاد کی آنکھ کا تارہ بن گیا تھا مگر ادھر حوروں کو بھی اس کی ادائیں بہت بھا گئی تھیں اور شاید انہوں نے اُسے اپنے پاس بلائے جانے کی درخواست دے دی تھی۔

ایک رات مجاہدین کا ایک قافلہ کرش ٹاپ کے راستے اجس بازی پورہ کی طرف جا رہا تھا۔ غازی بابا نے ساتھیوں کو تاکیداً کہا کہ اس پہاڑ پر ہرگز پڑاؤ مت کرنا زیادہ تھکاوٹ کی صورت میں ذرا سا ستا لینا لیکن راتوں رات اگلی منزل پر پہنچنے کی کوشش کرنا اس گروپ میں زاہد اور اس کا ہم عمر پاکستانی ساتھی صلاح الدین بھی شامل تھے ساتھی تقسیم ہو کر سفر کرنے لگے زاہد اور صلاح الدین ہمیشہ کی طرح ایک ساتھ رہے۔ آدھی رات بیت چکی تھی وہ دونوں ایک غار میں آرام کی غرض سے چلے گئے تھکاوٹ کی وجہ سے فوراً نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ جب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی غار کے باہر ٹھنڈے پانی کا نالہ بہہ رہا تھا انہوں نے وضو کر کے نماز ادا کی اس دوران چیوا کی مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر کریک ڈاؤن کا اعلان ہوا۔ انہوں نے یہ سوچ کر آگے کا سفر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ نہ جانے جنگل میں کہاں کہاں آرمی ہو کیونکہ اکثر وہ محاصرے جنگل کی طرف سے بھی کرتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ حالات کا جائزہ لینے غار سے باہر نکلے تو انہیں بستی سے فوجی گاڑیوں کے قافلے واپس جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ دونوں ادھر ہی پتھروں پر بیٹھ گئے اسی دوران پہاڑ کی طرف گھیرے پر مامور فوجی بھی واپس جا رہے تھے دونوں مجاہد یہ

سوچ کر غار کے اندر چلے گئے کہ دشمن نے انہیں نہیں دیکھا ہے لیکن انڈین آرمی والے انہیں دیکھ چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں فوجی قافلے واپس پلٹ آئے اور غار کا محاصرہ کر لیا۔ ہیڈ کوارٹر میں شرما نام کا ایک افسر ہوتا تھا۔ اس نے بار بار لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مجاہدین کو اسلحہ پھینکنے کا کہا لیکن معاذؓ اور معوذؓ کے جانشینوں نے کفر کے آگے جھکنے سے صاف انکار کر دیا اور گولی کی زبان میں جواب دیا۔ بھارتی فوج کے سینکڑوں سپاہی ان دو کمسن مجاہدوں پر گولے برسا رہے تھے۔ اسلام کے یہ قابل فخر سپوت بھی آخری گولی تک لڑتے رہے اور پھر آسمان کے فرشتے ان معصوم شہیدوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر سوئے جنت لے چلے انکا جسم زخم زخم تھا لیکن چہروں سے اطمینان ٹپک رہا تھا کیونکہ جنت کی حوریں اپنے نرم ملائم ہاتھوں سے ان کے زخموں پر مرہم رکھ رہی تھیں جب لاشیں عمارت سے باہر لائی گئیں تو مکار افسر دانتوں تلے انگلی دبا کر بولا بھگوان کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ اتنے چھوٹے بچے ہیں تو میں انھیں زندہ گرفتار کرتا، ہندو کی موٹی عقل میں یہ بات تو نہ آئی کہ اگر وہ گرفتار ہونے والے ہوتے تو مقابلہ ہی کیوں کرتے البتہ ان کی شجاعت اور بہادری نے اسے یہ سبق ضرور دیا کہ جس قوم کے بچے جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہوں اسے تم کبھی شکست نہیں دے سکتے۔ جب ان کی نعشیں چیوا میں لائی گئیں تو ایک بار پھر کہرام مچ گیا یہ دونوں شہید سہیل بھائی شہیدؒ کے پہلو میں دفنائے گئے غازی بابا کو زاہد کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا انہوں نے اس کے لئے یہ شعر پڑھا۔

تعجب کیا جو ان بچوں کو بھی شوق شہادت ہے
یہ بچے ہیں انہیں کچھ جلد سو جانے کی عادت ہے

ایک اہم اور نازک فیصلہ

غازی بابا کی زندگی میں کئی بڑے بڑے کٹھن اور سخت مراحل آئے بلکہ انکی زندگی کا طویل حصہ مشکلوں اور سختیوں میں ہی گذرا مگر 2000ء میں جب جیش محمد ﷺ بن گئی اس وقت تنظیم کی تبدیلی کا مرحلہ ان کے لئے سب سے نازک مرحلہ اور کٹھن مرحلہ تھا ظاہر ہے وہ اس وقت وادی کے اندر سینکڑوں مسلح مجاہدین کے چیف کمانڈر تھے۔ کسی بھی قسم کی غلط فہمی یا جلد بازی کسی بہت بڑے حادثے کو جنم دے سکتی تھی اور مجاہدین کے درمیان انتشار کا سبب بن سکتی تھی۔ انہوں نے بیس کیمپ میں ذمہ داروں سے رابطہ کر کے یہ کہا کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ تمام ساتھیوں سے مشورہ کر کے اور انہیں اعتماد میں لے کر آگے قدم بڑھاؤں گا۔

اس نازک صورتحال میں غازی بابا نے اپنے تمام ڈسٹرکٹ اور تحصیل کمانڈروں کے نام ایک ایک تفصیلی خط لکھ دیا جس میں تمام کمانڈروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے پاس موجود تمام ساتھیوں کے ساتھ نئی صورتحال کے حوالے سے مکمل اور تفصیلی مشورہ کر کے جواب دیں کہ وہ سابقہ تنظیم میں رہنا چاہتے ہیں یا جیش محمد ﷺ میں شمولیت اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ یہ خط تمام جگہوں پر پہنچے خطوط کے جوابات پہنچتے پہنچتے تقریباً بیس دن لگ گئے اس دوران غازی بابا نے اپنی ذات کے حوالے سے فیصلہ کرنے سے پہلے چند سوالات کئے۔

1. وادی میں ہمارا جو موجودہ سیٹ اپ ہے اس کو مزید آگے بڑھانے کے لئے دونوں تنظیموں میں سے کون سی تنظیم بہتر وسائل مہیا کر سکتی ہے؟
2. قدیم اور جدید تنظیموں میں کس کے قائدین کی باہم ہم آہنگی اور پیار محبت زیادہ ہے؟
3. علماء کی سرپرستی کس طرف زیادہ ہے؟

بیس کیمپ سے لانچنگ کمانڈر مفتی اصغر خان صاحب نے ان کے سوالات کے تسلی بخش

جواب دیئے اور کہا کہ سیٹ اپ کو اچھے انداز میں جیش ہی چلا سکتی ہے اور قیادت میں ہم آہنگی کے حوالے سے بھی جیش محمد ﷺ سابقہ تنظیم سے کہیں آگے ہے اور جہاں تک علماء کی سرپرستی کا سوال ہے تو جیش کا اعلان ہی اکابر علماء نے کیا ہے۔ اسی دوران ڈسٹرکٹ ذمہ داروں کے جوابات بھی موصول ہوئے جن میں اکثر ساتھیوں نے وضاحت کے ساتھ جیش کے حق میں فیصلہ سنایا اور بعض نے ان پر فیصلہ چھوڑا کہ آپ فیصلہ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس مشاورت میں تقریباً بیس دن لگ گئے اس کے بعد انہوں نے ساتھیوں سمیت جیش محمد ﷺ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

جیش کا پرچم امام المجاہدین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تھام لیا

ہمارا ایک پڑوسی مجاہدین کا خاص ہمدرد تھا۔ پیشے سے درزی تھا اس لئے مجاہدین کے کپڑے پاؤچ اور جیکٹس وغیرہ بھی سی لیتا تھا۔ کافروں کو اس کی سرگرمیوں کا علم تھا اس لئے وہ اکثر ان کے زیرِ عتاب رہتا تھا۔ غازی بابا کے ساتھ اس کے قریبی مراسم تھے۔ مہینے میں دوبار قید میں رہ کر اور انڈین آرمی کا بے پناہ تشدد سہنے کے بعد بھی اس کے خلوص ومحبت میں کمی نہیں آتی تھی۔ اعجاز بھائی میرے بابا کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ہمارے گھر میں آئے اور موجودہ حالات پر بابا کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے کہا کافروں نے مجھے بہت تنگ کیا تو ایک رات میں غمگین اور پریشان سوچ رہا تھا کہ یا اللہ میں کیا کروں مجاہدین کا ساتھ دینا ہمارا فرض ہے ادھر کافروں نے جینا مشکل کر دیا ہے کئی کئی دن قید میں رہتا ہوں تو پیچھے بچوں کی روزی روٹی کا بھی مسئلہ بن جاتا ہے اس پریشانی میں میں سو گیا خواب میں دیکھا ایک پر نور چہرے والے بزرگ ہاتھ میں پرچم لئے چل رہے ہیں ان کے پیچھے ساجد جہادی جا رہے تھے اور استاد جہادی کے پیچھے نوجوانوں کی ایک جماعت چل رہی تھی۔ میں نے کسی سے سوال کیا یہ کون صاحب ہیں جواب ملا یہ استاد جہادی ہیں میں نے کہا انہیں تو میں جانتا ہوں جن کے ہاتھ میں پرچم ہے میں ان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ جواب ملا آپ انہیں نہیں پہچانتے یہ تو ہمارے نبی اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ جس دن سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کے بعد میں کافروں کے ظلم وستم کی پرواہ کئے بغیر مجاہدین سے تعاون کر رہا ہوں، بے شک میری جان بھی جائے لیکن میں استاد جہادی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گا۔

ان ہی دنوں صفا پورہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا آرمی ہیڈ کوارٹر کے قریب ہی ایک اللہ والے کا گھر تھا۔ بھارتی فوج نے ہر طرف خوف وہراس پھیلا رکھا تھا لیکن وہ کیمپ کے قریب رہتے ہوئے بھی ہر قسم کے خوف وڈر سے بے نیاز ہو کر مجاہدین کی خدمت کرتا تھا، وہ دیوانوں کی

طرح مجاہدین کے قدم چومتا تھا، غازی بابا اس سے اکثر اس دیوانگی والی محبت کی وجہ پوچھتے تھے لیکن وہ مسکرا کے ایک ہی جواب دیتا کہ اللہ نے آپ لوگوں کی خدمت کے عوض مجھے جو سعادت بخشی ہے وہ شاید آپ کو بھی نہ ملی ہوگی۔ ایک دفعہ شدید سردیوں کے دن تھے مجاہدین رات کے وقت اس کے گھر گئے۔ دونوں میاں بیوی فوراً اٹھے اور باوضو ہونے کے بعد مجاہدین کے لئے کھانا تیار کیا یہ عقیدت واحترام دیکھ کر غازی بابا نے پوچھا یار! آج بتا ہی دیں آخر آپ کو کیا سعادت ملی ہے؟ ان کے اصرار پر وہ بولے میرے خواب میں حضور ﷺ آئے اور ارشاد فرمایا جن لوگوں کی تم خدمت کر رہے ہو وہ اللہ کے پیارے اور محبوب بندے ہیں اسی کام میں لگے رہو تمہارے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے اس خواب کے بعد میں نے یا میری اہلیہ نے آپ لوگوں کو بغیر وضو کے کوئی چیز نہیں کھلائی۔ اس بات سے جہاد اور مجاہدین کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جس کی بدولت ایک عام انسان کو دیدار نبی ﷺ جیسی عظیم سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیش محمد ﷺ کے معرض وجود میں آتے ہی اس لشکر کا پرچم میرے نبی ﷺ نے تھام لیا۔ اس لئے کفر کے بے شمار حربوں کے باوجود یہ لشکر قائم دائم رہے گا انشاء اللہ اور قیامت تک امت مسلمہ کو عظمت وغیرت کا درس دیتا رہے گا۔

جہاد کشمیر میں اکثر مجاہدین کے ساتھ ایسے ایمان افروز واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور نصرت خداوندی کے بے شمار واقعات جہاد کشمیر کو غزوہ ہند ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ریچھ اور مجاہدین

کرش پہاڑی پر ایک مشکل اور دشوار جگہ پر ایک بڑا غار تھا اس کے چاروں طرف کھڑی کھڑی اور نوکیلی چٹانیں تھیں ۔ انتہائی دشوار گذار ہونے کے باوجود بھی غازی بابا اور انکے شاہینوں نے اس کے اندر پڑاؤ ڈالا ۔ جب رات ہوئی تو ایک موٹا تازہ ریچھ غار میں داخل ہوا ریچھ صاحب حیران و پریشان رہ گئے کہ میرے گھر پر کون لوگ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں مجاہدین نے ریچھ کو دیکھتے ہی گنیں سنبھال لیں ۔ غازی بابا نے انہیں فائر کرنے سے روک دیا کیونکہ کشمیر کے جنگلوں میں خوفناک قسم کے درندے ہونے کے باوجود کبھی بھی کسی درندے نے مجاہدین کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ کئی موقعوں پر ان کی مدد کرتے رہے ۔

ریچھ چند لمحے مجاہدین کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کے مہمان ہیں اور خاموشی سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا ۔ غازی بابا نے ساتھیوں سے کہا یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا اس لئے اپنی گنیں رکھ کر آرام سے سو جاؤ ریچھ بھی اپنی جگہ پر سویا رہا اور صبح اٹھ کر ان کے ساتھ بغیر کوئی تعرض کئے چل دیا ۔ رات کو وہ پھر واپس آیا اور گذشتہ رات کی طرح آرام سے مجاہدین کے ساتھ سویا رہا وہ غار اصل میں اس کا مسکن تھا مجاہدین نے وہاں راشن اور بستر وغیرہ لا کر وہاں محفوظ ہائیڈ بنالی ۔ ریچھ کے اندھیرے گھر میں ایک عرصہ رونقیں لگی رہیں مجاہدین نظمیں پڑھتے یا تلاوت کرتے رہتے وہ ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے سن رہا ہوتا تھا ۔ گویا وہ بھی ان کی زبان سمجھ رہا ہو، ایک صبح وہ حسب معمول اپنے شکار کی تلاش میں چلا گیا اس وقت غازی بابا چار ساتھیوں کے ہمراہ غار کے اندر موجود تھے صبح دس بجے کا وقت تھا انڈین آرمی کی ایک گشتی پارٹی جنگل کی طرف نکل گئی مجاہدین غار کے باہر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے آرمی کو اوپر کی طرف آتے دیکھ لیا لیکن وہ نالے کی دوسری طرف سے آرہے تھے وہ صرف بیس فوجی تھے جنہیں موت اس طرف لے آئی تھی مجاہدین بلندی پر تھے اور بھارتی فوجی ان کے لئے تر نوالے کی مانند

سامنے پڑے ہوئے تھے اس لئے مجاہدین نے انہیں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا انہوں نے تاک کر دشمن کا نشانہ لیا پھر ایک ساتھ کلاشنکوف کے برسٹ فائر کئے پہلے ہی حملے میں کئی فوجی ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔ بھارتی فوجیوں کو بھاگنے کے لئے راستہ نہیں مل رہا تھا کیونکہ پہاڑی راستے کافی تنگ ہوتے ہیں مجاہدین نے چن چن کر انہیں قتل کر دیا فائرنگ کی آواز سے پورا علاقہ گونج رہا تھا چونکہ ہیڈ کوارٹر زیادہ دور نہ تھا اس لئے دس منٹ کے اندر اندر کئی آرمی گاڑیاں آ گئیں اور جنگل کا محاصرہ کر لیا تھوڑی دیر بعد دوبارہ معرکہ کارزار گرم ہوا دھماکوں کی گھن گرج سے در و دیوار ہل رہے تھے علاقے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ غار کے اندر غازی بابا محصور ہو گئے ہیں اس وقت ہمارے محلے کا ایک نوجوان شبیر احمد عرف شاہجہان بھائی بھی غار میں موجود تھے اب ہر طرف دعائیں نوافل اور منتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کوئی کہہ رہا تھا یا اللہ! مجاہدین کو بچا لے میں مسجد کے لئے اتنے پیسے دوں گا کوئی کہہ رہا تھا یا اللہ! مجاہدین کی حفاظت فرما میں اس کے بدلے ''کنگر از صاحب'' کی زیارت پر چاول بانٹوں گا، ایس ٹی ایف کا ایک افسر چیوا کے لوگوں سے بہت دشمنی رکھتا تھا وہ ہر جگہ کہا کرتا تھا کہ جب مجاہد کہیں پھنس جاتے ہیں تو چیوا کی مسجدوں کی پیٹیاں بھر جاتی ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ وہاں کے لوگ مجاہدین کی حفاظت کے لئے ایسے موقعوں پر خوب منتیں مانتے تھے۔

حق و باطل کے مابین گھمسان کی جنگ جاری تھی اور میرے دل پر غیر اختیاری طور پر غم واندوہ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی میں اپنے گھر کی چھت پر پہاڑ کے اوپر سے اٹھنے والا دھواں اور گرد و غبار دیکھ رہی تھی۔ جو بھارتی فوج کی شیلنگ اور گولوں کے پھٹنے سے اٹھ رہا تھا میں سوچ رہی تھی کہ لوگوں نے منتیں مانی ہیں میں کوئی ایسی منت مانوں جوان سب سے اہم ہو، کاش! اللہ میری جان کے بدلے مجاہدین کی جانیں بچا لے کیونکہ ان کی جانیں ہماری طرح کی ہزار جانوں سے قیمتی ہیں پھر میں نے ایک نرالی منت مانی یا اللہ! میں اپنے خون کی منت مان رہی ہوں میں اپنا خون نکال کر آپ کے راستے میں دے دوں گی تو مجاہدین کی حفاظت فرما اور انہیں خراش تک نہ آئے۔

شاید کوئی سننے والا یا پڑھنے والا اس چیز کو میرا پاگل پن کہے گا لیکن مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں عار نہیں کہ میں جہاد کی محبت میں دیوانی ہو گئی تھی اور پھر یہی دیوانگی میرا سرمایہ حیات بن گئی اور اسی نے مجھے اس سعادتوں والے راستے کا راہرو بنا دیا ورنہ میں نہ جانے کہاں دنیا کی رنگینیوں میں گم بلکہ ''گمراہ'' ہوتی۔

علاقے میں اداسی کی فضا بن گئی تھی لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر مجاہدین کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے، ادھر غار کے اندر گولیوں کی بارش میں مجاہدین کے قہقہے گونج رہے تھے اور وہ لیلائے شہادت کو گلے لگانے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے غازی بابا اپنے شیروں سے یوں مخاطب تھے۔

یہ عظمت باطل دھوکہ ہے یہ قوت کافر کچھ بھی نہیں
مٹی کے کھلونے ہیں سارے یہ کفر کے لشکر کچھ بھی نہیں

ساتھیو! یہ گائے کے بیٹے گائے کے پجاری ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم ان کی کثرت دیکھ کر پریشان نہ ہونا یہ ذرے ہیں جو طوفانوں کے آگے ٹھہرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اللہ کے بندو! ہمیں وہ جنت ملے گی جس میں حوریں ہیں اور ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے اللہ پاک قرآن مجید کی سورۃ محمد میں فرماتا ہے وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے غازی بابا غار کے دہانے پر پوزیشن لئے بیٹھے تھے ان کی چھوٹی سی ٹیپ ان کی جیب میں پڑی جہادی کے عزم واستقلال کی داستان اپنے سینے میں محفوظ کر رہی تھی۔ وہ دشمن پر فائر بھی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ ترنم کے ساتھ نظمیں اور اشعار پڑھ کر ساتھیوں کے جذبے گرما رہے تھے شبیر بھائی کو ان سے بہت محبت تھی بلکہ دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ وہ ان کی منتیں کر رہے تھے استاد جی! آپ پیچھے چلے جائیں ہم ان کافروں کو دیکھ لیں گے غازی بابا نے ساتھی کے اصرار کے جواب میں یہ نظم پڑھی۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سورج ان اسلام کے مجاہدوں کی جرأت و استقامت کو سلام کر کے دور افق پار چھپ گیا اور رات نے سیاہ چادر میں ہر شے کو چھپا لیا۔ انڈین آرمی نے غار کے دہانے پر چاروں طرف آگ کے الاؤ روشن کئے تا کہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر مجاہدین نکل نہ جائیں انہوں نے لائٹ مشین گن (L.M.G) کے ذریعے غار کے اوپر شدید فائرنگ کی غازی بابا اندر سے دھاڑ رہے تھے او کافرو ہم نہیں ڈرتے اس (L.M.G) سے تو کر کتنا فائر کرتا ہے۔ وہ لوگ زندگی اور موت کی فکر سے آزاد تھے کیونکہ ان کی موت دائمی زندگی کی نوید تھی چونکہ دن بھر جھڑپ جاری رہی تھی اس لئے رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ غار کے آخر میں آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسا سکون اور اطمینان بخشا تھا کہ میدانِ کارزار میں بھی انہیں نیند آ گئی خواب میں ایک پرنور چہرے والے بزرگ آئے اور ان سے کہا اٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ آپ لوگ بحفاظت نکل جاؤ گے وہ لوگ خود کو تھوڑی دیر کے مہمان سمجھ رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے نصرت کے دروازے کھول دیئے تھے جب ان کی آنکھ کھلی تو رات کا آدھا حصہ بیت چکا تھا دشمن کی گنیں بھی وقتی طور پر خاموش ہو چکی تھیں وہ خواب کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ کیا کرنا چاہیے کیونکہ وہ غار ایک دشوار گذار اور ڈھلوان جگہ پر تھا، جہاں سے نکلنا بظاہر بہت مشکل نظر آ رہا تھا اسی دوران ان کی نظر ایک چھوٹے سے کیڑے پر ٹھہر گئی اسے عرف عام میں جگنو کہا جاتا ہے وہ چمکتا ہوا کیڑا ان کے پاؤں کو چھو کر باہر کی طرف جاتا ہے پھر واپس آ کر دوبارہ ان کا پاؤں چھو لیتا ہے غازی بابا کو کئی موقعوں پر ایسے واقعات پیش آئے تھے وہ جگنو کو بغور دیکھ رہے تھے بالآخر وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے اور سچے خواب نے بھی راہنمائی کی ہے ساتھیوں سے مشورہ کر کے انہوں نے محاصرے سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا وہ کرالنگ کرتے ہوئے انڈین آرمی کے بیچ سے نکل گئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اندھا کر دیا۔ غار کے قریب ٹھنڈے یخ پانی کا چشمہ تھا وہ اس

کے بیچ سے کرالنگ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور سیدھا پٹن گام چیوا میں آئے اللہ کے فضل سے مجاہدین کو خراش تک نہ آئی اور بنیا بیس لاشوں کا تحفہ لئے اگلے دن رسوا ہو کر ہیڈ کوارٹر میں منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ چیوا میں آ کر مجاہدین نے کپڑے تبدیل کئے اور راتوں رات علاقے سے نکل گئے رات کے آخری پہر انہوں نے پہلی پورہ گاؤں کے ایک دروازے پر دستک دی دروازہ کھلا تو اندر ایک دس سالہ بچی مصلے پر بیٹھی محو دعاء تھی مجاہدین کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور غصے سے بولی ہمارے گھر میں آج کھانا ہی نہیں پکا، آپ کو معلوم نہیں سارے جیش والے غار میں پھنسے ہوئے ہیں جاؤ! یہاں سے چلے جاؤ شدت غم سے اس کی آواز گلے میں رندھ گئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ صفا پورہ کے علاقوں میں جیش اور حزب دونوں کا سیٹ اپ تھا لیکن لوگوں کی اکثریت جیش کے ساتھ تھی بچی نے انہیں حزب المجاہدین کے ساتھی سمجھ کر ایسا کہا غازی بابا اس چھوٹی سی بچی کے جذبات دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے انہوں نے اس کے ننھے سے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہا بیٹا ہم جیش والے ہیں اور آپ کی دعاؤں سے بحفاظت جھڑپ سے نکل آئے ہیں پھر وہ ساتھیوں سے بولے ساتھیو! جب یہ ننھے ننھے ہاتھ اللہ کے حضور دعاء کے لئے اٹھیں گے تو کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ کی نصرت بھی اترتی رہے گی۔

مخبر کا عبرتناک انجام

ماسنبل جھیل کے اس پار کوندبل نامی ایک گاؤں تھا۔ وہاں ایک بدنام زمانہ مخبر نبہ کٹوار رہتا تھا اس غدار نے مجاہدین کو کئی بار نقصان پہنچایا تھا اور کئی بار مجاہدین کی مخبری کر کے انہیں شہید کروایا تھا۔ ان میں سے ہر دلعزیز مجاہد حسنین بھائی عرف پاسبان شہیدؒ کا غازی بابا کو بہت صدمہ تھا وہ مخبر کو ایسی سزا دینا چاہتے تھے جس سے باقی لوگ جو اپنے ایمان کا سودا کر کے کافروں کے آلہ کار بن جاتے ہیں عبرت پکڑ لیں۔ ان ہی دنوں ہیڈ کوارٹر میں آرمی کا میجر شرما تبدیل ہوا اور اس کی جگہ نیا سکھ میجر آ گیا۔ جس دن نئے میجر نے چارج سنبھالنا تھا غازی بابا نے اسی رات مخبر کو سبق سکھانے کا پروگرام بنایا انہوں نے لمبے لمبے بالوں کو سکھوں کی طرح سر کے اوپر باندھا اوپر سے پگڑی باندھ لی اور ہاتھ میں موٹی سی فائل اٹھا لی۔ انہوں نے خود بھی اور ساتھی مجاہدین نے بھی وردی پہن رکھی تھی اس طریقے سے رات کے وقت وہ فوجیوں کا روپ دھار کر آسانی سے مخبر کے گھر میں داخل ہو گئے غازی بابا نے نبہ کٹوا کو نئے میجر کے طور پر اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ وہ اس سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتے ہیں مخبر ان کو کمرے کے اندر لے گیا اور ساتھی مکان کے باہر پوزیشن لے کر کھڑے ہو گئے ساتھیوں کو باہر رکھنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ مخبر کو شک نہ پڑے کہ یہ آرمی نہیں بلکہ مجاہدین ہیں۔ رات کے اندھیرے میں اس کو ان پر شک نہیں ہو سکتا تھا اس لئے انہیں طے شدہ پلان کے مطابق باہر رکھا گیا مخبر بڑے ادب سے میجر صاحب کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ غازی بابا نے فائل کے صفحے الٹتے ہوئے کہا شرما صاحب کی جگہ اس علاقے میں میری تعیناتی ہو چکی ہے اور پرانے ریکارڈ سے معلوم ہوا کہ آپ نے فوج کے ساتھ کافی تعاون کیا ہے اور کئی اگروادیوں (مجاہدین) کو پکڑوایا ہے مجھے امید ہے کہ آپ میرے ساتھ بھی اسی طرح تعاون جاری رکھیں گے۔ کیوں نہیں سر میں آپ کے ساتھ ضرور تعاون کروں گا آپ بے فکر ہو جائیں میں نے ہی فلاں فلاں اگروادی کو مروایا ہے اب میرا ٹارگٹ غازی بابا ہیں۔

Very good یہ تو بہت اچھی بات ہے، اس خطرناک دہشت گرد کو پکڑنے کے لئے میں آپ کو منہ مانگی رقم دوں گا۔ مخبر سینہ ٹھونک کر کہنے لگا سر آپ اس کی فکر نہ کریں میں بہت جلد اس کا سراغ لگاؤں گا۔ نبہ اپنی زبان سے اگلے پچھلے تمام راز اگل رہا تھا اور غازی بابا کی جیب میں رکھی ننھی ٹیپ ریکاڈر اس کے سیاہ کرتوتوں کو بطور ثبوت ریکارڈ کرتی جا رہی تھی۔ میجر صاحب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا ذرا آپ باہر تشریف لا کر کھیتوں کے بیچ والا راستہ دکھا دیں سنا ہے اگر وادی اسی راستے سے آتے جاتے ہیں۔ نبہ بخوشی تیار ہوا، جاتے جاتے اپنے کزن کو ساتھ لیا کہ آؤ صاحب کو راستہ بتا کر آتے ہیں۔ جب وہ کھیتوں کے بیچ میں پہنچے تو غازی بابا ایک جگہ کھڑے ہو کر اس سے مخاطب ہوئے اچھا تو نبہ تو نے پاسبان کو شہید کروایا اور اب تیرا ٹارگٹ غازی بابا ہیں اس وقت ان کے بولنے کا انداز اور لہجہ اور تھا نبہ ٹھٹھک کر انہیں دیکھنے لگا جب انہوں نے پگڑی سر سے اتار پھینکی اور گھنگریالے بال شانوں پر بکھر گئے تو مخبر کی آنکھیں پھیل گئیں جہادی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اب بتا کم بخت کتنے مجاہدین کو مروایا تم نے؟ مخبر پر گویا سکتہ طاری ہو گیا وہ بس لڑکھڑاتی آواز میں اتنا کہہ سکا جہادی بھائی؟ ہاں میں استاد جہادی ہوں، ساتھیو! باندھ دو اس غدار کو۔ مخبر ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگا استاد جی مجھے معاف کریں بس آج معاف کریں اس کے کزن پر کپکپی طاری ہوگئی ساتھیوں نے سب سے پہلے اس کو درخت کے ساتھ باندھ لیا اور وہ کیسٹ دے کر کہا ہم اس کو یوں ہی قتل نہیں کر رہے ہیں جب تو گاؤں میں جائے گا یہ کیسٹ ثبوت کے طور پر مسجد میں سب لوگوں کو سنانا۔ غازی بابا نے خنجر نکالا اور مخبر کی گردن کو تن سے جدا کر دیا۔

مزمل اور یادھو

ہیڈ کوارٹر میں ایس ٹی ایف کا ایک کمینہ خصلت افسر مزمل کے نام سے مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مرتد روح کو کبھی سکون نہ دے اس نے لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ وہ مجاہدین کی تلاش کے بہانے رات کے وقت لوگوں کے گھروں میں گھس آتا تھا۔ غازی بابا کی بو سونگھتا پھرتا تھا لیکن ہمیشہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے یہ سازش کی کہ رات کے وقت مجاہدین کے روپ میں لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتا پھرتا رہتا تھا جو لوگ مجاہدین سمجھ کر دروازہ کھولتے وہ ان پر تشدد کرتا کہ تم لوگ مجاہدوں کا ساتھ دیتے ہو۔ اس صورتحال سے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ رات کے وقت دوست دشمن کی تمیز کرنا مشکل کام تھا اور لوگ ڈر کے مارے مجاہدین کے لئے بھی دروازہ نہیں کھولتے کہ شاید یہ آرمی والے ہی ہوں۔

ایک مرتبہ رات کے بارہ بجے ہمارے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی ساتھ آواز آئی بھائی جان دروازہ کھولو! ہم مجاہدین ہیں۔ دستک زور زور سے ہو رہی تھی جس سے سب گھر والے جاگ گئے۔ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ دروازہ کھولیں یا نہیں؟ مجاہدین کے ساتھ ہمارا ایک مخصوص کوڈ طے تھا وہ ایک مخصوص جگہ سے دستک دیتے تھے جبکہ یہ لوگ بالکل سامنے والے دروازے پر کھڑے تھے۔ ایک بار پھر آواز آئی بہنا! میں حیدر بھائی ہوں۔ زخمی حالت میں ہوں دروازہ کھولیں اس دن بادام پورہ علاقے میں جھڑپ ہو رہی تھی میرا دل اس خیال سے تڑپ اٹھا کہ شاید کوئی مجاہد جھڑپ کے دوران زخمی ہوا ہو اور اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو میں نے راشد سے یہ بات کہہ دی اور کہا تم دروازہ کھول دو۔ ماں جی بولیں ذرا ٹھہر جاؤ ابھی معلوم ہو جائے گا یہ کون ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا ہم دروازہ نہیں کھولیں گے آپ کہیں اور چلے جاؤ ان کا خیال درست تھا کہ اگر یہ مجاہد ہوں گے تو خاموشی سے واپس چلے جائیں گے کیونکہ مجاہدین کسی گھر میں زبردستی داخل نہیں ہوتے۔ ماں جی

کے جواب کے بعد دستک میں اتنی تیزی آ گئی گویا وہ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ مجاہدین نہیں ہو سکتے ہم دونوں بہنوں نے دادی اماں کے زمانے کے پرانے سے فیرن پہن لئے سر پر بوڑھیوں کی طرح کپڑا باندھ لیا انڈین آرمی والوں کی گندی نظروں سے بچنے کی خاطر کشمیر کی بیٹیاں چہروں پر مٹی ملنے سے بھی گریز نہیں کرتی تھیں۔ راشد نے دروازہ کھولا تو ایس ٹی ایف کے دہشت گرد بھاگ کر اندر داخل ہوئے انہوں نے سارے گھر کی تلاشی لے لی ہم دونوں بہنیں سب سے پیچھے والے کمرے میں تھیں ہمیں دیکھ کر مزمل نے ماں جی سے پوچھا یہ آپ کی بیٹیاں ہیں؟ ماں نے کہا ہاں میری بیٹیاں ہیں ان کی شادی ہو چکی ہے آج ہی ادھر آئی ہیں مزمل کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی پھر خونخوار ہو کر کہنے لگا مجھے پتہ ہے تم نے جھوٹ بولا اور یہ بھی پتہ ہے کہ چیوا کی لڑکیاں حرام زادیاں ہمیں دیکھ کر بھیس بدل لیتی ہیں۔ کافی دیر تک وہ اپنی گندی زبان سے غلاظت اگلتا رہا۔ جاتے ہوئے راشد کو پکڑ کر لے جانے لگا بابا نے کہا آپ میرے بچے کو چھوڑ دو اس کے بدلے مجھے لے جاؤ وہ ظالم حقارت سے کہنے لگا بڈھے تم کس کام کے ہو۔ نوجوانوں پر تشدد کر کے اس کی خبیث روح کو سکون ملتا تھا اس لئے وہ راشد کو ہی لے گیا ان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد فائر کی آواز آئی وہ رات ہم نے دروازے پر گذاری ہم راشد کی زندگی کی امید کھو بیٹھے تھے تاہم اللہ پاک نے اسے ان ظالموں سے جلد رہائی دے دی۔

کوہستان کالونی والے کیمپ میں ایک میجر یادھو ہوتا تھا اس ظالم کے شر سے بھی کشمیری مسلمان عاجز آ چکے تھے وہ کم بخت آستینیں اوپر چڑھا کر گلیوں میں پھرتا رہتا اور لڑکیوں کو تنگ کرتا رہتا تھا مجاہدین کی تلاش کے بہانے گھروں میں گھس آنا اور عورتوں کے ساتھ گپ شپ لگانے بیٹھ جانا اس کا معمول بن گیا تھا۔ کوہستان کالونی کے ساتھ ہی تریسہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا وہاں کی ایک عفت مآب بیٹی پر یادھو کی نظر پڑی ایک دن اس کافر نے گاؤں کے چند بزرگ لوگ بلائے اور ان سے کہا کہ فلاں لڑکی کے باپ سے جا کر کہو کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دے یہ میری شرافت ہے کہ میں تم سے رشتہ مانگ رہا ہوں ورنہ میں چاہوں تو

ابھی اس کی لڑکی اٹھا کر لا سکتا ہوں وہ لوگ سخت پریشانی کی حالت میں کیمپ سے نکل گئے اور سوچ رہے تھے کہ اپنے مسلمان بھائی سے اس کافر کے لئے کس منہ سے رشتہ مانگیں یہ بات ان کے لئے باعث شرم تھی لیکن اس ظالم فوجی افسر کے آگے وہ بھی بے بس اور مجبور تھے لڑکی کے بد نصیب باپ نے جب یہ پیغام سنا تو اس پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا اس نے عقلمندی کا مظاہرہ کر کے ان لوگوں سے کہا آپ جا کر اس کافر سے کہو کہ مجھے چند دن سوچنے کے لئے دے دیں اور میں اپنے گھر والوں کا بھی ذہن بنا لوں۔ یادھو یہ جواب سن کر مطمئن ہو گیا۔

ادھر ایک بدنصیب باپ پر وہ رات قیامت سے بھاری تھی وہ تمام رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے لئے اقرار کرنا تو ناممکن تھا مگر انکار کرنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ پھر میں کیا کروں؟ یہ سوال اس کو ہلکان کئے جا رہا تھا میجر یادھو کی دھمکی اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی ہاں وہ ظالم کچھ بھی کر سکتا ہے اگر وہ ابھی آ کر میری عزت کو نیلام کر دے تو میں کیا کر سکتا ہوں اس نے دکھ سے سوچا کوئی راستہ نہ پا کر آنکھیں موند لیں اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس کی تڑپتی روح کو پل بھر کے لئے سکون سا مل گیا اس نے سوچا اگر وہ یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں بھاگ جائے تو یادھو کے ظلم سے نجات مل سکتی ہے اسے اپنی زمینیں اور باغ یاد آئے جو سارا سال اس کے کنبے کی کفالت کا ذریعہ تھے اور جس نامعلوم منزل کی طرف وہ جائے گا وہاں بچوں کی روزی روٹی کا بھی مسئلہ بن جائے گا لیکن دوسری طرف عزت اور ایمان کا مسئلہ تھا اس لئے اس نے عزت کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر اس نے گھر کے تمام افراد یعنی بیوی بچوں کو جگایا اور راتوں رات سامان باندھا صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے وہ مظلوم مسلمان اپنے گھر بار عزیز و اقارب کو چھوڑ کر کسی نامعلوم مقام کی طرف ہجرت کر گئے۔

اس سانحے کے بعد علاقے میں خوف و ہراس کی چادر تن گئی نوجوان لڑکیوں نے نئے کپڑے پہننے ترک کر دیئے، مہندی اور چوڑیوں کے خواب سینوں میں دفن کر لئے کیونکہ کشمیر کی ہر بیٹی پر ان عزت کے لٹیروں کی نظریں ہوتی تھیں۔ ایک بار میجر یادھو ہمارے گھر میں گھس آیا والدہ صاحبہ ان پڑھ خاتون تھیں لیکن اللہ پاک نے عقل و شعور کی دولت سے خوب نوازا تھا۔

جب بھی آرمی والے گاؤں میں آتے تو ماں جی ہم دونوں بہنوں کو کمرے کے اندر چھپا دیتی تھیں فوجیوں کے ساتھ ملی جلی اردو بھی بول لیتی تھیں یادھو نے ان سے سوال کیا کتنے اگروادی اندر چھپا رکھے ہیں؟ ماں نے جواب دیا گھر میں کوئی نہیں ہے بچے بھی سکول گئے ہیں صرف میں گھر میں ہوں یادھو بولا میں گھر کی تلاشی لوں گا یہ سن کر وہ اندر کی طرف لپک گئی ہم دونوں کو باہر آنے کا کہا ہمیں دیکھ کر یادھو غصے سے بھر گیا اور اپنے سپاہیوں سے کہنے لگا دیکھا یہ بڑھیا کتنی چالاک ہے لڑکیوں کو ہم سے چھپا لیتی ہے ہم دونوں بہنیں صحن میں ایک طرف سہم کر بیٹھ گئیں، میجر مجاہدین کے بارے میں ہم سے پوچھ تاچھ کرنے لگا کہنے لگا تمہارے گھر میں اسداللہ کی ہائیڈ ہے وہ مجھے دکھا دو۔ اسداللہ کو ماں جی نے بیٹا بنایا تھا جب بھی مجاہد ہمارے گھر آتے تو ماں جی انکی پیشانی چوم لیتی تھیں۔ ایک بار اسداللہ بھائی آ کر ماں جی کے پاس بیٹھ گئے امی نے انھیں پیار دیا وہ محبت بھری نظروں سے ماں جی کو دیکھنے لگے ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کا پیار کبھی بھلایا نہیں جا سکتا وہ نہ جانے کب کے اپنی ماں سے بچھڑے ہوئے تھے۔ امی ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئیں کہ انہیں اس موقع پر اپنی ماں یاد آئی ہوگی انہوں نے اسداللہ بھائی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: اسداللہ! آج سے تو میرا چوتھا بیٹا ہے ہمارے دلوں میں تمام مجاہد بھائیوں کے لئے بے حد محبت تھی لیکن اسداللہ بھائی رفتہ رفتہ ہمارے گھر کے فرد جیسے بن گئے وہ ہمیں سگے بھائیوں کی طرح عزیز ہو گئے اور ان کا ہر موقع پر ہم خیال رکھتے تھے۔ انڈین آرمی کو اس دینی رشتے کا علم ہو گیا تھا اس لئے میجر یادھو کمانڈر اسداللہ کو گھر میں پناہ دینے کے جرم میں ہمیں برے انجام کے لئے تیار رہنے کی دھمکیاں دے رہا تھا، وہ مجاہدین کے بارے میں سوال کرتا تو ہمارا جواب خاموشی کی صورت میں ہوتا تھا اگر کسی بات کا جواب دے بھی دیتے تو اس کی طرف نظر اٹھائے بغیر۔ یہ بات اس کو ناگوار گزری وہ غصے سے بولا میری طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ ملی ٹینٹوں کو ساری ساری رات گھر میں بٹھائے رکھتے ہو وہ تم کو اچھے لگتے ہیں اور ہم سے نفرت کرتے ہو۔ وہ کافر ہر وقت اپنی پرسنالٹی دکھاتا پھرتا تھا کہنے لگا تمہیں ان میلے کچیلے پاکستانیوں میں کیا نظر آتا ہے ہمارا سوٹ بوٹ دیکھو ہم ان سے زیادہ ہینڈسم ہیں۔ دل کرتا تھا اس لعین کو بتا دوں کہ کم بخت تو کیا جانے وہ میل کچیل کیا ہے وہ تو راہ جہاد کا بابرکت غبار ہے جس پر اللہ رب العزت نے جہنم کی آگ حرام کردی ہے اور تیرا یہ مکروہ وجود جہنم کا ایندھن بنے گا ہم تیرے اس

ہندسم وجود پر سو بار لعنت بھیجتے ہیں۔ میں بھارتی درندوں کو منہ توڑ جواب دیتی تھی مگر اس دن گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا اور کوہستان کالونی (تریسہ) والا واقعہ بھی تازہ تازہ ہوا تھا ماں جی مجھے اشاروں سے خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھیں۔ اپنی بیہودہ بکواس آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا انہیں اپنے ملک میں روٹی نہیں مل رہی تھی بھوکے مرنے لگے تو اب ادھر آ کر مرنا شروع کر دیا وہ ایڈز کے مریض ہیں اس لئے تم انہیں اپنے گھر میں مت آنے دو اس کے بعد وہ انتہائی گھناؤنی زبان بولنے لگا میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا میں نے غصے میں کہا خاموش ہو جاؤ وہ ہمارے بھائی ہیں، میجر یادھو کے سامنے یہ بات کہنا جہاد اور مجاہدین کے ساتھ محبت کا کھلا اعلان تھا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دانت پیستے ہوئے بولا اچھا وہ تمہارے بھائی ہیں؟ وہ غضب ناک ہو کر میری طرف بڑھنے لگا ماں جی اس مشرک اور بے دین کافر کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوئیں صاحب! ہمارا مجاہدوں سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بچی ہے میں اس کو سمجھا دوں گی۔ میری پیاری ماں میری عزت کی خاطر اس کافر کی منتیں کر رہی تھیں اور میرے دل پر نشتر چل رہے تھے میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ کشمیر کی بیٹی گھر کی چار دیواری کے اندر بھی غیر محفوظ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ جس عمر میں لڑکیاں ہاتھوں پر مہندی سجانے کے خواب بن رہی ہوتی تھیں اس عمر میں میں نے فدائی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت مرنا کہیں آسان تھا۔

ایک بار بڑے بھائی جان انڈیا کے شہر راجھستان سے ہم دونوں بہنوں کے لئے نہایت قیمتی اور عمدہ جوڑے لے آئے۔ ماں جی بولیں یہ جوڑے تم رکھ لو شادی میں کام آئیں گے۔ میں نے جواب دیا میری پیاری ماں! میری شادی کے سپنے ہرگز اپنی آنکھوں میں نہ بسانا میں نے تو شہید ہونا ہے۔ جواب ملا لڑنا اور شہید ہونا مردوں کو زیب دیتا ہے۔ تو کیا عورتوں کو بے آبرو ہو کر زندگی گذارنا زیب دیتا ہے؟ میرے سوال نے ماں جی کو پریشانی میں ڈال دیا میں نے کہا ماں جی! آپ مجھے صرف اس چیز کا یقین دلائیں کہ میری عزت محفوظ ہے پھر میں اپنے خیالات کا رخ موڑ دوں گی کیا آپ نہیں دیکھ رہیں کہ کشمیر میں عورت کو کس طرح سرعام رسوا کیا جا رہا ہے وہ چاہے ماں کے روپ میں ہو بیٹی کے روپ میں ہو یا پھر بیوی کے، ہر حال میں اس کی عزت پامال کی جا رہی ہے۔ کشمیر کی بیٹی کی مظلومیت اب انتہاء کو پہنچ چکی ہے اسی لئے تو ایک کافر کی اتنی جرأت ہوئی کہ وہ اماں عائشہؓ کی روحانی بیٹی کا رشتہ مانگنے چلا آتا ہے۔

بھائی اسد اللہ اور ہمارا گھرانہ

بھائی اسد اللہ کے ساتھ ہمارا دینی رشتہ دن بہ دن مضبوط ہوتا گیا لوگ مجھے اسد اللہ کی بہن کہہ کر پکارنے لگے سردیوں کے موسم میں سب سے پہلے میں نے انہی کے لئے جرسی اور دستانے بنائے تو راشد نے مجھ سے شکوہ کیا کہ اسد اللہ بھائی کے بعد تو آپ ہمیں بھول ہی گئیں۔ میں نے کہا پیارے بھیا! ان پردیسی بھائیوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے کیونکہ ان کا وادی میں کوئی اپنا نہیں ہے۔ حالات چاہے کتنے بھی خراب کیوں نہ ہوتے ہمارے گھر کے دروازے ان کے لئے ہمیشہ کھلے رہے وہ بھی ماں سے اپنے ساتھیوں کو گھر لاتے اور میں شدید سردی میں آدھی آدھی رات تک مجاہدین کے لئے کھانا تیار کرتی رہتی تھی۔ ان نیک لوگوں کی خدمت کر کے میرے دل کو سکون مل جاتا تھا۔ مجاہدین کو میری والہانہ اور بے لوث عقیدت کا علم تھا اس لئے جب غازی بابا مختلف گھروں کو ساتھی تقسیم کر کے بھیجتے تو ہر کسی کی یہ خواہش ہوتی کہ ہم بہن جی کے گھر جائیں، میں مجاہدین کی خدمت کے علاوہ ان کے چھوٹے موٹے کام بھی کر لیتی تھی۔ ایک بار میجر یادھو نے ہمارے گھر پر چھاپہ مارا اس دن مجاہدین کا ایک پاؤچ ہمارے گھر رہ گیا تھا ماں جی نے وہ فیرن کے اندر سے پہن لیا اور کافر کو شک بھی نہیں گزرنے دیا۔ میجر یادھو نے ہمیں خوب دھمکایا آئندہ اسد اللہ کو گھر میں پناہ دی تو تم لوگوں کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ کافروں نے گھر کا سامان تہس نہس کر کے رکھ دیا اتفاق سے بھیا رات کو گھر آئے ماں جی نے انہیں دودھ کا گلاس لا کر دیا، وہ آدھا پی چکے تو بابا نے انہیں چھاپے کا بتا دیا وہ ایک دم پریشان ہو گئے ہم نے انہیں مزاحاً کہا کہ ماں جی کمانڈو بن گئی تھیں پاؤچ پہن کر بالکل مجاہدہ لگ رہی تھیں بھیا کی سنجیدگی برقرار رہی انہوں نے گلاس رکھا اور اٹھ کر چلے گئے امی نے بابا سے ناراضگی کا اظہار کیا کہ پہلے کھانا کھانے دیتے پھر بتانا تھا اب نہ جانے کھانا کھائے گا بھی کہ نہیں؟ اس کے بعد وہ کافی دن گھر نہیں آئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے ہماری عزت یا گھر پر کوئی آنچ آئے۔ ہم

نے انہیں پیغام بھیجا تو وہ آ گئے، ان کے ساتھ بلال بھائی بھی تھے۔ گیس سلنڈر کی مدہم روشنی میں ان کا چہرہ چمک رہا تھا، کھانا کھا کر وہ دیر تک بیٹھے رہے۔ بابا اکثر اونچی آواز میں بات کرنے پر ٹوکتے رہتے تھے کیونکہ ہمارا گھر روڈ کے ساتھ تھا اور ساتھ والے باغ میں کبھی کبھی انڈین آرمی کا ایمبش بھی ہوتا تھا اس رات بابا نے کسی بات پر نہیں ٹوکا کیونکہ وہ اسد اللہ بھائی کے چہرے پر نور شہادت بھانپ چکے تھے ٹھیک ایک ہفتہ گذر گیا۔ 9 اپریل 2000ء تھا چاند ہر سو چاندنی بکھیر رہا تھا چھوٹے چاچو کے گھر میں مجاہدین کے لئے روٹی پک رہی تھی جبکہ دوسرے چاچا کے گھر میں سالن تیار ہو رہا تھا۔ بات کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ بتا دوں کہ ان گھروں کا محل وقوع کیا تھا۔

ہمارے دو ماموں اور دو چاچو ہیں ہم سب ایک ہی چار دیواری کے اندر رہتے تھے البتہ گھر الگ الگ تھے۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے تھوڑا سا فاصلے پر اپنا علیحدہ گھر بنایا ہمارا گھر چونکہ ایمبش پوائنٹ کے قریب تھا اس لئے مجاہدین وہاں روزانہ نہیں آتے تھے البتہ چاچو اور ماموں کے گھرانوں میں مجاہدین کا کافی آنا جانا تھا اور ان لوگوں نے راہ جہاد میں ہر طرح کی قربانیاں دی ہیں۔ 9 اپریل کو دونوں بھائیوں کے گھروں میں رونقیں لگی ہوئی تھیں کوئی آ رہا تھا تو کوئی جا رہا تھا میزبان اور مہمان دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ہمارا مکار دشمن ہمارے قدم گن رہا ہے۔ چاچا جی کے گھر کے ساتھ سڑک تھی جس کی دوسری جانب باغ کے اندر انڈین فوجی گھات لگا کر بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جب مجاہدین اکٹھے نکل جائیں گے تو چاندنی میں ہم چن چن کر انہیں نشانہ بنائیں گے۔ مجاہدین کھانے پینے کا سامان لے کر اجس بازی پورہ کی طرف جانے والے تھے جوں ہی بھائی اسد اللہ اپنے ساتھیوں سمیت باہر آئے تو ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی یہ بات معجزے سے کم نہ تھی کہ مجاہدین بالکل بے خبری کے عالم میں تھے اور چاند سر پر چمک رہا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دشمن کی گولیاں بے اثر کر دیں مجاہدین کو خراش تک نہ آئی البتہ صبح اس جگہ انڈین آرمی کی کٹی ہوئی انگلی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ بنیے کی خوب ٹھکائی ہوگئی ہے۔

فوج اور مجاہدین کے درمیان جھڑپ کافی دیر جاری رہی گولیاں دیواروں کو چیر کر گھر کے اندر داخل ہو رہی تھیں گھر والے جان بچانے کے لئے پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے مجاہدین سے مار کھانے کے بعد بھارتی فوجی ان چاروں گھروں پر ٹوٹ پڑے چاچا کی دو بیٹیاں پندرہ سالہ نزہت اور دس سال کی فرحت ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں ایک کافر نے ان دونوں بہنوں کو بالوں سے پکڑ کر ان کے سر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے شروع کر دیئے ننھی فرحت کو بلکتا دیکھ کر نزہت سے برداشت نہ ہوا اس بہادر اور غیور بیٹی نے ایک ہاتھ سے فوجی کی گن پکڑ لی دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا فوجی اس کو دیکھتا رہ گیا اور یہ حیران کن بات تھی کہ وہ بغیر کسی ردِ عمل کے چل دیا۔

تمام مردوں کو جس میں جوان اور بزرگ دونوں شامل تھے لاتوں اور ڈنڈوں کی بھرمار میں گاڑی کی طرف دھکیلا گیا۔ اور مجاہدین کی رفاقت کی پاداش میں بدترین تشدد کے لئے ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا۔

ابھی اس شب غم کا کافی حصہ باقی تھا، نیند کسے آنی تھی ہمارے عزیز کیمپ میں ماریں کھا رہے ہیں نہ جانے انکا کیا حال ہوگا یہ خیال ہی بے کل کر دیتا تھا مگر ہمیں معلوم نہ تھا کہ صبح کا سورج ایک نئے ستم کا پیغام لے کر طلوع ہوگا۔ بہار کا موسم جوبن پر تھا اور کشمیر کا موسم بہار بہت حسین ہوتا ہے اس دن فضائیں سوگوار سی تھیں گاؤں کی گلیاں اداس نظر آ رہی تھیں کافی سارے لوگ جلوس کی صورت میں ہیڈ کوارٹر ہمارے لوگوں کو چھڑانے کے لئے گئے ہوئے تھے دوپہر کا وقت تھا ہم اپنے عزیزوں کے لئے دعائیں کر رہے تھے اتنے میں ایک فوجی جیپ آندھی کی طرح ہمارے گیٹ سے گذر کر اندر گئی اور چند منٹ کے اندر اندر اسی رفتار سے واپس چلی گئی۔ ساتھ ہی ہر طرف چیخ و پکار بلند ہونے لگی ہم لوگ ننگے پاؤں باہر نکل آئے تو یہ خبر سن کر ہماری روح تک لرز اٹھی کہ ایس ٹی ایف والے نزہت کو اٹھا کر لے گئے ہیں آنٹی نے بیٹی کو چھڑانے کی کوشش کی تو انہیں بھی دھکا دے کر گاڑی میں پھینکا گیا ماں جی میرے حوالے سے پریشان رہتی تھی یہ روح فرسا خبر سن کر وہ دھڑام سے سڑک پر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں مسجد میں اعلان

ہوااور سب لوگ گھروں سے نکل آئے ایک اوراجتماعی ریلی کیمپ کی طرف روانہ ہوگئی لوگوں نے ٹریفک بلاک کردی تو مغرب کے وقت آنٹی اور نزہت کو رہا کردیا گیا البتہ مرد ابھی تک جرم بے گناہی کی سزا بھگت رہے تھے نزہت کی عمر صرف پندرہ سال تھی اس کے گھر آنے پر لوگوں کا جم غفیر وہاں موجود تھا وہ سب سے ہمت وحوصلے سے ملی اس کے کسی عمل نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ کافروں نے اس پر کس قدر ظلم کیا ہے جب لوگ گھروں کو لوٹ گئے تو نزہت نے مجھے راز داری سے کہا دیدی آپ گھر میں نہیں سونا وہ لوگ مجھ سے بار بار آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ آپ مجاہدین کے ساتھ کام کرتی ہیں اور بھائی اسداللہ کی ہائیڈ کا آپ کو پتہ ہے اندھیرا پھیلتے ہی ہم دونوں بہنیں اور نزہت اور اس کی بڑی بہن رفعت دوسرے محلے میں بڑی باجی کے گھر چلے گئے گھر میں داخل ہوتے ہی نزہت چکرا کر فرش پر گر پڑی، ہم یہ سوچ کر پریشان ہوگئے کہ ابھی تک یہ اچھی بھلی لگ رہی تھی اچانک کیا ہوگیا ہمارے پوچھے جانے پر وہ معصوم سی بہنا زاروقطار رونے لگی اور بولی ان کافروں نے مجھ پر بہت تشدد کیا اور پورا دن بجلی کے کرنٹ لگاتے رہے میں نے لوگوں کے سامنے زبردستی خود کو سنبھالے رکھا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میری عزت اب محفوظ نہ رہی۔

کشمیر کی ہر ستم رسیدہ بیٹی کی طرح اس نے بھی اپنی روح اور جسم پر لگنے والے زخموں کو دنیا سے چھپانے کی کوشش کی کیونکہ اس نے چند دن اس دنیا میں جینا تھا اور نظروں سے گر کر جینا بہت کٹھن بہت دشوار ہوتا ہے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد انڈین آرمی نے مردوں کو رہا کردیا اور وہ ایک بار پھر مجاہدین کے دست وبازو بن گئے کشمیری عوام نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا کہ مصائب ومشکلات ہماری آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

بھائی اسداللہ کی شہادت

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

10 اپریل کو بھی ماحول پر کشیدگی طاری رہی اور ہر طرف یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ انڈین آرمی والے ہمارے خاندان کی کئی لڑکیوں کو گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ ہمارے خاندان کے ساتھ بغض رکھتے تھے۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ کے لئے کہیں اور چلی جائیں اگلے دن کچھ لڑکیاں اجس بازی پورہ اور کچھ بانڈی پورہ رشتہ داروں کے پاس چلی گئیں۔

بھائی اسداللہ بھی ان دنوں بازی پورہ میں ہی تھے، جب وہ غازی بابا سے رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے اس کے چہرے پر سجے نور کو دیکھتے ہوئے کہا اسداللہ! آج بہت چمک رہے ہو کہیں شہید ہونے کا پروگرام تو نہیں ہے؟ وہ جواباً صرف مسکرا دیئے۔ نزہت اور آنٹی کی گرفتاری کا انہیں بے حد رنج تھا وہ ایس ٹی ایف کے درندوں سے بدلہ لینا چاہ رہے تھے لیکن غازی بابا نے انہیں یہ کہہ کر حوصلہ دیا کہ راہ جہاد میں یہ موڑ آتے رہتے ہیں ہم بھی ادھر ہی ہیں ہم دشمن سے ضرور انتقام لیں گے پھر انہیں کسی ضروری کام کے سلسلے میں اجس بھیج دیا۔ وہاں پر جیش کا مضبوط سیٹ اپ تھا لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا تھا ان کی حورعین بناؤ سنگھار کر کے ان کی راہوں میں آنکھیں بچھائے کھڑی تھیں بھیا بازی پورہ میں ایک گھر میں موجود تھے اس دوران فوج نے محاصرہ کر لیا وہ لوگ ہمارے دور کے رشتہ دار تھے بلکہ نزہت کا ننھیال بھی اسی علاقے میں تھا۔ اس خاتون کا کہنا تھا کہ جب آرمی نے محاصرہ کیا تو میں نے اسداللہ کو بہت کہا بیٹا آپ فلاں راستے سے نکل جاؤ انشاءاللہ آپ لوگ بحفاظت جنگل میں پہنچ جاؤ گے۔ بھائی غیرت منداور بہادر انسان تھے ہمارے خاندان پر ڈھائے جانے والے مظالم پر انہیں انڈین آرمی پر بہت

غصہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا خالہ جان! آج میں نکلنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ ان کا فروں سے بدلہ لوں گا پھر انہوں نے وضو کیا سرمہ لگایا اور خوشبو لگائی۔ خاتون خانہ کے کہنے کے مطابق ان سب کے چہروں سے سکون اور اطمینان ٹپک رہا تھا آرمی جب گھر کی تلاشی لینے کے لئے آئی تو مجاہدین نے شیروں کی طرح ان کا مقابلہ کیا دشمن کے آٹھ فوجی واصل جہنم کر کے بھائی اسداللہ فردوس بریں کی طرف پرواز کر گئے۔ ان کے ساتھ تین کشمیری ساتھی بھی تھے بھارتی فوج نے کمانڈر اسداللہ کی شہادت پر جشن منایا اور انتقاماً شہید کا بازو کاٹ کر الگ کیا کیونکہ اللہ کے شیر نے اس کے ذریعے سے مشرک ہندوؤں کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ بانڈی پورہ جس سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے وہاں ہمیں جھڑپ کا پتہ تو چل گیا لیکن شہید ہونے والے مجاہدین کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا 19 اپریل کو وہ شہید ہوئے اور 20 اپریل کا اخبار میں نے بالخصوص اسی خبر کے لئے منگوایا اخبار پر ایک نظر پڑتے ہی مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی ہمارے بھائی کی لہو رنگ تصویر پہلے صفحے پر شائع ہوئی تھی۔ میں اسی دن گھر واپس آ گئی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی دیدی نے مجھے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا گھر میں ہر طرف سوگواری کی کیفیت تھی۔ بھیا کی شہادت سے تھوڑا ہی عرصہ قبل ہمارا خالہ زاد بھائی فاروق احمد عرف جہانگیر شہید ہوا تھا۔ جہانگیر حزب کے ساتھ تھا اور ابھی اس کے زخم ہرے ہی تھے کہ بھائی اسداللہ داغ مفارقت دے کر چلے گئے میں رو رو کر پاگل ہو رہی تھی ان کی قبر بھی چیوا میں نہ بن سکی ان کی قبر چیوا کے مزار شہداء میں تیار کر لی گئی تھی لیکن جب لوگ ان کی میت لینے گئے تو انڈین آرمی نے مداخلت کرتے ہوئے انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا بھائی اسداللہ شہید کو صفاپورہ کے محلّہ کلہ پورہ میں دفن کر دیا گیا، ان کے جانے کے بعد ایک عرصہ گھر میں اداسیوں نے ڈیرے ڈالے رکھے ہر آہٹ پر ان کا گماں ہوتا تھا اور گھر میں ان کی یادوں کے چراغ روز جلائے جاتے تھے جب مجاہدین گھر میں آتے تو ہم بھائی اسداللہ کو اشکبار آنکھوں سے تصور میں ان کے ہمراہ دیکھتے اور پھر انہیں نہ پا کر دل کو بے حد صدمہ پہنچتا تھا یہ ضروری نہیں کہ صرف خون کے رشتوں میں ہی باہم خلوص ومحبت ہو بعض دفعہ دین کا رشتہ خونی رشتوں سے بھی مضبوط بن جاتا ہے بھائی اسداللہ کے ساتھ بھی ہمارا کچھ ایسا ہی رشتہ تھا۔

ستم کا آشنا تھا وہ

شبیر بھائی عرف شاہجہاں شہید کا تعلق باوقار خاندان سے تھا۔ ان کے والد محترم کافی ساری زمینوں کے مالک تھے مگر ان کی ساری جاگیر کے وارث فقط دو بیٹے تھے۔ بڑے بھائی کی شادی کو طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود گھر کا آنگن بچوں کی کلکاریوں سے محروم تھا، حسین بھائی اولاد کی نعمت سے محروم تھے اس لئے والدین کی تمام تر امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز شبیر بھائی ہی تھے کشمیر کے آزادانہ ماحول میں پرورش پا کر بھی شبیر بھائی سب سے الگ طبیعت رکھتے تھے۔ وہ شرم وحیا کے پیکر تھے اور بہت کم گو تھے انہوں نے دینی تعلیم کے علاوہ دنیاوی تعلیم بھی حاصل کی، بی ایس سی کرنے کے بعد وہ سرینگر میں کمپیوٹر انجینئرنگ کا کورس کر رہے تھے اور شام کے وقت گھر پر بچوں کو قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ وہ خوش الحان قاری تھے ان کی تلاوت سن کر راہ چلتے ہوئے لوگ ٹھہر جاتے تھے ان کے دل میں ایک عرصے سے جذبہ جہاد موجزن تھا مگر جب وہ اپنی بیمار بوڑھی والدہ سے اجازت مانگتے تو وہ کہتی کہ پہلے آپ شادی کر لو تا کہ گھر کا سونا آنگن ننھے منے پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھے کیونکہ تمہارے بڑے بھائی اس نعمت سے محروم ہیں۔ شبیر بھائی یہ باتیں سن کر دکھوں میں گھر جاتے تھے۔

وہ اکثر مجاہدین سے ملنے جنگل میں جاتے رہتے تھے، ذیشان بھائی شہیدؒ کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ جب وہ جنگل میں گئے تو پھر واپس نہ آئے، اپنی سنجیدہ اور پروقار طبیعت اور بھرپور صلاحیتوں کی بنا پر انہوں نے بہت جلد غازی بابا کے قریبی دستے میں جگہ بنالی دونوں کی آپس میں بہت بے تکلفی تھی، وہ بازی پورہ کے تربیتی کیمپ میں ٹریننگ حاصل کر کے ایک عرصہ اسی علاقے میں کام کرتے رہے۔ ایک بار آرہ گام بانڈی پورہ میں انہوں نے بہت بڑا معرکہ لڑا جس میں درجنوں بھارتی فوجی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

ان کے جہاد میں شامل ہوتے ہی گھر پر مصائب و آلام کے بادل منڈلانے لگے، بھارتی

درندوں کو ظلم کرنے کا بہانہ چاہئے تھا اور کشمیری مجاہدین کے گھروں پر انڈین آرمی نے بے تحاشہ ظلم ڈھائے، شبیر بھائی کا گھر بھی ظلم و جور کی تند و تیز آندھیوں کی لپیٹ میں آ گیا ان کے گھر پر چھاپے روز کا معمول بن گئے اور ان کے بھائی اور ضعیف والد محترم کو آئے روز گرفتار کر لیا جاتا تھا، مجھے آج بھی وہ روح فرسا مناظر یاد ہیں ایک دن میجر شرما کریک ڈاؤن کے دوران ہمارے گھر کے صحن میں کرسیاں لگا کر بیٹھ گیا پھر ایک ایک آدمی کو میجر کے سامنے لایا جاتا تھا وہ کافر تھپڑ اور ڈنڈے مار کر لوگوں سے پوچھتا تھا اگر وادی آتے ہیں؟ تم لوگ ہمیں اطلاع کیوں نہیں دیتے؟ ہمارا گھر بھارتی فوج سے بھرا پڑا تھا چھت پر بھی فوجی مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے، ہم دونوں بہنیں اور والدہ صاحبہ باورچی خانے میں محصور ہو کر رہ گئیں تھیں اور کھڑکی سے اس مشرک کی درندگی دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد شبیر بھائی کے والد صاحب اور بھائی کو لایا گیا وہ دونوں مجرموں کی طرح گھاس پر بیٹھ گئے۔ شبیر گھر آتا ہے؟ میجر نے حسین بھائی سے سوال کیا جس کا جواب انہوں نے نفی میں دیا یہ سچ تھا شبیر بھائی دو سال کے عرصے میں کبھی گھر نہیں گئے تاکہ گھر والوں کی مشکلات میں اضافہ نہ ہو جائے۔ کافر یہ سن کر غضبناک ہوا اور حسین بھائی کو داڑھی سے پکڑ کر ان کی داڑھی دائیں بائیں مروڑنے لگا اس دوران وہ یہ جملہ مسلسل دہرا رہا تھا تیرا وہ بھائی ملی ٹنٹ ہے؟

حسین بھائی کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے اور ان کے والد صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑے یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ہم سب بھی رونے لگے۔ شبیر بھائی کے گھر پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان بہت طویل ہے دو سال کا عرصہ ان لوگوں نے گویا کانٹوں پر گذارا۔ یہ سچ ہے کہ مہمان مجاہدین اپنے گھربار اور وطن کو چھوڑنے کی بے مثال قربانی دے کر وادی میں آتے ہیں لیکن کشمیری مجاہدین کی قربانیاں بھی بہت عظیم ہیں کیونکہ ان لوگوں کے گھر، جان و مال اور عزت سب کچھ خطرے میں ہوتا ہے وہ سرفروش لائق تحسین ہیں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کے بعد بھی ہمت و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

ان کی والدہ صاحبہ جانہ موجی کے نام سے مشہور تھیں اور شبیر بھائی کو گاؤں کی سب لڑکیاں

بھائی جان کہا کرتی تھیں ایک دن جانہ موجی نے مجھ سے پوچھا آپ کا بھائی جان آیا تھا؟ اس رات وہ ہمارے گھر آئے تھے، میں نے کہا جی آئے تھے وہ بولیں اس کو کہنا مجھ سے آ کر ملے ورنہ دودھ نہیں بخشوں گی اگر گھر نہیں آ سکتا تو میں آپ کے گھر میں آ جاؤں گی وہاں اس کو ایک نظر دیکھ لوں گی دو سالوں سے اسے دیکھنے کے لئے ترس رہی ہوں۔ میں نے بھائی جان کو ان کی والدہ کا پیغام پہنچا دیا وہ ملاقات کی ترتیب بنا رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات فردوس بریں میں کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا 20 جون 2000ء کو صبح صبح پورا علاقہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھا پورا دن انڈین آرمی اور مجاہدین کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری رہی یہ جھڑپ کوہستان کالونی میں ہو رہی تھی اور یہ خبریں گشت کر رہی تھیں کہ ایک لمبے بالوں والا مجاہد ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے میں ڈنڈا لے کر انڈین آرمی کے پیچھے بھاگ رہا ہے فوجی کئی میٹر دوڑ لگا کر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں، مقامی لوگوں اور آرمی کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ بہادر اور شجاع مجاہد صرف غازی بابا ہی ہو سکتے ہیں۔ اس اللہ کے شیر نے کافروں کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا ان کے دو مہمان ساتھی بھائی حیدر اور طیب بھائی کے شہید ہونے کے بعد انہوں نے ان کا اسلحہ بھی استعمال کیا ایک ایک گولی فائر کرنے کے بعد انہوں نے گنیں توڑ ڈالیں جو سامان اور پیسے جیب میں تھے وہ بھی ضائع کر دیئے تاکہ بھارتی کتوں کے ہاتھ کوئی چیز نہ آئے شام کے وقت آرمی نے مکان کو مارٹر شیلنگ سے زمین بوس کر دیا۔ اسلام کا یہ بہادر سپاہی ہاتھ میں ڈنڈا لے کر ایک دیوار کی اوٹ میں بیٹھ گیا بالآخر آرمی نے انہیں ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا فائر نہ ہونے کی صورت میں وہ سمجھ گئے کہ مجاہد یا تو شہید ہو گئے یا پھر اسلحہ ختم ہو گیا انہوں نے شبیر بھائی کو بپھرے ہوئے شیر کی مانند ہاتھ میں صرف ڈنڈا لئے ہوئے دیکھ لیا لیکن بزدل فوجیوں پر ان کی وہ دہشت بیٹھ گئی تھی کہ انہوں نے گرفتار کرنے کی ہمت نہ کی اور ہر طرف سے بندوقوں کے دہانے کھول دیئے۔ شبیر بھائی اس حسین منزل پر پہنچ گئے جس کے لئے انہوں نے سرینگر کی پر رونق گلیوں کو خیر باد کہہ کر سنگلاخ پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ انہوں نے تمام دن کافروں کو تگنی کا ناچ نچائے رکھا اس لئے وحشی درندوں نے انتقاماً شہید کی ایک آنکھ نکال لی، انہیں فوجی گاڑی

میں اس انداز سے ڈالا گیا کہ سرڈالے کے اوپر سے لٹک رہا تھا کالی لمبی زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھی۔ بھارتی فوجی راستے میں اعلان کرتے جارہے تھے لوگو! دیکھو ہم نے جہادی کو ماردیا ہے، غازی بابا کو ہم نے آج ختم کر دیا ہے، بعد میں انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ شبیر احمد ڈار عرف شاہجہاں ہیں تو انڈین آرمی کے سی او نے برملا اعتراف کیا کہ آج تک ہم نے کسی کشمیری مجاہد کو اس قدر جرأت و بہادری سے نہیں لڑتے دیکھا۔ اگلے دن شہداء کی نعشیں چیوا میں پہنچیں تو ہر طرف صفِ ماتم بچھ گئی ابھی بھائی اسد اللہ کو گئے ہوئے صرف دو ماہ گذرے تھے کہ ہمارے دلوں پر ایک اور گھاؤ لگ گیا۔ شبیر بھائی کا چہرہ ایک آنکھ کے بغیر بھی بہت حسین لگ رہا تھا ان کے جنازے میں شرکت کے لئے ہر طرف سے لوگوں کا سیلاب امڈ آیا۔ چیوا کی دھرتی نے کبھی اس قدر خلقت نہیں دیکھی ہوگی حیدر بھائی شہید چند دن پہلے ہمارے گھر آئے تھے اور ایک کتاب لانے کا کہہ گئے تھے راشد نے دوسرے دن ہی کتاب لاکر رکھ دی تھی۔ لیکن حیدر بھائی پھر نہیں آئے صرف ان کا گولیوں سے چھلنی لاشہ آ گیا ان کے سینے پر برسٹ لگنے سے ایک لکیر سی کھنچ گئی تھی۔ گولیوں سے چھلنی سینہ میں نے اس دن دیکھا تھا اور آج بھی آنکھوں میں بسا ہے بلکہ ظلم وتشدد اور دلخراش یادوں کے لاتعداد مناظر میرے دل میں محفوظ ہیں۔

شہداء کے جسد اطہر باغ میں رکھے گئے کیونکہ لوگوں کے جم غفیر کے لئے شبیر بھائی کا گھر تنگ پڑ رہا تھا ہر طرف چیخ و پکار تھی کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسی دوران سب لوگ خاموش ہو گئے مجمع پر ایک سکوت چھا گیا جھکی ہوئی کمر لرزتے ہوئے لاغر جسم والی شہید کی خوش نصیب والدہ اپنے لختِ جگر کا آخری دیدار کرنے کے لئے آ رہی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شیر جوان بیٹے کی نعش دیکھ کر اس بوڑھے اور لاغر جسم سے روح ہی پرواز کر جائے گی لیکن جانہ موجی کے بے مثال صبر نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا انہوں نے شہید کا ہاتھ پکڑا اور بولیں میرے بچے تجھے شہادت مبارک ہو میں نے تجھے دودھ بخش دیا سب کچھ بخش دیا جا میں نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اللہ کے سپرد کر دیا لوگ اس ماں کا صبر دیکھ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے لیکن جانہ موجی خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

وہ ہمارے پڑوسی تھے لیکن اس دن کے بعد میرا جانہ موجی کے ساتھ خلوص ومحبت اور عقیدت کا گہرا رشتہ قائم ہو گیا میں اکثر ان سے ملنے جاتی اور ان کو شہید کے والدین کے اجر و ثواب کے بارے میں بتایا کرتی تھی میری یہ بات انہیں بہت زیادہ سکون پہنچاتی تھی کہ بھائی جان آپ کی انگلی پکڑ کر آپ کو جنت میں لے کر جائیں گے۔ میں ان سے کہا کرتی تھی جانہ موجی دعاء کریں کہ مجھے بھی بھائی جان کے قدموں میں جگہ مل جائے اور ان شہیدوں کے پاس میری بھی قبر بن جائے مگر وہ میرے لئے یہ دعاء نہیں کرتی تھیں اگر وہ سعادتمند ماں میرے لئے یہ دعاء کرتی مجھے کامل یقین ہے کہ آج میں بھی شہداء کے ساتھ جنت کے مزے لوٹ رہی ہوتی:

ستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دکھا گیا
کہ شام غم تو کاٹ لی سحر ہوئی چلا گیا

تو بھی نظر میں ہے

بھائی اسداللہ کی شہادت کے بعد میں بڑھ چڑھ کر جہاد کے کاموں میں حصہ لینے لگی کیونکہ انکے ہوتے ہوئے جب میں اس خواہش کا اظہار کرتی تو وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک میں زندہ ہوں میری بہن کو اسلحہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے ہاں میرے بعد بے شک اپنی حفاظت کے لئے گن اٹھانا۔

میں سوچ رہی تھی کہ ہم مظلوم ضرور ہیں لیکن اتنے مجبور نہیں کہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم پر فقط آنسو بہانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے ہم حضرت صفیہؓ کی روحانی بیٹیاں ہیں ہماری نسبت خولہؓ بنت ازور سے ہے اس لئے ہم کافروں کے لئے تر نوالہ نہیں بنیں گی۔ہم نے اپنی عزت وآبرو کی خاطر تلوار اٹھانی ہے اسلحے کو زیور بنانا ہے۔آخر ہم کب تک ان وحشی درندوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہیں گی اور کچھ نا سہی فدائی حملہ تو کر سکتی ہیں نا میری آنکھوں کے سامنے راشدہ کا مظلوم چہرہ گردش کرنے لگا اس کی بے نور آنکھیں جن کا ہر خواب اور جینے کی امنگ بھارتی درندوں نے چھین لئے تھے گویا زبان حال سے کہہ رہی تھیں ’’آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے‘‘ میرے تصورات میں عاشق اخوانی کا سفاک چہرہ گھومنے لگا اگر وہ اللہ کا شیر اسے کیفر کردار تک نہ پہنچاتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا؟ اور اگر وہ بد بخت اپنے انجام کو پہنچا تو کیا ہوا ابھی مزمل اور یادھو جیسے کئی گدھ ہمارے گرد منڈلا رہے ہیں۔وہ کافر مجاہدین کے ہاتھوں مار کھا کر بے گناہ عوام پر تشدد کر کے اپنی بھڑاس نکال لیتے تھے۔انہوں نے قسم کھائی تھی کہ مجاہدین کا ساتھ دینے کی پاداش میں ہم چیوا کے ہر گھر کو برباد کر کے رکھ دیں گے کافروں نے یہ گھناؤنا ہتھکنڈا ابھی آزما کر دیکھ لیا۔وہ گلیوں میں پھر کر نوجوان لڑکیوں اور عورتوں پر فحش فقرے کستے اور مختلف حربوں کے ذریعے تنگ کرتے رہے اگر بھولے سے انکی طرف نظر اٹھ جاتی تو بے دین کافر اشاروں میں ہی کئی گالیاں دے جاتے تھے وہاں کے لوگ ہر ظلم کو سہنے کے بعد بھی عشق ووفا

کی راہوں پر ثابت قدم رہے۔

ایک دفعہ مجاہدین کی طرف سے ہمیں ایک خط موصول ہوا خط ملتے ہی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ ہمارے گھر اکثر اسد اللہ بھائی شہیدؒ کے خط آتے تھے وہ جہاں کہیں بھی ہوتے خط کے ذریعے اپنی خیریت کی اطلاع دیتے تھے میں سمجھی شاید انہوں نے شہادت سے پہلے کوئی خط لکھا ہو جو آج ملا ہے جب ہم نے خط کھولا تو پتہ چلا کہ وہ شبیر بھائی کا ہے جو انہوں نے بھیا کی شہادت کے حوالے سے اظہار ہمدردی کے طور پر لکھا تھا، شبیر بھائی کو ان کے بعد ڈسٹرکٹ کمانڈر بنا دیا گیا تھا انہوں نے لکھا تھا کہ ہم آپ کے بھائی زندہ ہیں اور ہم سب مل کر بھائی اسد اللہ کا مشن آگے بڑھائیں گے مجھے امید ہے کہ آپ پہلے کی طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گی میں نے انہیں درد دل میں ڈوبا ہوا جوابی خط لکھا جس میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا بے پناہ اظہار تھا۔

وقت گذرتا گیا میں مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہی تھی ادھر انڈین آرمی کی نظروں میں پہلے ہی مشکوک تھی جس کی کئی وجوہات تھیں جن میں چند اہم وجوہات یہ تھیں مثلاً سکیورٹی حلقوں میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ لڑکی سرینگر میں پڑھتی ہے اور یہ سرینگر میں اسلحہ سپلائی کرنے کا کام کرتی ہے، کچھ عرصہ پہلے میرا بھانجا ولید مجاہدین کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اس کو بھی میں نے ہی ترغیب دے کر جہاد میں نکالا تھا اور میں اس کو ہمت و حوصلہ دینے کے لئے خط لکھتی رہتی تھی۔ وہ زاہد شہید سے بھی کم عمر تھا بلکہ اللہ نے اس کو اتنی کم عمری میں جہاد کرنے کی سعادت بخشی کہ داڑھی مونچھ بھی نہ نکلی تھی اس پر جب اس نے لمبے لمبے بال رکھ لئے تو لشکر والے ساتھی اسے مزاحاً کہتے تھے کہ یہ جیش والوں کی دیدی (بہن) ہے پھر غازی بابا نے ولید کے بال کٹوا دیئے۔

ایک دفعہ وہ کسی گھر میں تھا کہ فوج نے علاقے کا کریک ڈاؤن کر دیا گھر والوں نے اس کو کہا تم تو چھوٹے بچے ہو آپ پر کسی کو شک نہیں ہوگا اس لئے گن پاؤچ ادھر رکھ کر کریک ڈاؤن میں نکل جاؤ اس نے ایسا ہی کیا اور کریک ڈاؤن کے دوران بچوں کے ساتھ بیٹھا رہا آخر میں

شناختی پریڈ کے دوران ایک مخبر نے اس کی شناخت کر لی اور ولید گرفتار ہو گیا۔ گرفتاری کے وقت اس کی جیب میں میرا لکھا ہوا خط موجود تھا جس کی ہر سطر میں جہاد کی فضیلت اور محبت کا اظہار تھا۔ گو کہ میں نے خط میں اپنا نام نہیں لکھا تھا لیکن دشمن نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ خط کس کا لکھا ہوا ہے ظالموں نے میرے ننھے سے بھانجے کو ڈیڑھ دن الٹا لٹکائے رکھا اور پوچھتے رہے کہ خط لکھنے والی کا نام بتاؤ لیکن اس کمسن مجاہد کے صبر و استقلال نے سب کو حیران کر دیا۔

وہ خط دشمن نے بطور ثبوت اپنے پاس رکھا۔ نزہت سے میرے حوالے سے پوچھ گچھ کرنا اس بات کی عکاسی کرتا تھا کہ میں ان کی نظروں میں ہوں اس کے علاوہ بھارتی فوج کے ساتھ متعدد جھڑپیں اور احتجاجی مظاہروں میں بھرپور شرکت بھی مجھے ان کی نظروں میں اگروادی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر انڈین آرمی نے میرا نام اپنے ریکارڈ میں شامل کر رکھا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ آرمی والے مجھے گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ گھر والے اس صورتحال سے کافی پریشان تھے۔ میرے پاس مجاہدین کا رکھا ہوا کافی اسلحہ پڑا ہوتا تھا، گھر والے مجاہدین کا تعاون تو کرتے تھے لیکن اسلحہ قبول کرنے کے حق میں نہ تھے کیونکہ ہمارا گھر بستی کا پہلا گھر تھا سب سے پہلے فوج ہمارے صحن میں پہنچ آتی تھی اور اسلحے کو چھپانے کے لئے بھی کوئی معقول جگہ نہ تھی اس کے باوجود بھی میں مجاہدین کی ہر چیز کو اپنی ذمہ داری پر سنبھال لیتی تھی۔ شروع میں اسلحہ وغیرہ گھر کے پچھواڑے زمین میں دبا کر رکھتی تھی پھر اپنے کمرے میں ایک خفیہ ہائیڈ ایجاد کر لی جس کا گھر والوں کو بھی پتہ نہ تھا۔

ایک دفعہ ہمارے پڑوسی اعجاز بھائی نے آ کر ماں جی کو بتایا کہ مجھے کہیں سے خبر ملی ہے کہ آج آپ کے گھر چھاپہ پڑنے والا ہے آپ شانو کو کہیں بھیج دیں۔ میں اس وقت مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی ماں جی نے مجھے باجی کے گھر چلے جانے کا کہہ دیا بڑی باجی کی شادی اپنے ہی گاؤں میں ہوئی تھی ان کا گھر دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دعاء کو مختصر کر کے مصلّٰی لپیٹ دیا اس وقت تک ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے اندھیرا کچھ جلدی ہی پھیل گیا میں گھر کے پچھلی جانب سے نیم اندھیرے میں باجی کے گھر پہنچی مجھے اس وقت اس

حال میں دیکھ کر باجی سخت پریشان ہو گئیں وہ میرے ساتھ بہت محبت کرتی تھیں بڑی ہونے کے ناطے انہوں نے ہی مجھے پالا تھا۔ انہیں میری ہر خوشی عزیز تھی اس لئے راہ جہاد کے ہر کام میں وہ میری ہمراز تھیں۔ لیکن بڑی ہونے کے ناطے انہیں میرے بارے میں فکر بھی لاحق رہتی تھی اس رات ہم دیر تک باتیں کرتے رہے انہوں نے مجھ سے کہا شانو! آخر تم ایک لڑکی ہو اس طرح کب تک چھپتی پھرو گی؟ اگر تم شہید ہوتی ہو تو وہ اور بات ہے لیکن تمہاری گرفتاری ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوگی ابھی بھی وقت ہے واپس لوٹ آؤ۔ میں نے ان سے کہا یہ بات میرے لئے ناممکن ہے کیونکہ کئی مرتبہ اس چیز پر غور وخوض کرنے کے باوجود میرے جذبوں نے مجھے پیچھے ہٹنے نہیں دیا میں رو رو کر اللہ سے دعاء کرتی تھی کہ اے اللہ! اے مالک کائنات! جب تو نے مجھے اتنا جذبہ عطاء کیا ہے تو شہادت کی منزل کو پانے کے لئے راستہ بھی دکھلا دے ورنہ اے رب! میرے دل سے یہ جذبہ نکال دے جس نے مجھے دنیا سے دور کر رکھا ہے میں شہیدوں کی یاد میں اتنا روتی تھی کہ ایک مرتبہ بھائی نے امی سے تنگ آ کر کہہ دیا اسے پاگل خانے بھیج دیں کیونکہ یہ پاگل ہو چکی ہے۔

ایک اہم فیصلہ

میں چند دن باجی کے گھر میں رہی اس دوران ایک دن ہمارے گھر پر کافروں نے چھاپہ مارا۔انہوں نے میری کتابوں کے صفحے تک الٹ پلٹ کر دیکھے لیکن اللہ کے حکم سے میری ''خفیہ ہائیڈ'' کو تلاش کرنے میں ناکام رہے دن بہ دن حالات بگڑتے گئے اور راہ جہاد کی پہلی آزمائش ہجرت کے طور پر سامنے آئی پھر یہ سلسلہ چلتا رہا میں کبھی بانڈی پورہ رشتہ داروں کے پاس ہجرت پر ہوتی تو کبھی گاندربل اپنی پھوپھی کے گھر۔ زندگی کے بائیسویں سال میں قدم رکھا تو گھر میں رشتے کی باتیں ہونے لگیں۔ خاندان سے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آنے لگا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ ماں جی جب خاندان والوں کو کہتیں کہ شانو کہہ رہی ہے میں نے جہاد کرنا ہے۔ وہ لوگ میرا مذاق اڑاتے تھے کہ دھان پان سی لڑکی جس کے پاؤں میں ذرا سا پیدل چل کر چھالے پڑ جاتے ہیں کیا جہاد کرے گی؟ یہ بات سچ ہے میں نے گھر میں کوئی خاص مشقت نہیں جھیلی تھی۔ سات بہن بھائیوں میں میرا چھٹا نمبر ہے اور ساتواں راشد کا ہم دونوں کو سب کا لاڈ پیار حاصل تھا۔ بابا کئی معاملات میں میرے ساتھ مشورہ کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ میں اچھے انداز میں دلائل دیتی ہوں اس لئے مجھے وکیل بننا چاہیے لیکن جس راستے کا انتخاب میں نے کر لیا وہ سب کے لئے حیران کن اور پریشان کن تھا، ہماری بڑی بھابی کو گھر میں عزت و احترام کا مقام حاصل تھا ایک دن انہوں نے میرے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا آپ جو سوچ رہی ہیں وہ کس طرح ممکن ہے؟ ہم مجاہدین کا ساتھ دے رہے ہیں یہ بھی تو جہاد ہی ہے لیکن جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے اس طرح سے آپ دشمن کی نظروں سے کیسے بچ سکتی ہو؟ بھابی جان پڑھی لکھی خاتون تھیں انہوں نے اس حوالے سے کافی دلیلیں بھی دیں لیکن میں نے انکے تمام سوالوں کے جواب میں صرف اتنا کہا بھابی جان ممکن کیا ہے اور ناممکن کیا ہے اس حوالے سے میں نے کبھی سوچا ہی نہیں ہے میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ انڈین آرمی کے ظلم کی وجہ سے

ہم سب پر جہاد فرض ہو چکا ہے اور شہادت سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہے مجھے اب یہ دنیا اچھی نہیں لگتی شہداء کے چھلنی لاشے ہروقت میری آنکھوں میں بسے رہتے ہیں اور بھارتی درندوں کے ہاتھوں لٹنے والی مظلوم بہنوں کے نالے مجھے جینے نہیں دے رہے، میں اللہ کے راستے میں شہید ہونا چاہتی ہوں دنیاوی ماحول میں زندگی گذارنے کا تصور بھی میرے لئے ناممکن بن گیا ہے اس لئے خدا کے لئے آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ جب بھی گھر میں کوئی اس موضوع پر میرے ساتھ بات کرتا تو میرے آنسوؤں کے بند کھل جاتے تھے۔ نجانے جہاد کے ساتھ اس دیوانگی والی محبت کی کیا وجہ تھی شاید شہداء کی بے بہا قربانیاں یا پھر بھارتی فوج کی جانب سے ڈھائے گئے انسانیت سوز مظالم نے میرا دل دنیا کی رنگینیوں سے بے زار کر دیا۔ شاید اسد اللہ شہید جیسے درجنوں شہیدوں کی دعائیں میرے دامن میں تھیں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت والے راستے پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائی۔ میں ہر طرف سے پریشانیوں میں گھر گئی تھی دشمن آئے روز گھر پر چھاپے مارنے لگا تھا گھر والوں کی طرف سے رشتے کے لئے اصرار بڑھتا گیا ان کے خیال میں اس پریشانی کا واحد علاج یہی تھا۔ بالآخر میں نے بھی حتمی فیصلہ کرنے کا عزم کر لیا اس حوالے سے میں نے اپنی بڑی باجی سے مشورہ کر کے غازی بابا کے نام ایک طویل مکتوب لکھا جس میں کشمیری لڑکیوں پر ہونے والے شرمناک مظالم اور اپنے جذبہ جہاد و شوق شہادت کے حوالے سے مفصل ذکر کیا۔ انہوں نے جوابی خط میں لکھا کہ آپ کے جذبات قابل تحسین ہیں اور آپ کی قربانیاں بھی ہماری نظروں میں ہیں لیکن ہماری تنظیم میں عورتوں سے متعلق ایسا کوئی نظام فی الحال نہیں ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپکو کسی مجاہد کے ساتھ نکاح کر کے پاکستان بھیج دیا جائے وہاں آپ جہاد کا بہت کام کر سکتی ہیں۔ یہ میرا غازی بابا کے نام پہلا خط تھا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خط میں نے ڈر ڈر کے لکھا اور اس کا جواب آنے کی بھی کم ہی امید تھی۔ استاد جہادی جیسے عظیم مجاہد کی طرف سے جوابی خط پا کر میں بے حد خوش ہوئی لیکن خط کی عبارت نے مجھے شدید اضطراب میں ڈال دیا اس وقت تک میرے وہم و گمان میں کبھی یہ بات نہ آئی تھی کہ میں کسی مجاہد سے نکاح کروں گی بلکہ کشمیر کے حالات نے

دلہن بننے کے خواب دیکھنے کا موقعہ ہی نہ دیا تھا، کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی داستانیں بہت طویل ہیں طوالت کے باعث میں نے صرف چند ایک ہی کو حوالہ قرطاس کیا ہے۔

غازی بابا کا میری خالہ کے گھر کافی آنا جانا تھا بلکہ وہ ان کا خاص پوائنٹ تھا۔ گھر والے بھی ان پر جان چھڑکتے تھے ایک دن خالہ نے میرے حوالے سے کوئی بات کی تو انہوں نے خالہ کے سامنے بھی مذکورہ بالا بات دہرادی خالہ نے مزاحاً کہا ٹھیک ہے پھر آپ کے ساتھ شادی کرادیں گے۔ غازی بابا خاموش ہو گئے البتہ ان کے ساتھ جو ساتھی تھے انہوں نے نعرہ لگایا کہ بابا کی شادی واقعی اب کروانی چاہیے۔ جہادی کہنے لگے میں نے کبھی اس حوالے سے نہیں سوچا البتہ اگر آپ لوگ تیار ہیں تو ساتھی اور بھی ہیں۔ خالہ نے جواب دیا آپ بڑے ہیں دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ اس ذمہ داری کو بھی اچھے طریقے سے نبھالیں گے آپ ضرور اس بارے میں سوچ لیں۔ غازی بابا کافی دن اس بات پر غور وخوض کرتے رہے اپنی ذات کے حوالے سے وہ اتنا بڑا فیصلہ جلد بازی میں اور بلا سوچے سمجھے نہیں کر سکتے تھے۔

بھائی اسد اللہ شہید اور شبیر شہید کو لکھے گئے میرے کئی خط ان کی شہادت کے بعد غازی بابا کو ایک ہائیڈ سے مل گئے تھے جہاد کی محبت میں ڈوبے ہوئے خطوط نے انہیں فیصلہ کرنے میں مدد دی پھر انہوں نے صرف میرے نظریے کی وجہ سے یہ فیصلہ کر لیا ورنہ مجھ میں اس کے علاوہ کوئی دوسری خوبی ایسی نہ تھی جس کی بنا پر میں اس عظیم انسان کی زندگی کی ساتھی بن سکتی انہیں اس کام میں جہاد کے بھی فوائد نظر آئے کیونکہ تحریک آزادی کشمیر میں ہمیشہ سے کشمیری خواتین کا اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے پاکستان بیس کیمپ رابطہ کر کے بزرگوں سے مشورہ کیا بالآخر امیر محترم حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ نے استخارہ کرنے کے بعد انہیں نکاح کی اجازت دے دی۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو ایک لمحے کے لئے میرے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی میں بلا مبالغہ کہتی ہوں میرے دل میں جہادی کی جس قدر محبت تھی جہادی کی اتنی ہی دہشت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ پورے علاقے میں جہادی کے جلال کے کئی قصے مشہور تھے۔ مجھے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر خالہ بولیں اگر میری بیٹی بالغ ہوتی تو میں آپ کو پوچھتی بھی نہ اور اس کی شادی

استاد جی سے کر دیتی اگر یہ رشتہ ہوا تو تم سے بڑھ کر خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے؟ میں سوچنے لگی کہ استاد جہادی بے شک خطرناک ہیں غصے والے ہیں لیکن میں نے کون سا ان کے ساتھ رہنا ہے میں تو بہت جلد فدائی حملہ کروں گی اور جہاد میں شامل ہونے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا اس حوالے سے میں نے صرف یہ خواب دیکھے تھے یعنی ایک مجاہد کی رفیقہ حیات بننے کا مقصد صرف جہاد میں شامل ہونا تھا۔

جب میں نے اپنی بہن سے مشورہ کیا تو وہ بولیں استاد جہادی کے ساتھ نسبت ہمارے لئے بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ ان کے ساتھ ہماری رشتہ داری بن جائے گی لیکن کافروں کا ردعمل کیا ہوگا؟ میں نے جواب دیا کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ چار سو اپنی رحمتیں بکھیر رہا تھا۔ میں زندگی کے انتہائی نازک موڑ سے گذر رہی تھی استاد جہادی یہ نام میرے تصورات سے کہیں اونچا اور بڑا تھا جو غزوہ ہند کا ایک مایہ ناز جرنیل تھا جو اس درجہ عظیم تھا کہ ان کی خدمت کے عوض ایک ادنیٰ سے بندے کو دیدار نبی ﷺ کی زیارت جیسی عظیم سعادت اور جنت کی بشارت مل گئی، ان میں اور مجھ میں زمین و آسمان کا فرق تھا وہ آسمان جہاد کا ایک روشن اور تابندہ ستارہ تھا اور میری حیثیت خاک کے ایک ذرے سے بھی کمتر تھی۔ کیا واقعی تقدیر بنانے والے نے یہ درخشندہ ستارہ میری مانگ میں سجانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ وہ دن رات شدید اضطراب میں گذر رہے تھے پھر چودہ رمضان المبارک سوموار کا دن تھا وہ بلال بھائی (برطانیہ والے) کے ہمراہ ہمارے گھر آ گئے۔ ماں جی نے دونوں کی پیشانیوں پر بوسہ دیا اور اکرام کے ساتھ بٹھایا، دسمبر کی سردیاں شباب پر تھیں اس لئے سب سے پہلے انہیں گرم کمبل اور کانگڑیاں پیش کی گئیں۔ غازی بابا ہمارے گھر بہت کم آتے تھے کیونکہ مجاہدین کے بقول ہمارا گھر ایمبش پوائنٹ کے پاس تھا اس کے باوجود سارے گھر والے ان کے گرویدہ تھے۔ بابا ان کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے، جب بھی وہ ہمارے گھر آتے تو بابا ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے۔ یہ عقیدت مندی دیکھ کر غازی بابا بھی انکا احترام کرتے تھے اور راشد کے حادثے کے بعد بابا

نے انہیں پیر بابا ماننا شروع کر دیا تھا ہوا یہ تھا کہ ہسپتال سے گھر آنے کے بعد بھی وہ دو تین ماہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس کی پوری ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ جب ہم اس کو چلانے کی کوشش کرتے تو کھڑا ہونے کے ساتھ ہی اس کی ٹانگیں کانپنے لگتیں اور وہ گر پڑتا تھا، کسی کو امید ہی نہ تھی کہ وہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے اور تو اور بھارتی فوجی بھی آ کر اس کڑیل جوان کی معذوری پر اظہار افسوس کرتے تھے۔ ہم دونوں کی آپس میں بہت محبت تھی جس پر سب لوگ رشک کرتے تھے عید کے موقع پر جب تک میں اس کی آنکھوں میں سرمہ نہ لگاتی اور خوشبو نہ لگاتی تب تک وہ نماز کے لئے نہیں جاتا تھا میں اپنے لاڈلے بھائی کو مجاہد بنانا چاہتی تھی اور وہ بھی عزت وعظمت کے راستے کا راہ رو بننے کے لئے تیار تھا عین ان ہی دنوں ایک خطرناک موٹر سائیکل حادثے نے اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ بیماری کے دوران میں اس کی نرس بنی رہی اس کی دیکھ بھال کے علاوہ میرے ذمے اور کوئی کام نہ تھا، بھائی بہن کا رشتہ بہت پیارا اور مقدس ہوتا ہے اور جب آپس میں حد درجہ خلوص ومحبت بھی ہو تو یہ رشتہ اور بھی پیارا بن جاتا ہے میں اس کی ہمراز تھی وہ میرے ساتھ ہر بات کرتا تھا اپنے شہید دوست زاہد کو یاد کر کے وہ بہت رویا کرتا تھا اور اپنی جہاد سے محرومی پر بھی، مجھے بھی اس کی حالت اکثر رلاتی تھی۔ وہ بھی غازی بابا کا دیوانہ تھا ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگا اگر استاد جی مجھے آ کر دم کر لیں تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا راشد کی بیماری میں وہ ہمارے گھر کبھی نہیں آئے تھے اور ان دنوں بھی علاقے میں موجود نہ تھے ماں جی نے انہیں پیغام بھیجا جو انہیں جلدی ہی مل گیا پیغام ملتے ہی وہ چلے آئے انہوں نے مسکرا کر راشد سے کہا ارے مجاہد یہ کیا کر بیٹھے ہو، پھر دم کر کے فریکچر والی جگہ پر ہاتھ پھیرا وہ پانچ منٹ سے زیادہ اسکے پاس کھڑے نہیں رہے، اگلے دن راشد نے خود کھڑے ہونے کی خواہش کا اظہار کیا ایک طرف سے میں نے سہارا دیا اور ایک ہاتھ میں بیساکھی پکڑ کر کھڑے ہونے کے بعد اس کی ٹانگیں کانپی ضرور تھیں مگر وہ جم کر کھڑا رہا پھر کمرے کے دو ایک چکر بھی لگائے دو تین دنوں کے بعد وہ صحن میں نکل آیا وہ دن ہمارے لئے عید کے برابر تھا اس دن سے بابا استاد جہادی کو پیر بابا ماننے لگے۔

مرد لوگ تراویح پڑھنے گئے ہوئے تھے اس لئے مجاہدین کے پاس ماں جی ہی بیٹھی رہیں ماں جی ان کو وہی کہانی سنا رہی تھیں کہ فلاں مجاہد کی شہادت پر اس کی کیا حالت تھی اور فلاں کی شہادت پر کیا۔ دیدی نے مجھے پھلوں کی پلیٹ پکڑا کر کہا یہ اندر دے آؤ میں نے فوراً کہا میں کیسے دے آؤں کیونکہ ان کے اعلان کے بعد چیوا کی لڑکیاں ان کے سامنے نہیں جاتی تھیں اور ہم بھی کبھی ان کے سامنے نہیں گئے تھے میں نے دروازے پر دستک دے کر ماں کو باہر بلا کر پلیٹ تھما دی تھوڑی دیر بعد مرد لوگ آ گئے کچھ دیر آپس میں بات چیت ہوئی بلال بھائی شہید نے گھر اور گھر والوں کے خلوص کی تعریف کی اور جمعرات کا دن نکاح کے لئے مقرر کر دیا۔

میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

غازی بابا کے ساتھ اتنی بڑی نسبت اور ان کی زندگی کا ساتھی بننا کوئی معمولی بات نہ تھی اس لئے انہوں نے اس بات کو راز رکھنے کی خصوصی تاکید کی تھی۔ اپنی سہیلیوں میں سے میں نے صرف ایک قریبی سہیلی کو اس بارے میں بتایا لیکن نکاح میں وہ بھی شامل نہیں ہوسکتی تھی، خالہ کا گھر چونکہ زیادہ محفوظ جگہ پر تھا اس لئے نکاح کا انتظام وہاں ہی رکھا گیا نہ کوئی دعوت تھی نہ فنکشن بلکہ انتہائی سادگی کے ساتھ ہر کام کیا گیا میری خالہ زاد بہن میرے بال سنوار رہی تھی مجھے غازی بابا کی دلہن بنایا جا رہا تھا اور میں یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ سب خواب ہے یا حقیقت؟ میرے دماغ میں بہت سارے خیالات ہلچل مچا رہے تھے مجھے وہ دن بھی یاد آ رہا تھا جب میں کہہ رہی تھی کاش! میں بوڑھی ہوتی۔ میری پھپھو نے پوچھا تھا بوڑھی ہو کر کیا کارنامہ انجام دینا چاہتی ہو؟ پھر میرے جواب پر سب ہنس پڑے تھے میں نے کہا تھا میں غازی بابا کو دیکھ لیتی ان کے ساتھ باتیں کرتی۔ کشمیر کی مائیں بہنیں صرف عقیدت کی وجہ سے انہیں ایک نظر دیکھنے کی تمنائیں کرتی تھیں آج وہی غازی بابا میرا ہمسفر بننے والا تھا اور مجھے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ وہ 17 رمضان المبارک 2000ء کی ایک حسین شام تھی میں نے مغرب کی نماز ادا کی تو خالہ نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھا چند ہی نوالے لئے کہ مجاہدین کی خوشبو سے سارا گھر مہک اٹھا انہوں نے میری طرف ایک مردانہ سوٹ جوتے ٹوپی اور دستانے بھیجے اس کے علاوہ ایک کلاشنکوف اور کچھ گرنیڈ بھی۔ میں نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا جس نے راہ جہاد کے غبار سے اٹے ہوئے لباس کو میرا ''عروسی جوڑا'' بنا دیا اور ان مقدس ہتھیاروں کو میرا زیور بنا دیا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ آج تک کسی دلہن کو میرے جیسا انمول زیور نصیب نہیں ہوا ہوگا پھر معمولی سے مہر کے عوض میں اسلام کے مایہ ناز کمانڈر غازی بابا کی رفیقہ حیات بن گئی۔ اس موقع پر بھائی انعام اللہ اور بھائی ظہیر الاسلام گواہوں میں موجود تھے انہوں نے چھوارے تقسیم کر کے اپنی خوشی

کا اظہار کیا۔ نکاح کے بعد ہمیں دوسرے علاقے میں جانا تھا مجھے یاد ہے جانے سے پہلے مجھے بھی دو چھوارے دیئے گئے جنہیں میں نے دستانے والے ہاتھ میں اس وقت تک دبوچ کر رکھا تھا جب تک ہم دوسرے پوائنٹ پر نہ پہنچ گئے۔

وہ سارا راستہ پگڈنڈیوں والا تھا رمضان المبارک کی وجہ سے ستاروں کا نور کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا اس لئے راستے کی کچھ نہ کچھ سمجھ آ رہی تھی ایک جگہ پگڈنڈی سے میرا پاؤں پھسلا اور میں گرتے گرتے بچ گئی۔ غازی بابا بولے کیا سوچ کر مجاہد سے شادی کی کسی دنیادار سے کر لیتیں تو وہ آپ کو موٹر کار پر لے جاتا میں ایک پردیسی مجاہد ہوں نہ یہاں میرا کوئی گھر ہے اور نہ کچھ میرے ساتھ اب جنگل میں ہی رہنا پڑے گا۔ میں خاموشی سے ان کے پیچھے چل رہی تھی پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

انہیں پتھروں پہ چل کے اگر آ سکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

بھائی انعام اللہ اور ظہیر الاسلام شہیدؒ آگے آگے چل رہے تھے ہم سب کھیتوں کے بیچ سے سفر کر رہے تھے اسی دوران مین روڈ سے انڈین آرمی کی گاڑیاں گذرنے لگیں، جہادی مسکرا کے بولے وہ دیکھو ہمارے باراتی بھی آ گئے میں ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی ایک جگہ وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے میں نے آپ کو معمولی سی رقم میں خرید لیا ہے کیا سوچتی ہوں گی آپ کہ پاکستانی کنجوس ہیں۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا نہیں کشمیری سستے ہیں۔ میرے جواب پر وہ ہنس پڑے اور بولے میں تو آپ کو گونگی سمجھ رہا تھا آپ تو بہت تیز ہیں۔ وہ اپنی رفتار سے چل رہے تھے اور مجھے تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا وہ میری کیفیت کو سمجھتے ہوئے زیرِ لب مسکرائے اور ترنم کے ساتھ یہ نظم پڑھنے لگے۔

یہ کیا کہ سانسیں اکھڑ گئی ہیں سفر کے آغاز میں ہی یارو
کوئی بھی تھک کر نہ راستے میں نڈھال ہوگا یہ طے ہوا تھا
جدائیوں میں نہ قربتوں کا ملال ہوگا یہ طے ہوا تھا
محبتوں میں ہر ایک لمحہ وصال ہوگا یہ طے ہوا تھا

یہ نظم اس دن میرے دل میں بس گئی اور ہر قدم پر ہر موڑ پر ہمارے ساتھ رہی کیونکہ یہ ایک عہد تھا راہ وفا کی کٹھنائیوں اور صعوبتوں پر صبر کرنے کا اور راہ جہاد میں ہر طرح کی قربانی دینے کا۔ آج بھی جب کبھی میں یہ نظم سنتی ہوں تو مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جہادی کی پرسوز آواز میرے کانوں میں گونجنے لگتی ہے اور وہ سارا منظر میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ بستی میں پہنچنے تک اندھیرا پھیل چکا تھا گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر انہوں نے مجھ سے کہا آج 17 رمضان یعنی یوم البدر ہے حضرت حنظلہؓ کی ایک رات کی دلہن کو یاد رکھنا راہ جہاد میں ایسے بھی موڑ آتے ہیں اس لئے آپ اس چیز کے لئے بھی تیار رہنا میں ایک ضروری کام سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔ میں انہیں نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی ان کی باتیں میرے دماغ میں گونج رہی تھیں میں سوچ رہی تھی کہ شادی کی پہلی رات بھی اس مرد مجاہد کو اپنے کام سے غافل نہ کر سکی۔ وہ گھر والے ہمارے عزیز ہی تھے اور خاص حمایتی بھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ساتھ والے گھر میں ان کی میٹنگ ہے کافی دیر گزرنے کے بعد وہ واپس آ گئے سب سے پہلے مجھ سے یہ عہد لیا کہ راہ جہاد میں کبھی ان کے قدموں کی زنجیر نہ بنوں پھر کہنے لگے کہ میری رفاقت میں آپ کو طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا میں نے جواباً کہا آپ مجھے ہر قدم پر ثابت قدم پائیں گے اس موقع پر انہوں نے مجھے ایک خوبصورت اور عمدہ کشمیری شال ہدیہ کرتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ مجھے ساری زندگی یاد رہیں گے انہوں نے کہا تھا میرے بس میں ہوتا تو مانگ ستاروں سے بھر دیتا لیکن میں راہ خدا کا مجاہد ہوں میرے پاس آپ کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے ہاں خلوص و وفا میری ملکیت ہے جو ہمیشہ دیتا رہوں گا۔

میں نے جواب دیا میں نے فقط جہاد اور شہادت کی تمنا میں آپ کا ہاتھ تھاما ہے اس سے بڑھ کر اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اب جہاد کرنے کا پورا موقعہ دیا ہے آپ مجھے اپنا ہم مشن ساتھی سمجھ لیں۔

تربیت

نئی زندگی کے شب وروز راز و نیاز کے ساتھ بیت رہے تھے جہادی سخت احتیاط برتنے کے عادی تھے ان کا کہنا تھا کہ راہ جہاد میں بغیر احتیاط کے کامیابی ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے صفاپورہ جیسے چھوٹے سے علاقے میں ایک عرصہ ایک بریگیڈ فوج کو اپنے پیچھے گھمائے رکھا۔ ہمارے نکاح سے جو لوگ واقف تھے ان سب کو جہادی نے یہ بات راز میں رکھنے کی سخت تاکید کردی تھی اس کا فائدہ یہ ہوا کہ نکاح کے بعد چھ ماہ میں گھر میں ہی رہی البتہ احتیاطًا رات کو گھر میں کم ہی سوتی تھی ہماری ملاقات زیادہ تر خالہ کے گھر ہی ہوتی تھی۔ وہ شام کے وقت آتے اور رات کے آخری پہر واپس چلے جاتے تھے۔ چند ملاقاتوں کے بعد میں نے انہیں اپنے تصور سے بالکل مختلف پایا۔ پہلے میں سخت حیران ہوئی کہ بظاہر سخت نظر آنے والا شخص اس قدر خوبصورت اور نرم دل کا مالک ہے وہ میرے تصور سے بھی خوبصورت تھے۔ دراز قامت گھنگھریالے لمبے بال اور عقابی آنکھوں والا جہادی جب اپنے جسم پر اسلحہ سجاتا تھا تو بالکل شہزادہ نظر آتا تھا۔ نکاح کے تیرہ دن بعد عید الفطر آئی اس موقع پر انہوں نے مجھے سونے کی انگوٹھی تحفے میں دی جس پر سعدیہ جہادی کندہ تھا، میرے دل میں جب سے اسلحے کی محبت رچ بس گئی سونے چاندی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی میں نے ان سے کہا آئندہ آپ میرے لئے اس طرح کی کوئی چیز نہ لائیے گا آپ کی رفیقہ حیات بننے کے بعد یہ چیزیں میرے ساتھ اچھی نہیں لگتیں، پھر کس طرح کی چیزیں اچھی لگیں گی؟ ان کے سوال میں تجسس تھا۔ اب تو اسلحہ ہی میرا زیور ہے اگر آپ تحفہ دینا ہی چاہیں گے تو گولیوں کا ہار بنا کر پہنا دیں اس بات پر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے پھر میرے ہاتھ میں انگوٹھی پہناتے ہوئے محبت سے بولے اسے میری محبت کی نشانی سمجھ کر ہمیشہ سنبھال کر رکھنا۔

مجھے اسلحے کی کافی حد تک سوجھ بوجھ تھی لیکن میں نے ان سے مکمل تربیت لینے کی خواہش

ظاہر کی انہوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملنے کا مقصد ہی جہاد ہے اس لئے اس چیز کو اولین ترجیح دی جائے گی اس کے بعد ہماری ملاقات کا پہلا حصہ ٹریننگ کے لئے مختص ہو گیا پیریڈ کے دوران وہ صرف استاد جہادی ہوتے تھے اور میں ان کی شاگرد۔ اس دوران ان کا چہرہ بالکل سنجیدہ اور سپاٹ ہوتا تھا اور میں صحیح معنوں میں سہم جاتی تھی۔ان کی بارعب شخصیت کی وجہ سے کئی ماہ تک میں ان کے ساتھ گھل مل کر باتیں نہیں کر سکتی تھی، ٹریننگ کے دوران وہ اپنے اصلی جلالی روپ میں ہوتے تھے کوئی رعایت کوئی نرمی نہیں ذرا سی غلطی پر سزا مل جاتی تھی وہ صرف دو انگلیوں کی ضرب میرے ہاتھ پر لگاتے تھے اور دونوں انگلیوں کے نشان چھپ جاتے تھے ظاہری بات ہے کہاں غازی بابا کے کمانڈو ہاتھ جنہوں نے پہلوان کی درگت بنائی تھی اور صادق آباد والا گندم کا پڑولا (ڈرم) ٹیڑھا کر رکھا تھا اور کہاں میرے ہاتھ۔تربیت کا آغاز میٹرکس (وائرلیس) سیٹ سے ہوا اس کے بعد پسٹل اور دیگر چیزیں بھی سکھائی گئیں۔میں ہر چیز کو ذاتی دلچسپی کے ساتھ سیکھ رہی تھی اور ہر چیز کو بہت جلد ذہن نشین کر لیتی تھی اس بات سے جہادی بہت خوش ہوئے اور سب سے پہلے مجھ سے باہم رابطے کے لئے کوڈ شیٹ (میٹرکس) بنوا لئے۔

میکاروف پسٹل کے ساتھ کچھ ان بن ہو جاتی تھی ایک مرتبہ اس کی کھول جوڑ کے دوران میرا ہاتھ زخمی ہوا میں نے زخم کو معمولی جان کر نظر انداز کر دیا۔لیکن لوہے کا زخم تھا اس لئے فوراً خون بہنا شروع ہو گیا۔یہ دیکھکر جہادی بہت متاثر ہوئے اور مجھ سے کہا راہ جہاد میں بہنے والا خون مبارک ہو۔میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ! کشمیر میں ظلم اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہنڈیا میں چمچ چلانے والے نرم و نازک ہاتھ اسلحہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔اے اللہ! اب تو اپنی نصرت بھیج اور کشمیر کو آزادی عطاء فرما انہیں کشمیر سے بہت محبت تھی وادی کشمیر کا گوشہ گوشہ ان کا مسکن رہا ہے انہیں اس مظلوم وادی کے مظلوم عوام سے محبت تھی اس لئے کشمیر کی سرزمین نے انہیں اپنے سینے میں چھپا لیا۔

میرے خواب رفتہ رفتہ پورے ہو رہے تھے۔جب میں جسم پر اسلحہ سجائے اندھیری راہوں

پر ان کے ساتھ چلتی تھی تو مجھے بہت خوشی ہوتی تھی کہ مجھے اللہ کے راستے میں ہتھیار اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ مجھے ایسے خطرناک راستوں سے چلاتے تھے جہاں عام طور پر ایمبش لگا ہوتا تھا شاید وہ اس طریقے سے میری تربیت کر رہے تھے یا شاید میری ہمت وحوصلے کا امتحان لے رہے تھے اللہ کے فضل سے مجھے کبھی کوئی ڈر یا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے میرے دل سے ڈر اور خوف نکل گیا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت ہم لوگ خالہ کی طرف جا رہے تھے پہلے مجاہدین چھوٹی ٹارچ کا استعمال کرتے تھے لیکن دشمن کی نقل وحرکت میں اضافہ ہونے کے بعد اس کے استعمال میں کمی آ گئی۔ ہمارے ساتھ بھائی ظہیر الاسلام تھے میں جہادی کے پیچھے چل رہی تھی ایک جگہ کسی چیز سے میرا پاؤں ٹکرایا بائیں ہاتھ پر بہت گہرائی تھی میں پھسل کر نیچے گرنے والی تھی عین اسی لمحے جہادی نے لپک کر مجھے تھام لیا۔ اگر میں نیچے گر جاتی تو میری ہڈی پسلی کا ایک ہو جانا لازمی بات تھی جب ہم خالہ کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ مجھے دیکھتے ہی رہ گئے میری کمر کے ساتھ گرنیڈ بندھے ہوئے تھے اور کندھے کے ساتھ کلاشن لٹک رہی تھی میں نے ان سے پوچھا آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولے اتنی سی تو ہیں آپ اور اس قدر کٹھن راستے پر چل پڑی ہیں اگر آپ گر جاتی تو کیا ہوتا؟ میں نے کہا آپ کے سامنے میں اتنی سی نظر آتی ہوں ویسے پورے اکیس سال کی ہوں۔ اور اگر گر جاتی تو اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ زخمی ہو جاتی۔ وہ محبت سے بولے سعدی جب تک میں ہوں آپ کو کبھی گرنے نہیں دوں گا میں نے جواب دیا جب تک کیوں؟ ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور ساتھ ہی شہید ہوں گے، آپ مجھے فدائی کارروائی کے لئے بھیج دیں شوق شہادت ہی نے مجھے دنیا سے دور کر دیا ہے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ انہوں نے فدائین کی لسٹ میں پہلا نام میرا لکھا ہوا ہے اور جب بھی کوئی اچھا ٹارگٹ مل جائے وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے کارروائی کرائیں گے۔

رابطہ کار

تربیت میں چھوٹے بڑے سبھی ہتھیار شامل تھے لیکن زیادہ توجہ وائرلیس سیٹ اور R.C (ریموٹ کنٹرول) پر رہتی تھی ان کا خیال تھا کہ میرے ذریعے سے مائن بلاسٹ جیسی کارروائی آسانی سے کرائی جاسکتی ہے۔ اور مائن بلاسٹ کے لئے مذکورہ بالا دونوں چیزوں کی معلومات رکھنا از حد ضروری ہے، مین روڈ جہاں سے زیادہ تر بارودی دھماکے کئے جاتے تھے کے دونوں اطراف ہمارے باغ اور زمینیں تھیں اس وجہ سے میرے لئے ادھر جانے میں کوئی دشواری نہ تھی، آرسی اور سیٹ کو چھپانا بھی کوئی مشکل کام نہ تھا۔ کئی بار بارودی کارروائی کی مکمل تیاری ہوئی لیکن عین موقع پر اللہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی اور کارروائی مؤخر کر دی جاتی تھی بہر حال سیٹ کے ذریعے بطور رابطہ کار اللہ نے بہتر کام کرنے کا موقع فراہم کیا مجاہدین نے دشمن کی صفوں میں اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے، وہ نہ صرف کیمپ کے اندرونی حالات کی خبر پہنچاتے بلکہ بعض دفعہ کریک ڈاؤن کی بھی بروقت اطلاع دیتے تھے اس طرح ہر گاؤں کے اندر ایک رابطہ کار بھی موجود ہوتا تھا جو وائرلیس سیٹ کے ذریعے مجاہدین کو علاقے کے حالات اور دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاعات فراہم کرتا تھا چونکہ مجاہدین رات کے اندھیرے میں ہی نقل و حرکت کرتے ہیں اس لئے شام کے وقت اپنے رابطہ کار سے حالات معلوم کرنے کے بعد اسی حساب سے وہ اپنے پروگرام ترتیب دیتے تھے۔

ہمارے گاؤں میں عمران نام کا لڑکا کافی عرصے سے اس کام پر مامور تھا جو ایکسپوز ہو گیا تھا اور آرمی نے اس کے گھر پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے نتیجتاً اس کو علاقہ چھوڑ کر کہیں روپوش ہونا پڑا، وائرلیس سیٹ کو ایک مخصوص رینج سے باآسانی ٹریس کیا جا سکتا ہے صفاپورہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں آرمی کے پاس سیٹ ٹریس کرنے کے لئے جدید ترین سہولیات موجود تھیں اور ہمارے علاقے سے ہیڈ کوارٹر تک فضائی راستہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ کلومیٹر کا ہو گا یہ کوئی

زیادہ فاصلہ نہ تھا اس لئے ان کے لئے رابطہ کا فاصلہ سمت اور رابطہ کار کی آواز کا کھوج لگانا کوئی مشکل کام نہ تھا اس وجہ سے رابطہ کار فوراً ٹریس ہو جاتا تھا۔

غازی بابا کے ساتھ میرا روزانہ شام سات بجے رابطہ ہوتا تھا۔ انہوں نے مجھے سرگوشی میں بولنے کی ہدایت کی تھی کیونکہ اس طرح مرد عورت کا پتہ نہیں چلتا ہے دوسرا یہ کہ میں مؤنث کی بجائے مذکر کا صیغہ استعمال کروں مثلاً سن رہی ہوں کی بجائے سن رہا ہوں۔ سیٹ کے بارے میں وہ مجھ پر مکمل اعتماد کرتے تھے بقول ان کے میں سیٹ پر "بونگی" نہیں لگاتی اور کوڈ ورڈ کا صحیح استعمال کرتی ہوں اس لئے انہوں نے مجھے رابطہ کار کی اہم ذمہ داری سونپ دی، میں دن بھر کی معلومات انہیں میٹرکس کے ذریعے فراہم کرتی تھی۔ بھارتی فوجی روزانہ ہمارا رابطہ سن رہے ہوتے تھے ان کے لئے میرے بولنے کا انداز بالکل نیا تھا انہیں دھوکہ دینے کے لئے جہادی مجھ سے پوچھتے تھے الفاسیون (سیٹ کوڈ) خیریت تو ہے آپ اس طرح کیوں بات کرتے ہیں میں جواب دیتی میں سڑک پر کھڑا ہو کر رابطہ کر رہا ہوں یا یہ کہ میں صحیح لوکیشن میں نہیں ہوں اس طرح احمق بنیا مجھے ایک عرصہ مرد سمجھتا رہا جو کسی مجبوری کے سبب سرگوشی میں بات کر رہا ہے۔ بھارتی فوجی رابطے کے دوران مجاہدین کو تنگ کرتے رہتے تھے ایک بار رابطے کے دوران ایک فوجی نے ہمیں بہت تنگ کیا وہ کبھی پریسنگ کر کے اور کبھی گانے چلا کر رابطے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا، ہم نے کئی بار فریکوئنسی تبدیل کی، شاید وہ انڈین آرمی کا وائرلیس آپریٹر تھا اس لئے وہ ایکمنٹ سے پہلے پہلے دوسرے نمبر پر پہنچ آتا تھا۔ جہادی کا سیٹ کوڈ ایثار بھائی تھا لیکن ان کی منفرد آواز کی وجہ سے فوجی انہیں فوراً پہچان لیتے تھے انہوں نے فوجی کو دو چار سنائیں بنیا ادب واحترام سے کہنے لگا ایثار بھائی (ایثار بھائی) آپ ناراض نہ ہوں میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں مجھے آپ کی آواز بہت اچھی لگتی ہے ڈیڑھ سال پہلے آپ نے اپنی ماں کو سیٹ پر ایک شعر سنایا تھا وہ میں نے اپنی ڈائری پر نوٹ کر رکھا ہے۔ فوجی نے جھٹ سے شعر بھی سنا ڈالا جہادی نے کہا ٹھیک ہے اگر تم میرے فین ہو تو رابطے میں رکاوٹ نہ بنو اور یہ گانے چلانے بند کرو فوجی بولا مجھے معلوم ہے آپ لوگ نجم (نظم) سنتے ہیں بس آپ میری ایک بات سن لیں پھر میں آپ کو تنگ نہیں کرتا۔

ایثار بھائی سنا ہے آپ بہت پڑھے لکھے ہیں خوبصورت بھی ہیں آپ ادھر آ کر ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں بس میری ایک بات مان لیں آپ پاکستان واپس جا کر کسی پیاری سی لڑکی کے ساتھ شادی کر لیں اس کے آخری جملے پر ہم دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اگلے دن میں نے سیٹ کھولا تو پریسنگ جاری تھی اس کا مطلب ہوتا ہے کہ کوئی لائن پر ہے میں نے جہادی کو سمجھ کر بات کی تو آگے فوجی نے بکواس شروع کر دی میں نے غصے سے کہا فوجی الو کے پٹھے تو آج پھر آ گیا ہے اس نے جھٹ سے جواب دیا او غازی بابا کے چمچے سالے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا میں نے کہا لالہ جی تجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میرا کچھ بگاڑ سکو میں دن میں کئی مرتبہ تیرے سامنے سے گذرتا ہوں اور تجھے پتہ بھی نہیں چلتا کسی دن میں تجھے ایسے ہی کھڑکاؤں گا کہ تجھے خبر بھی نہ ہوگی۔ بنیا یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ پھر بھی وہ کئی دن ہمیں تنگ کرتا رہا بالآخر غازی بابا نے خط کے ذریعے مجھے نیا فریکوئنسی نمبر لکھ کر بھیجا اس کے بعد ہم اسے نہیں ملے ایک عرصہ بعد اس نے جہادی سے پوچھا ایثار بھائی! کیا الفا سیون (شہید) ہو گیا وہ بولے الو کے پٹھے وہ ہمارا بہت قیمتی ساتھی ہے اس کی تشکیل دوسرے علاقے میں ہو گئی ہے۔

بھارتی فوجی س کو ش اور ش کو س کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جلیل کو ذلیل اور ذلیل کو جلیل کہتے ہیں۔ وہ غصے میں اگر کسی کو گالی دیں تو کہتے ہیں تو بڑا جلیل آدمی ہے۔

مزمل کا مکر وفریب

غازی بابا انڈین آرمی کے لئے گلے کی ہڈی بن چکے تھے جس کو وہ نہ نگل سکتے تھے اور نہ اگل سکتے تھے، وہ مقامی لوگوں پر ظلم وتشدد کر کے اور کبھی انعام کا لالچ دے کر مجاہدین کے تعاون اور حمایت سے باز رکھنے کے تمام داؤ آزما چکے تھے لیکن کشمیر کے لوگوں نے ظلم کے آگے سجدہ ریز ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ سی او نے کریک ڈاؤن کے دوران لوگوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے غازی بابا کو گھروں میں پناہ دی تو میں پورے علاقے پر بلڈوزر چلاؤں گا لوگوں نے اس کی دھمکی کو بھی جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے مجاہدین سے تعاون جاری رکھا تمام حربے ناکام ہونے کے بعد مزمل کے شیطانی دماغ نے ایک گھناؤنی اور بزدلانہ چال چلی اس نے تمام لوگوں کو کیمپ میں حاضری دینے کا حکم دیا، وہاں کے ستم رسیدہ لوگوں کو اکثر کیمپ میں بلایا جاتا تھا پھر تمام دن ان سے بیگار لی جاتی اور برین واشنگ بھی کی جاتی تھی، مزمل نے لوگوں کو سخت ڈرایا دھمکایا اور کہا میں تمہاری دودھ پیتی بچیوں کو بھی اٹھالوں گا، یہ الفاظ مذکورہ بالا سی او نے بھی کہے تھے، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ غازی بابا کو پکڑنے میں ہمارے ساتھ تعاون کرو جو ہمارے ساتھ تعاون کرے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ لوگوں نے جان چھڑانے کے لئے ان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے حامی بھر لی پھر اس مکار آدمی نے چند غریب لوگوں کو چپکے سے زہر کی پڑیا تھما دی اور کہا جب غازی بابا تمہارے گھر میں آجائے یہ اس کے کھانے میں ملا دینا۔ اس طرح کی بزدلانہ پالیسی سے انڈین آرمی نے گاندربل میں حزب المجاہدین کے مایہ ناز کمانڈر بمبار خان کو شہید کر ڈالا تھا۔ بمبار خان ایک مقامی مجاہد تھا وہ ایسا بہادر اور جری انسان تھا جس کا نام سن کر کافروں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا وہ کئی بار محاصرہ توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہوا، ان کے گلے میں پیکا گن ہوتی تھی جس سے دشمن پر اندھا دھند گولیاں برسا کر نکل جاتے تھے بلکہ بھارتی فوجی انہیں خود راستہ دے دیتے تھے بالآخر دشمن نے مکر وفریب کے ذریعے انہیں

شہید کر دیا ایک غدار نے ان کے کھانے میں ایسی ہی کوئی چیز ملا دی وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں مکان سے باہر آئے اور ادھ کھلی آنکھوں سے دشمن پر گولیاں برساتے رہے آرمی کو ان کے قریب جانے کی پھر بھی ہمت نہ ہوئی جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب اسلام کا شیر شہید ہو چکا ہے پھر بزدل کافر ان کے قریب آئے۔ غازی بابا کی ان کے ساتھ گہری دوستی تھی، کافروں نے اب غازی بابا پر بھی وہی حربہ آزمانا چاہا لیکن یہاں تو وفا شعاری کی ایسی شمعیں روشن تھیں جنہیں ظلم و جور کی کوئی بھی آندھی بجھا نہیں سکتی تھی۔ جب غازی بابا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ''پیلی پورہ'' علاقے میں گئے تو لوگوں نے وہ پڑیاں ان کے ہاتھ پر رکھ دیں یہ تقریباً تین چار گھر تھے سب نے انہیں احتیاط برتنے کا مشورہ بھی دیا خالہ نے ان پر سخت پابندی عائد کر دی کہ سوائے ان کے وہ کسی گھر میں کھانا نہ کھایا کریں۔

بزدلانہ حرکت کا جواب

پھر ایک دن اسلام کے جری اور بے باک جرنیل نے اپنے بزدل دشمن کو اس گھٹیا حرکت پر دلیرانہ اور مجاہدانہ جواب دینے کا فیصلہ کرلیا، انہوں نے اپنے جانبازوں سے مشورہ کیا، ہر کسی کی خواہش تھی کہ کارروائی کے لئے میرا بھی انتخاب ہو جائے۔ مشاورت کے بعد چھ جانبازوں کو منتخب کرلیا گیا، ان کے دلوں میں شہادت کی تمنائیں مچلنے لگیں داؤد بھائی کی آنکھوں میں حور عینا کی چمک اتر آئی کیونکہ وہ دولہا تھے، انہوں نے کیمپ کے اندر گھس جانا تھا، اس سرفروش قافلے میں ننھے مجاہد ظہیر الاسلام بھی شامل تھے۔ ایک شام عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی کوئی غسل کر رہا تھا کوئی نوافل ادا کر کے اپنے اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے میں مصروف تھا کوئی سجدے میں گر کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہا تھا، پھر اسلحہ سجایا گیا شیل راکٹ لانچر اور گنیں تیار کرلی گئیں غازی بابا بھی سر سے لے کر پاؤں تک جہادی زیور سے خوب آراستہ ہو گئے کڑیل جسم پر یہ سب چیزیں بہت سج رہی تھیں بلاشبہ اسلحہ مومن کا زیور ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

یہ تیر و تلوار اور خنجر زیور ہے اے جوانو!
حسین لگتے ہو کس قدر تم یہ اسلحہ تو سجا کے دیکھو

رات چپکے چپکے ہر شے کو اپنے دامن میں چھپانے لگی تھی، چھ مجاہدین پر مشتمل سرفروش قافلہ ہیڈ کوارٹر کی طرف محو سفر تھا، حوریں بناؤ سنگھار کر کے آسمان کے پردوں سے جھانک رہی تھیں فرشتے ان کی عظمت اور جرأت کو سلام کر رہے تھے اور کیوں نہ کرتے جیشِ محمد (ﷺ) کا ایک چھوٹا سا دستہ کفر کی کثیر تعداد کو للکارنے جا رہا تھا۔ صفاپورہ کا آرمی ہیڈ کوارٹر وسیع علاقے میں پھیلا ہوا تھا اس لئے مقامی لوگ اسے "بڈ کیمپ" یعنی بڑا کیمپ کہتے تھے مگر اللہ کے سپاہیوں کے آگے اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ غازی بابا فتح یا شہادت کا نعرہ لگا کر جب میدان میں کود پڑتے تھے پھر نہ دشمن کی کثیر تعداد ان کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا کرتی اور نہ اپنی تعداد کی قلت ان کے

راستے کی رکاوٹ بنتی۔ دو ساتھیوں کو سڑک پر گھات میں بٹھا دیا گیا تا کہ کوہستان کالونی والے کیمپ سے کوئی کمک آئے تو اس سے نمٹا جا سکے ہمیشہ کی طرح اس دن بھی غازی بابا کی چھوٹی ٹیپ ان کے ساتھ تھی۔ کیمپ کے قریب پہنچ کر انہوں نے دبی دبی سسکیوں میں یہ نشید پڑھی ''لبیک اسلامی لبیک قرآنی لبیک'' کے بعد تکبیر کا نعرہ بلند ہوا اور کیمپ پر آگ برسنے لگی شراب کے نشے میں دھت مشرک اس افتاد سے بے خبر تھے راکٹ لانچر کے زوردار دھما کے دور دور تک ماحول کو دہشت زدہ بنا رہے تھے پہرے دار خوفزدہ ہو کر کیمپ کے اندر گھس گئے۔ مجاہدین نے ان کے مورچے اڑا دیئے انہیں کسی کی للکار نے حواس باختہ کر دیا تھا ''او بھارتی کتو ہم تمہاری موت ہیں ہمت ہے تو باہر نکلو'' یہ غازی بابا تھے۔ خالدؓ کی للکار اسلام کا وہ قابل فخر سپوت جو چیلنج دے کر دشمن پر حملہ آور ہوتا تھا۔ حوروں کے دولہا داؤد بھائی کیمپ کے اندر گھس کر کافروں کو چن چن کر قتل کر رہے تھے کیمپ کے اندر افراتفری کا عالم تھا وہ اندر کے فائر سے بچنے کے لئے باہر بھاگتے تھے تو باہر غازی بابا کا دستہ ان کا استقبال کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجاہدین اندر بھی ہیں اور باہر بھی یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ بات پوری دنیا پر عیاں ہے کہ انڈین فوجی نہتے لوگوں کے مقابلے میں شیر ہیں لیکن مجاہدین کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔ لوگوں کو بلڈوزر سے اڑانے کی دھمکی دینے والا سی او اور جہادی کی تلاش میں گلی گلی مارا مارا پھرنے والا مزمل نہ جانے کس کونے میں دبکے بیٹھا ہوا تھا ادھر شیر پھر دھاڑا ''او مزمل کتے باہر آ دیکھ تو آج کون آیا ہے'' مزمل کو معلوم تھا کہ وہ کون ہے اس لئے تو جان کے لالے پڑ گئے تھے غازی بابا پر اس وقت عجیب طرح کا جنون سوار تھا وہ کیمپ کے گرد گھوم گھوم کر حملہ آور ہو رہے تھے اس رات صفا پورہ کے لوگ چھتوں پر چڑھ کر مجاہدین کی شجاعت اور کافروں کی درگت کا نظارہ کر رہے تھے اور خیبر خیبر یا ہنود جیش محمد سوف یعود کے نعروں سے تمام علاقہ گونج رہا تھا۔ کافی دیر بعد کیمپ سے جوابی کارروائی شروع ہو گئی غازی بابا پر جوش انداز میں ساتھیوں سے بولے ساتھیو! حوصلہ رکھو ہمارا شیر اندر ہے ان کے پیٹ میں وہ ابھی تک لڑ رہا ہے رب کی جنت ہماری منتظر ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کافروں نے ویری لائٹ (روشنی والے) گولے فائر کئے

جن سے تمام علاقہ روشن ہو گیا غازی بابا نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دیا اور بلند آواز میں یہ اشعار پڑھنے لگے:

یہ راستہ لاکھ مشکل ہو مگر اے دشمنو سن لو
یہ جذبہ عشق و مستی کا مجھے رکنے نہیں دیتا
ہمارے سر میں سودا ہے شہادت کا
جہاد فی سبیل اللہ ہمارا مقصد ہستی
ہمیں رکنا نہیں آتا ہمیں منزل پہ جانا ہے۔

کریک ڈاؤن

اس کارروائی سے علاقہ بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی درجن بھر کافروں کی ہلاکت مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کے زخموں کا مداوا تھا۔ اگلے دن انڈین آرمی نے اپنی پرانی روش کے مطابق پورے علاقے کا کریک ڈاؤن کر کے عوام کو زدوکوب کیا۔ آرمی والے مجاہدین کی تلاش کے لئے تربیت یافتہ کتے بھی ساتھ لائے لیکن فوجی کتے بھی اپنے آقاؤں کی طرح نامراد ہی ٹھہرے اور ان کی نشاندہی پر بے گناہ لوگ دھر لئے گئے۔ اس دن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے لطیفے کی شکل اختیار کر لی۔ ہوا یہ کہ فوجی کتے نے ایک نوجوان کو سونگھنا شروع کر دیا جس پر فوجی اسے دہشت گرد قرار دے کر پکڑ کر لے گئے اس کی ماں ان پڑھ خاتون تھیں وہ کریک ڈاؤن میں سی او کے پاس فریاد لے کر آئی۔ سی او چونکہ ہندو تھا اور کشمیری زبان سے ناآشنا تھا اس لئے خاتون نے کشمیری زبان کو اردو میں بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے باآواز بلند کہنا شروع کر دیا صاحب بچہ کھیتی پر آب لاگتا ہون۔ یلہ تراتا مشک ہیاتہ اورہ کھالتا یورہ والتا یہ کیا کرتا؟

(صاحب میرا بچہ کھیتوں کو پانی لگا رہا تھا کتے نے اس کو سونگھا اور وہ فوجی اس کو پکڑ کر لے گئے اس کو ادھر اُدھر اپنے ساتھ گھما رہے ہیں۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں) یہ رنگین اردو سن کر مجمع میں ہر طرف سے قہقہے بلند ہوئے۔ ایک اور بوڑھے آدمی سے آرمی والوں نے پوچھا تیرے گھر میں کتنے اگروادی ہیں؟ اس نے فوراً جواب دیا سر چھ ہیں۔ اچھا چلو ہمیں دکھاؤ فوجی اس کے ساتھ چل رہے تھے گھر جا کر اس نے اپنے چھ بیٹوں کے نام لے لے کر انہیں بلایا اور بولا سر یہ ہیں اگروادی۔ فوجی یہ ذلت دیکھ کر سیخ پا ہوئے اس کے بیٹوں نے انہیں یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا یہ ہمارے والد صاحب آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھے حالانکہ اگروادی کا مطلب کشمیر کا ہر بوڑھا بچہ جانتا تھا لیکن بزرگ نے انڈین آرمی کو محض بے وقوف بنانے کے لئے ایسا کیا۔

بھارتی فوج کو الو اور بے وقوف بنانے میں ایک مشہور معروف نام ''قادر نائی'' کا تھا۔

انتہائی غریب مفلس اور سادہ لوح آدمی تھا وہ انڈین آرمی کو بے وقوف بنانے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتا رہتا تھا جس پر فوجی آئے دن اس کی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دیتے تھے۔ کئی کئی روز وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہتا تھا۔ لوگ اس کی حالت زار پر ترس کھا کر اس چیز سے باز آنے کا مخلصانہ مشورہ دیتے تھے لیکن وہ ماریں کھا کر بھی اس محاذ پر ڈٹا رہتا تھا۔ وہ غازی بابا کے ساتھ اندھی محبت کرتا تھا، ان کی محبت میں قادر نائی نے اپنے بچوں کے نام تبدیل کر کے غازی بابا کے ناموں پر رکھ دیئے تھے اس کے تین بیٹے تھے۔ جہادی، غازی اور شہباز۔ ایک مرتبہ کریک ڈاؤن کے دوران میجر نے اس سے پوچھا جہادی کو دیکھا ہے؟ ہاں سر کتنی بار ملے ہو؟ سر روزانہ ملتا ہوں اچھا میجر نے اس مسکین سی صورت والے آدمی کو گھور کر دیکھا پھر یہ سوال کیا اس وقت وہ کہاں ہوگا؟ سر اس وقت وہ میرے گھر میں ہے۔ وہ نہ جانے کس مٹی سے بنا ہوا تھا اسے علم تھا کہ اس بات کی اسے کیا سزا ملے گی لیکن وہ ہر حال میں میجر کو الو بنانے پر تلا ہوا تھا اس کا گھر بخشی محلے میں تھا میجر صاحب اپنے فوجیوں کے ہمراہ وہاں تک پیدل تشریف لے گئے جب وہ قادر نائی کی جھونپڑی میں داخل ہوئے تو چار ننگ دھڑنگ بچے کھانا کھا رہے تھے قادر نائی نے ایک بچے کی طرف جس کی ناک بری طرح بہہ رہی تھی اشارہ کر کے کہا سر یہ جہادی ہے۔ میجر ہکا بکا رہ گیا پھر اس نے شہباز اور غازی کا تعارف کرا کے میجر صاحب کو ذلت اور رسوائی کی گندی نالی میں ڈوبنے پر مجبور کر دیا اس سے آگے کے حالات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ میجر صاحب کو الو بنانے اور اس کے کٹر دشمن (غازی بابا) کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے والے قادر نائی کی کس قدر خاطر تواضع ہوئی ہوگی۔

ٹنگ مرگ کی جانب روانگی

صفا پورہ ایک چھوٹا سا علاقہ ہونے کے باوجود غازی بابا کی وہاں موجودگی کی بنا پر وہاں فوجی چھاؤنی بنی ہوئی تھی۔ آٹھ گاؤں پر مشتمل اس علاقے میں آرمی کے سات کیمپ موجود تھے اتنی فوج کے باوجود بھی یہ علاقہ مجاہدین کا مرکز تھا اور یہیں سے پوری وادی کا نظام چلایا جا رہا تھا۔ برادر تنظیموں کے ساتھ تحریکی میٹنگز، مجاہدین کے لئے ملنے والی رقم کی وصولی اور ترسیل، اسلحہ کی وصولی اور ترسیل کے علاوہ یہ علاقہ مجاہدین کے لئے وردیاں، پاؤچ، جیکٹس اور دیگر عسکری سامان بنانے کی فیکٹری کے طور پر جانا جاتا تھا۔

علاقے کی طرف آنے والے تین بڑے راستوں پر انڈین آرمی کے کیمپ تھے اور دن کے وقت مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر بھارتی فوجی سول گاڑیاں روک کر لوگوں کی جامہ تلاشی لیتے تھے۔ ہفتے میں تین بار کریک ڈاؤن گھر گھر کی تلاشی اور چھاپے یہاں کا معمول بن گیا تھا مگر اس کے باوجود غازی بابا کا اتنا بڑا نیٹ ورک توڑنا تو دور کی بات دشمن اپنے تمام تر وسائل داؤ پیچ اور ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باوجود اس میں نقب لگانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ دشمن کی حالت زخمی سانپ کے مانند تھی جو اپنا تمام تر زہر اہل علاقہ پر نکال رہا تھا۔ حالات کی نزاکت کا احساس کر کے غازی بابا نے اپنے ماتحت ذمہ داران کے ساتھ مشاورت کی جس میں یہ طے پایا گیا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے کسی دوسرے علاقے کی طرف نکل جائیں اس طرح فیلڈ میں موجود ساتھیوں کے ساتھ ملاقاتیں بھی ہوں گی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور مختلف علاقوں میں رہ کر ایسی جگہ کا انتخاب بھی کیا جائے جسے متبادل مرکز کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

تمام ساتھیوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ غازی بابا کے ادھر سے چلے جانے کے بعد اہل علاقہ پر دشمن کا ظلم وتشدد کچھ کم ہوگا اور دشمن کی سرگرمیوں میں بھی کمی آئے گی یہ سب ترتیبات طے ہونے کے بعد انہوں نے مارچ 2001ء میں صفا پورہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

جہادی نے تنگ مرگ کے لئے رخت سفر باندھا تو میرے دل پر اداسیوں کے بادل چھا گئے اس وقت تک سوائے چند لوگوں کے ہمارا رشتہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ مجھے ہر وقت یہ خیال ستاتا رہتا تھا کہ جہادی ہر وقت موت کے منہ میں رہتے ہیں انہیں کچھ ہو گیا تو میں دنیا کو کیسے یقین دلاؤں گی کہ میری ان کے ساتھ نسبت ہے وہ دور ایسا تھا کہ کبھی کبھار مجھے خود بھی یقین نہیں آتا تھا کہ میری غازی بابا کے ساتھ اتنی بڑی نسبت ہے کیونکہ اس عرصے میں میں نے سوائے عید والے دن کے انہیں رات کی تاریکی میں ہی دیکھا تھا صبح مجھے یوں لگ رہا ہوتا تھا کہ جیسے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو میں اکثر ان سے کہتی کہ مجھے خوابوں کی دنیا سے نکال کر اپنا نام دے دیں تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ میرا آپ کے ساتھ رشتہ ہے اس دن میں نے ان سے کہا کہ مجھے ساتھ ہی لے جائیں کیونکہ اب میں پہلے سے زیادہ خطرے میں ہوں۔ انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں صرف دو ماہ کے لئے جا رہا ہوں کسی اور جگہ مرکز کا انتظام کر کے آپ کو ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ لے جاؤں گا میری صورت دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ چہرے پر چھائے ہوئے حزن و ملال کے بادل اب برسنے ہی والے ہیں انہوں نے ٹیپ ریکارڈر آن کیا اور یہ آواز مجھے سترہ رمضان کو کئے ہوئے عہد و پیماں یاد دلانے لگی:

بچھڑ گئے ہیں تو کیا ہوا کہ یہی تو دستور زندگی ہے
جدائیوں میں نہ قربتوں کا ملال ہوگا یہ طے ہوا تھا

اس نظم میں اس قدر سوز و گداز تھا کہ آنسو جو پہلے ہی چھلکنے کو بے تاب تھے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ یہ جہادی کی محبت میں بہنے والے پہلے آنسو تھے شادی کے بعد انہوں نے یہ اصول بنایا تھا کہ جاتے ہوئے میں انہیں گن اٹھا کر دے دیا کروں وہ کہا کرتے تھے کہ بہادر بیویاں وہی ہوتی ہیں جو شوہر کو اپنے ہاتھوں سے اسلحہ تھما کر سوئے مقتل روانہ کرتی ہیں۔ میں نے ان کی کلین کوف ہاتھ میں اٹھائی اور چند لمحے اُسے دیکھتی ہی رہ گئی پھر میں نے یہ دعاء کی اے اللہ! اس کے ذریعے انہیں کافروں پر ہمیشہ غلبہ نصیب فرمانا ان کی ہر قدم پر حفاظت کرنا اور ہمیں پھر ملا دینا۔ میں نے گن بوسہ دے کر انہیں تھما دی جہادی نے نعرہ لگایا اور زندہ باد یہ ہوئی نا بہادروں والی

بات پھر وہ رخصت ہو گئے۔

ان کے علاقہ چھوڑنے کا نقد فائدہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں کے بعد علاقے سے تین کیمپ اٹھ گئے صدر کوٹ بالا، سینک سکول اور مردود یادھو کا مسکن کوہستان کالونی والے کیمپ دشمن نے خالی کر دیئے۔ دشمن کی موومنٹ کم ہونے پر مجاہدین نے اپنی کارروائیاں تیز کر دیں۔ صفاپورہ ایک بار پھر بارودی دھماکوں سے گونج اٹھا۔ ٹنگ مرگ وہاں سے کافی دور تھا اس لئے ان کے ساتھ براہ راست رابطہ نہیں ہو رہا تھا اس عرصے میں بھائی انعام اللہ کے ساتھ رابطہ رہتا تھا۔ جہادی کے جانے کے بعد یوں لگ رہا تھا گویا زندگی کی تمام رونقیں ان کے ساتھ ہی چلی گئی ہوں اس دوران ہمارے پیارے بھائی ظہیر الاسلام کی جدائی نے دل کو مزید سوگوار کر دیا ظہیر بھائی ماسنبل جھیل سے منسلک علاقہ گرٹہ بل میں بارودی سرنگ بچھانے سے پہلے اسے چیک کر رہے تھے مائن ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گئی اور ہمارے پیارے بھائی ظہیر الاسلام اور دوسرے بھائی وحید شہید ہو گئے۔ ظہیر بھائی فیصل آباد کے رہنے والے تھے اور ان کی ہمارے ساتھ بہت رفاقتیں تھیں ان کی شہادت کا تفصیلی واقعہ میں نے جہادی کو خط کے ذریعے لکھ کر بھیجا ان دنوں میں اپنی پھپھو کے گھر رہ رہی تھی کافی دنوں کے بعد خط کا جواب آ گیا جو بھائی انعام اللہ نے مجھ تک پہنچایا ظہیر بھائی شہید کے حوالے سے انہوں نے لکھا تھا کہ مجھے اس پیارے ساتھی کی جدائی کا اس قدر صدمہ ہوا قریب تھا میرے آنسو نکل آئیں۔ بہر حال شہادت ہمارے راستے کا خاصہ ہے اس لئے اس چیز سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے مجھے آزمائش کا دور صبر واستقامت سے گذارنے کی تلقین کی تھی اور خط کے آخر میں یہ شعر لکھا تھا:

اب کے میں لوٹ کے آؤں تو مجھے مل کے نہ رونا
اور وقت جدائی کبھی پلکیں نہ بھگونا

پریس کانفرنس

ٹنگ مرگ جا کر انہوں نے ایک پریس کانفرنس کرنے کا پلان بنایا، میڈیا والے ان کا ایک انٹرویو کرنے کے لئے بے تاب رہتے تھے لیکن وہ نمود و نمائش والے کاموں سے ہمیشہ دور ہی رہتے تھے۔ اس بار انہوں نے جیش کا موقف بیان کرنے اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری پریس کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں ملکی اور غیر ملکی میڈیا ٹیموں کو مدعو کیا گیا ایک ساتھی سرینگر سے اپنی گاڑی پر صحافیوں کو لے آیا، علاقے کے قریب پہنچ کر ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں تاکہ انہیں جگہ کا پتہ نہ چل سکے ان میں ایک جرمن خاتون صحافی بھی شامل تھی جو اپنے مغربی لباس میں نیم برہنہ دکھائی دے رہی تھی۔ دروازے پر ساتھیوں نے اس کو روک کر کہا کہ آپ اس حالت میں ہمارے امیر کے سامنے نہیں جاسکتیں اپنے جسم کا پردہ کر لیں اس نے شانے اچکا کر جواب دیا کہ میرے پاس اس وقت دوسرا لباس میسر نہیں میٹنگ شروع ہوئی تو پہلا سوال اسی خاتون نے کیا اور انگریزی ہی زبان میں کیا غازی بابا نے انگریزی میں یہ جواب دیا کہ میں اپنی مادری زبان میں بات کرنا پسند کروں گا انہوں نے اپنی چادر اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا کہ وہ خود کو ڈھانپ لیں اس بات سے وہ بہت مرعوب ہوئی اور اپنے سر کے بالوں سمیت اپنے پورے جسم کو بھی ڈھانپ لیا مجاہدین نے چہروں پر نقاب کیا ہوا تھا دو ساتھی غازی بابا کے دائیں بائیں بھاری اسلحہ لے کر کھڑے تھے۔ دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے مجاہدین نے G. L راکٹ لانچر اور دوسرے بڑے ہتھیار اٹھا رکھے تھے دو دو ساتھی وقفے وقفے سے رومال اور لباس بدل کر آتے اور پہلے والے ساتھیوں کی جگہ لے لیتے تھے پہلے والے دونوں مجاہد بھی جا کر حلیہ تبدیل کرتے اور تھوڑی دیر بعد پھر اندر آ کر کسی دوسرے کی جگہ سنبھال لیتے اس طریقے سے صحافیوں کو مجاہدین کی اصل تعداد سے بے خبر رکھنا مقصود تھا وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ غازی بابا کے ساتھ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد ہے حالانکہ اس کارروائی میں شامل مجاہدین

کی تعداد صرف بارہ سے پندرہ تک تھی ایک ساتھی وقفے وقفے سے وائرلیس سیٹ پر رابطہ کر رہا تھا ایک صحافی نے غازی بابا سے سوال کیا کہ اگر دشمن کو اس پریس کانفرنس کی اطلاع ہو جائے تو یہاں پر آپ کی سیکورٹی کا کیا بندوبست ہے؟ انہوں نے اطمینان سے جواب دیا اس پورے علاقے کو مجاہدین نے محاصرے میں لے رکھا ہے اور تمام راستوں پر ایمبش لگایا ہوا ہے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہ تھا چونکہ ان دنوں جیش محمد ﷺ نئی نئی بنی تھی اس حوالے سے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا جیش نے دشمن کے خلاف جنگی حکمت عملی ایک نئے انداز سے ترتیب دی ہے عنقریب ہم دشمن پر بڑے حملے کرینگے جس کا مشاہدہ آپ بہت جلد کریں گے۔ ایک امریکی صحافی نے اس موقع پر اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا یہ میری زندگی کا پہلا موقع ہے کہ میں کسی Terrorist کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور مجھے یہ سب حیرت انگیز معلوم ہو رہا ہے۔ یہ ایک طویل انٹرویو تھا جو سرینگر سے شائع ہونے والے تمام اخبارات کی زینت بنا اس سفر میں مختلف ضلعی و تحصیل ذمہ داروں سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ترال کی سرسبز و شاداب وادی متبادل مرکز کے لئے موزوں ہے۔ اپریل 2001ء کے آخر میں غازی بابا صفا پورہ کی سرزمین کو الوادع کہنے اور وہاں کے مخلص لوگوں کے بے انتہا تعاون پر انہیں آخری سلام اور خراج تحسین پیش کرنے کے لئے دوبارہ صفا پورہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔

ٹنگ مرگ سے واپسی

موسم بہار کی ایک حسین شام تھی میں باجی کے گھر میں دوسری منزل پر کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس دن دل بہت اداس ہو رہا تھا میں باد صبا کے جھونکوں کے ہاتھ غازی بابا کو محبت کا سلام بھیج رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اللہ نے یہ کیسا رشتہ بنایا ہے کچھ عرصہ قبل جو شخص میرا کچھ نہ لگتا تھا آج میری زندگی بن چکا ہے بلاشبہ یہ ایسا رشتہ ہے جس میں باہم محبت والفت نہ ہو تو اسے نبھانا انتہائی مشکل کام ہے اور میاں بیوی کا رشتہ محبت پر ہی قائم ہوتا ہے۔ انہوں نے جاتے ہوئے مجھے ایک چھوٹے سائز کی ٹیپ اور چند جہادی ترانوں کی کیسٹیں دے دی تھیں میں جہادی ترانے شوق سے سنتی ہوں جدائی کے زمانے میں وہ ٹیپ میری ساتھی بنی رہی اس وقت بھی بس ٹیپ چلا کر دل کو بہلانے کی کوشش کرنے لگی میرے سامنے سرسوں کے پھولوں سے لہلہاتے کھیت سونے میں نہا رہے تھے اور ان سے ذرا فاصلے پر کرش ٹاپ سر اٹھائے کھڑا تھا مجھے بچپن سے ہی پہاڑوں سے محبت تھی بلکہ بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کھڑکی میں بیٹھ کر پہاڑ کے ایک ایک پتھر کو جھانکنا مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا، اس پہاڑ نے اسلام کے مجاہدوں کو ایک عرصہ ماں کی گود کی طرح اپنے اندر جگہ دی اور نہ جانے ان چیڑھ کے درختوں میں کتنے شہیدوں کا خون شامل ہے، اس موسم میں پہاڑ سے بہنے والا سب سے بڑا جھرنا (دودھ نار) بھی شباب پر ہوتا تھا، مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس نالے کے کنارے پر ایک ہائیڈ ہوتی تھی، ہائیڈ کیا بس وہ بھی کسی درندے کا مسکن تھا جسے اسلام کے مجاہدوں نے اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا وہ بہت ہی خطرناک جگہ تھی جس کے اندر مشکل سے کرالنگ کرتے ہوئے بندہ پہنچ پاتا تھا۔ پھر ایک دن دراز قامت اور معصوم چہرے والا وہ نوجوان جنہیں ہم حافظ بھائی کے نام سے جانتے تھے پتھروں کے اوپر گر کر ٹکڑوں میں بکھر گیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے اس موت کے کنویں کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا حافظ بھائی کے مقدس لہو نے دودھ نار کے دودھیا پانی کو کئی دنوں تک لہو رنگ کیے رکھا اس

پہاڑ کے ساتھ کئی اچھی بری یادیں وابستہ تھیں، میں پہروں اس کو تکتی رہتی تھی اور اپنے شہید بھائیوں کی پرچھائیاں تلاش کرتی رہتی تھی کبھی آنکھیں نم ہو جاتیں تو باجی مجھے پتھروں کو دیکھ کر رونے پر پاگل قرار دیتی جانے میں کب تک انہی یادوں میں کھوئی رہتی کہ ننھی ارجمن نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ ڈالا میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو رابطے کا وقت ہو چکا تھا فوراً سیٹ آن کیا تو کسی کو موجود پایا لیکن بلانے پر دوسری طرف کچھ خاموشی چھائی رہی میں سمجھی انعام اللہ بھائی تو ایسا نہیں کر سکتے شاید کوئی فوجی تنگ کر رہا ہے اس لمحے میری سماعت سے ایک میٹھی اور رس گھولنے والی آواز ٹکرائی:

نگاہیں دیر تک چاند سے ہٹی ہی نہیں
گماں یہ تھا کہ اسے وہ بھی دیکھتا ہوگا

میں ایک دم اچھل پڑی بھلا میں اس آواز کو کیسے نہ پہچانتی جسے سننے کے لئے میں دو ماہ سے ترس رہی تھی میں نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں ان سے سوال کیا آپ کہاں ہیں؟ میرے سیٹ سے لگ رہا ہے آپ کہیں قریب ہی ہیں جب انہوں نے بتایا کہ میں چیوا میں وارد ہو چکا ہوں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی مجھے ان کے آنے کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور اس اچانک آمد پر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

قرآن اور کلاشن سے عہد

اگلے دن خالہ کے گھر میں ہماری ملاقات ہوگئی انہوں نے مجھے سفر کی تمام باتیں سنائیں۔ یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اس عرصے میں انہوں نے مجھے بہت یاد کیا کیونکہ میرے دل میں ان کے بلکہ مجاہدین کے حوالے سے یہ سوچ ہوتی تھی کہ مجاہدین جو لڑنے مرنے والے لوگ ہیں ان کی زندگی میں یا ان کے دلوں میں محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان قلندرانہ مزاج رکھنے والے لوگوں کے بارے میں ایسا سوچا جا سکتا تھا۔ غازی بابا اس بات پر خوب ہنسے پھر بولے کیوں مجاہد انسان نہیں ہوتے؟

ان کے آنے کے بعد تربیت کا دور دوبارہ شروع ہوا مجھے اس بات پر فخر ہو رہا تھا کہ غازی بابا میری زندگی کے ساتھی ہی نہیں میرے استاد بھی ہیں، جب وہ اسلحے کے بارے میں مجھے نوٹس لکھوا رہے ہوتے تھے تو مجھے لگتا تھا کہ اسکول کا دور لوٹ آیا ہے مئی کے مہینے میں تربیت تقریباً مکمل ہوگئی ایک رات انھوں نے مجھ سے کہا کہ مجاہدین تربیت مکمل کرنے کے بعد حلف اٹھاتے ہیں کیا آپ حلف اٹھانے کے لئے تیار ہیں؟ میں نے پوچھا حلف کس طرح اٹھایا جاتا ہے وہ کہنے لگے کہ قرآن مجید اور گن ہاتھ میں پکڑ کر مجاہد جہاد سے تاعمر وابستہ رہنے کا عہد کرتا ہے، اس کے علاوہ حرام و مکروہ کاموں سے دور رہنے کا وعدہ اور بھی کئی باتیں شامل ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا میں ان باتوں کا حلف اٹھاؤں گی۔ غازی بابا کہنے لگے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے قرآن اور کلاشنکوف ہاتھ میں تھام کر اللہ سے کیا ہوا وعدہ ہر حال میں نبھانا پڑے گا خواہ انسان کی اپنی ذات اور گھر والوں پر کتنے ہی مصائب و آلام کیوں نہ آئیں اس لئے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ میں نے ان سے شکوہ کیا کہ وہ اب تک میرے جذبے کو سمجھ نہ سکے یا مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ایسی بات نہیں ہے مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے اور آپ سے زیادہ مجھے آپ کے جذبوں سے محبت ہے پھر انہوں نے مجھے وضو کرنے کا کہہ دیا اس کے بعد

قرآن مقدس اور کلاشنکوف کو گواہ بنا کر میں نے جہاد میں جینے مرنے کا حلف اٹھایا (اللہ تعالیٰ مجھے ثابت قدم رکھے)

غازی بابا نے میرے حلف نامے پر دستخط کئے اور کہنے لگے آج آپ میری مجاہدہ ساتھی بن گئیں ہیں وہ حلف نامہ میں نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا پھر 2003ء میں چھاپے کے دوران آرمی کے ہاتھ لگ گیا اس کے علاوہ میری زندگی کی سب سے قیمتی چیزیں جہادی کے چند خطوط اور وہ چند روپے جو میرا حق مہر تھا یہ تمام چیزیں ایک ہائیڈ میں تھیں جس کے پکڑے جانے پر میری زندگی کا یہ قیمتی اثاثہ چھن گیا۔

ابن قاسم زندہ ہیں

ایک مرتبہ کلہ پورہ کیمپ سے تعلق رکھنے والی گشتی پارٹی نے صفا پورہ کی ایک لڑکی کو چھیڑا لڑکی سکول سے گھر واپس آ رہی تھی راستے میں کھڑے ایک فوجی نے جس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اسی ڈنڈے سے لڑکی کا دوپٹہ کھینچ لیا، ساتھ ہی اس پر فحش فقرے بھی کسے بھارتی درندے قہقہے لگا کر گذر گئے اس کے علاوہ چیوا کی ایک لڑکی کو بھی ان دنوں انڈین آرمی کے ظالم فوجیوں نے سر عام تنگ کیا تھا اس طرح کے واقعات اتنے زیادہ ہوئے جنہیں یاد رکھنا بھی مشکل تھا۔ یہ خبر شام تک غازی بابا کو میں نے دے دی انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا اس وقت سوا پانچ بجے ہیں اور کل اسی وقت ہم ہندو بنیے کو سبق سکھائیں گے اس کارروائی کے لئے تین ساتھی تیار کر لئے گئے اگلے دن عصر کے وقت غازی بابا کے جانباز ساتھیوں نے راکٹ لانچر اور گنیں ایک کرکٹ بیگ میں ڈال لیں۔ تھوڑا سا حلیہ تبدیل کر کے ساتھی دن دیہاڑے اپنے ہدف کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ دیکھنے میں کھلاڑی نظر آ رہے تھے اس لئے ان پر کسی کو شک نہیں ہوا جس وقت وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو سوا پانچ بجنے میں کچھ وقت باقی تھا انہوں نے کیمپ کے اطراف میں گھوم پھر کر اچھی اور مناسب جگہ مورچہ سنبھالا اور ٹھیک سوا پانچ بجے کیمپ پر راکٹ لانچر کے فائر کے خوفناک دھماکے ہونے لگے اس حملے میں کئی فوجی مردار ہوئے اور کیمپ کی عمارت کو بھی جزوی نقصان پہنچا اگلے دن مجاہدین نے گرنہ بل میں بارودی سرنگ بچھا دی اللہ جانے آرمی کو اس مائن کی اطلاع ملی تھی یا کوئی اور وجہ تھی وہ اس راستے کے قریب پھٹکے بھی نہیں دشمن کو ٹارگٹ بنانے کے لئے مجاہدین نے ایک مقامی نوجوان سے آرمی والوں کو فون کال کرائی جس میں انہوں نے کرہامہ میں مجاہدین کی موجودگی کی غلط اطلاع دے دی۔ آرمی نے فوراً علاقے کا کریک ڈاؤن کیا لیکن وہاں جانے کے لئے گرنہ بل والے مختصر راستے کو چھوڑ کر دوسرا لمبا راستہ اختیار کیا پانچ دن بعد وہ مائن نکال دی گی۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا مرکز کو ترال منتقل کرنے کے انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے تھے انہی دنوں ہمارے خفیہ ذرائع سے یہ اطلاع ملی کہ انڈین آرمی کا کہنا ہے کہ اس علاقے سے کوئی لڑکی رابطہ کر رہی ہے بالآخر چھ ماہ بعد بنیے کو خیال آیا کہ ایک آدمی مسلسل چھ ماہ خراب لوکیشن میں نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہر وقت سڑک پر کھڑا ہو کر رابطہ کر سکتا ہے غازی بابا تو ویسے بھی ترال کے فلک بوس پہاڑوں کو اپنا مسکن بنانے کا ارادہ کر چکے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ چند دنوں تک ترال چلے جائیں گے وہاں پر میرے رہنے کی ترتیب بنا کر پھر مجھے بلا لیں گے۔

ایک شام حسب معمول ہمارا رابطہ ہوا میں نے انہیں سب کچھ ٹھیک ہونے کی اطلاع دے دی وہ اس دن پیلی پورہ میں تھے دن بھر ہائیڈ کے اندر گرمی اور گھٹن میں رہنے کے بعد جب مغرب کے وقت انہوں نے چیوا کا رخ کیا تو درختوں کے پتوں کے ساتھ سرسراتی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ان کا استقبال کیا غازی بابا محظوظ ہو کر بولے میرا چیوا کتنا ٹھنڈا خوبصورت اور پرسکون ہے اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔ اس رات ولی ڈار نامی شخص کے گھر ننگ مرگ سے آئے ہوئے ایک مہمان کے ساتھ ان کی اہم میٹنگ تھی انہوں نے متعلقہ گھر میں پہلے ایک ساتھی کو بھیجا اس نے واپس آ کر کہا کہ مہمان موجود ہے باقی سب خیریت ہے اس کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہو گئے، مہمان پیر غیاث الدین نام کا ایک لمبی داڑھی والا ادھیڑ عمر مگر خوش شکل شخص تھا وہ جمعیت الصالحین کے نام سے ایک سیاسی جماعت تشکیل دینا چاہتا تھا جو سیاسی پلیٹ فارم پر جیش کا موقف بیان کر سکے، اس کے علاوہ جیلوں کے اندر قید مجاہدین کو قانونی سہولیات دینے اور ان کے لئے وکلاء کا انتظام کرنے، شہداء کے گھروں کی کفالت اور کسی مجاہد کی گرفتاری پر احتجاج کرنے کی ذمہ داریاں اٹھا سکے، اس سے قبل پیر غیاث الدین کی ننگ مرگ کے ذمہ دار ساتھیوں سے ملاقات ہو چکی تھی انہوں نے غازی بابا کے ساتھ ملاقات کا وقت طے کر کے اسے

صفاپورہ روانہ کر دیا غازی بابا نے پیر غیاث الدین کو اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا میرا نام عابد ہے اور بزرگوں نے تعلقات عامہ اور داخلی امور کی ذمہ داریاں میرے سپرد کر رکھی ہیں آپ اپنی آمد کا مقصد کھل کر میرے سامنے رکھیں میں بزرگوں سے مشاورت کر کے آئندہ ملاقات میں اس کا جواب دے دوں گا۔ یہ غازی بابا کا مخصوص عسکری طرز عمل تھا کہ آگے والے کو اصلیت بھی معلوم نہ ہو اور بات بھی صحیح ہو۔ بزرگوں سے مراد امیر محترم ہوتے تھے لیکن سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ بزرگوں سے مراد غازی بابا ہیں جو خود ملاقات کے لئے نہیں آئے اور عابد بھائی کو نمائندے کے طور پر بھیج دیا اس طرح غازی بابا سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے دشمن کے ایجنٹ منہ کی کھاتے تھے۔

یہ میٹنگ ابھی جاری تھی ہم لوگ سونے کی تیاری کر رہے تھے تقریباً ساڑھے نو بجے ہمارے گھر کے سامنے سے کسی گاڑی کی مدھم سی آواز آئی میں بھاگ کر چھت پر چلی گئی ایک فوجی جیپ دبے پاؤں گاؤں میں داخل ہو رہی تھی سائیلنسر کی وجہ سے جیپ کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی تھوڑا آگے جا کر انہوں نے گاڑی کھڑی کر لی اور پیدل چلنے لگے یہ صورتحال دیکھ کر میں سخت پریشان ہو گئی رابطہ ہو چکا تھا اس کے باوجود میں نے ایک امید پر سیٹ آن کیا کہ شاید کوئی مل جائے تاکہ میں دشمن کی اطلاع دے سکوں کافی دیر تک مختلف فریکوئنسیاں چیک کرنے کے بعد بھی کوئی ساتھی نہ ملا۔ لمحہ لمحہ میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا میں پریشانی اور اضطراب کی کیفیت میں کمرے کے چکر کاٹ رہی تھی کبھی چھت پر جا کر فوجی جیپ کو دیکھ رہی تھی جو بدستور اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ اسی لمحے گرنیڈ کا زوردار دھماکہ ہوا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ ولی ڈار کا بڑا بیٹا معراج الدین مجاہدین کا مخلص حمایتی تھا اس رات دشمن اسی کو گرفتار کرنے کی غرض سے آیا تھا انہیں گھر میں موجود مجاہدین کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی اس لئے وہ بے دھڑک صحن میں داخل ہوئے اور مکان کو گھیرے میں لے لیا مجاہدین گن پاؤچ سنبھال کر صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک اہلکار نے پرجوش انداز میں کھڑکی کو لات ماری ساتھ ہی مالک مکان کو انتہائی متکبرانہ انداز میں حکم دیا، ولی ڈار باہر

نکل۔ کھڑکی کے دونوں پٹ کھل گئے کمرے کے اندر زیرو کا بلب روشن تھا۔ غازی بابا نے ساتھی کو بلب بند کرنے کا کہا مگر ساتھی نے جس واحد بٹن کو دبایا اس سے تیز روشنی والا ایک اور بلب آن ہو گیا پورا کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا یہ انتہائی نازک صورتحال تھی دشمن کھلی آنکھوں کے ساتھ اندر کا نظارہ کر رہا تھا لیکن باہر کا منظر مجاہدین کی آنکھوں سے اوجھل تھا کھڑکی پر ہیرو کے سٹائل میں لات مارنے والے فوجی کی نظر جب مسلح مجاہدین پر پڑی تو اس کا سارا جوش وخروش ٹھنڈا پڑ گیا اس کے ہاتھ میں گن تھی مگر وہ بزدل فائر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولے جا رہا تھا سر اندر ملی ٹینٹ ہے سر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مجاہدین نے بلب توڑ دیئے اور پوزیشنیں سنبھال لیں، اتنی دیر میں میمونہ آنٹی (گھر کی مالکن) ان کے پاس آئی اور غازی بابا سے کہا آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے اس لئے آپ نکل جائیں غازی بابا نے کہا کہ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے ہمارے نکلنے کے بعد وہ آپ لوگوں پر سخت تشدد کریں گے اور آپ کو نقصان پہنچائیں گے اس لئے ہم ان کافروں کا بھرپور مقابلہ کریں گے میمونہ آنٹی نے ان کی منتیں کیں اور کہا جب تک کشمیر میں ایک بھی ہندوستانی فوجی موجود رہے گا ظلم وتشدد کا سلسلہ بند نہیں ہوگا اگر مجاہدین کشمیری مسلمانوں کے لئے جانیں دیتے رہے تو کشمیر کو آزادی کون دلائے گا؟ آپ ہماری فکر نہ کریں بس آپ نکل جائیں آنٹی کے مسلسل اصرار پر وہ لڑے بغیر نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے باتھ روم کے روشندان پر گن کا بٹ مارا شیشہ ایک جھماکے سے ٹوٹ گیا اس کے فوراً بعد غازی بابا نے سڑک پر ایک گرنیڈ پھینکا اس طریقے وہ دشمن کا ردعمل اور ان کی پوزیشن کا اندازہ لگانا چاہتے تھے۔ بھارت ماتا کے پجاریوں نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا گویا وہ خود مجاہدین کو نکلنے کا موقع فراہم کر رہے تھے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد غازی بابا نے ہمارے گھر کے پاس کھڑی فوجی جیپ میں گرنیڈ پھینکا اس کے ٹکڑے لوگوں کے گھروں میں آ گرے اس کے بعد وہ واپس پیلی پورہ کی طرف نکل گئے اور وہاں موجود ساتھی سے رابطہ کر کے اسے دشمن کے ایک اہم اور ممکنہ ایمبش پوائنٹ پر پہنچ کر موومنٹ کا جائزہ لینے کا حکم دیا وہ ساتھی کے پاس پہنچے اور

اس کو صورتحال کی تفصیل بتا ہی رہے تھے اتنے میں آرمی گاڑیاں قافلے کی شکل میں چیوا پر چڑھائی کے لئے چلی آ رہی تھیں غازی بابا نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم دشمن کو ادھر ہی روک لیں گے تاکہ چیوا میں جلدی کمک نہ پہنچے اور اہل خانہ کو کسی محفوظ جگہ نکلنے کا موقع مل جائے، انہوں نے انڈین آرمی پر اندھا دھند فائرنگ کر دی اور دشمن آگے جانے کی بجائے آدھی رات تک ادھر ہی مصروف رہا غازی بابا راتوں رات صفا پورہ سے نکل کر گاندربل علاقہ ینگورہ پہنچے وہاں پر ولی اللہ نامی نوجوان کا گھر مجاہدین کا اہم پوائنٹ تھا رات وہاں قیام کرنے کے بعد صبح انہوں نے سرینگر کی طرف نکل جانے کا فیصلہ کیا اور پھر وہاں سے ترال۔ انہوں نے ولی اللہ سے بڑے سائز کا ٹیپ ریکاڈر منگوایا اور اس کے پرزے نکال کر اس کے اندر وائرلیس سیٹ اور پسٹل رکھ کر ٹیپ دوبارہ بند کر لیا اس کے بعد وہ ولی اللہ کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر دن دیہاڑے سرینگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر مجاہدین کو جان بوجھ کر راہ فرار فراہم کرنے کے بعد بزدل بھارتی فوجی گھر والوں پر ٹوٹ پڑے، گھر کی مالکن کی قربانی اور بہادری پر فرشتے بھی رشک کر رہے ہوں گے اس نازک ترین وقت پر وہ گھر یا بچوں کی پرواہ کئے بغیر مجاہدین کے مہمان کو بچانے کی فکر میں پڑ گئیں انہوں نے پیر غیاث الدین کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور افسر سے بحث کر رہی تھی سر یہ پیر صاحب ہیں ہمارے مہمان ہیں ان کا مجاہدین سے کوئی تعلق نہیں ہے دشمن پہلے ہی ذلت و ناکامی کی آگ میں بری طرح سلگ رہا تھا اس بہادر خاتون کی دیدہ دلیری پر مزید جل بھن گیا افسر نے مہمان کو گھسیٹ کر ایک سائیڈ پر کیا اور بلا تاخیر کئی فائر مارے پھر اس کو مکان کے اندر پھینک کر مکان کو بارودی سرنگ سے اڑا دیا صبح ملبے سے اس کی لاش کو نکال کر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ یہ اگروادی جھڑپ کے دوران مارا گیا۔ چند دنوں کے بعد غازی بابا سے میری ملاقات سرینگر کے علاقہ چھانہ پورہ میں ہوئی، میں ادھر اسلحہ لے کر گئی تھی انہیں پنجابی پوائنٹ (میمونہ آنٹی کا گھر) کے گھر والوں پر انڈین آرمی کے ظلم وستم اور ان کے گھر کو مسمار کرنے کی اطلاع مل چکی تھی انہیں اس بات سے بہت صدمہ ہوا اور وہ میمونہ آنٹی کی جرأت کو خراج تحسین اور سلام پیش کر

رہے تھے جس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر مجاہدین کی مدد کی مجھے اچھی طرح یاد ہے ان وفا شعار لوگوں کی قربانی یاد کر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

پھر انہی دنوں ایک سنسنی خیز خبر نے وقتی طور پر زخموں پر مرہم رکھ دیا اس بات کا انکشاف ہونے پر سب لوگ دنگ رہ گئے کہ پیر غیاث الدین ''را'' کا بہت بڑا آفیسر تھا جو جمعیت الصالحین نامی تنظیم کی آڑ لے کر جیش میں نقب لگانے اور غازی بابا کو پکڑوانے کی کوشش میں تھا۔ را میں اسے اس قدر اہمیت دی جاتی تھی کہ اسے ہیلی کاپٹر کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا بھارتی فوج کو اس کی اصلیت اس وقت معلوم ہوئی جب ''را'' والوں نے ان کے خلاف ایف آئی آر درج کر دی۔ جب میمونہ آنٹی اس زہریلے سانپ کو مجاہد سمجھ کر بچانے کی کوشش کر رہی تھی اس وقت وہ فوجیوں کو کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا اور یقیناً اصلیت ظاہر کر کے خود کو بچانا چاہ رہا ہوگا لیکن انہوں نے اسے کچھ کہنے کا موقعہ دیئے بغیر گولیوں سے اڑا دیا اس طرح مجاہدین ایک خطرناک سازش کا شکار ہونے سے محفوظ رہے اور صیاد خود ہی اپنے دام میں آ گیا۔

اپنی واپسی ہے تو اب ناممکن

سرینگر میں غازی بابا کے پاس میں صرف دو دن رہی تھی اس وقت سرینگر شہر کے اندر مجاہدین مسلح حالت میں نہیں چلتے تھے، دوسرے دن میں نے مجاہدین کا اسلحہ چھانہ پورہ سے حیدر پورہ ایک پوائنٹ پر پہنچا دیا جہاں دو پہر کے وقت جہادی نے مجھے رخصت کر دیا۔ برقعے کے اندر سے میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا تھا، سرینگر میں مجھے انکی حفاظت کے حوالے سے اطمینان نہ تھا انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ زندگی کے دن مقرر ہیں اور دعاء ایک ایسا ہتھیار ہے جو تقدیر بھی بدل سکتی ہے اس لئے آپ میرے لئے دعاء کرتی رہنا انشاء اللہ اللہ خیر کرے گا۔

سرینگر سے واپسی کے بعد چند ہی دن گذرے تھے کہ علاقے میں یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ غازی بابا نے اس علاقے میں شادی کر رکھی ہے۔ یہ بات پھیلانے والے بھارتی فوجی تھے پھر ایک دن مجھے چیف (مجاہدین کا جاسوس) نے بتایا کہ انڈین آرمی کو اس بات کا علم ہو چکا ہے۔ چیف ہمارا خاص آدمی تھا اس لئے اس کی اطلاع میں شک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میرے لئے یہ خبر انتہائی پریشان کن تھی کیونکہ انڈین آرمی کو سب سے پہلے میرا نام ہی ذہن میں آیا ہوگا یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔ غازی بابا سے ڈائریکٹ رابطہ نہیں تھا میں نے طوبیٰ (کیمونیکیشن پوائنٹ) کے ذریعے غازی بابا کو میٹرکس کے ذریعے یہ پیغام لکھ کر بھیجا۔ یہ پیغام ملتے ہی انہوں نے ڈائریکٹ رابطے کی ترتیب بنالی۔ حالات کی نزاکت کا احساس کر کے انہوں نے مجھے صفا پورہ چھوڑ کر سرینگر آنے کا کہہ دیا 12 جولائی 2001ء بروز جمعرات میں نے معمولی سی تیاری کر لی چند ضروری چیزیں اور دو تین کپڑوں کے جوڑے بیگ میں ڈالتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ کیا میں دوبارہ اس گھر کو اور بہن بھائیوں کو دیکھ سکوں گی؟ اگر چہ دل کے کسی کونے سے نہیں کی آواز آ رہی تھی لیکن اپنا خیال جان کر میں اس چیز کو ذہن سے جھٹک رہی تھی

کیونکہ اس سے پہلے بھی میں نے کئی بار ایسی تیاریاں کی تھیں بلکہ 2001ء میں مجھے اپنے گھر میں رہنے کا بہت کم ہی موقع ملا چونکہ غازی بابا اب ترال کی طرف جا رہے تھے اس لئے مجھے لگ رہا تھا کہ اب کشتیاں جلا کے ہی نکلنا پڑے گا گھر اور گھر والوں کی محبت انسان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے مجھے بھی اپنے گھر سے بے حد محبت تھی میرے لئے دنیا کی سب سے پیاری اور پرسکون جگہ میرا گھر تھا صحن میں لگے خوبصورت پھولوں اور پودوں سے مجھے بے حد انس تھا میں اپنا بیشتر وقت ان پھولوں کی نگہداشت میں گذارتی تھی اس کام میں بعض اوقات مجھے کھانا پینا بھی بھول جاتا تھا امی کو کھانے کے وقت مجھے بار بار بلانا پڑتا تھا تو بابا چڑ کے کہتے تھے اسے رہنے دو ادھر ہی تھوڑا سا گھاس کھا کر گذارہ کرلے گی۔ مجھے اپنے قریبی رشتوں سے جدائی کا دکھ ضرور تھا لیکن الحمدللہ پچھتاوا نہیں میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعاء مانگی کہ وہ میرا جہاد اور ہجرت قبول فرمائے اور میرے گھر والوں پر آسانیاں فرمائے۔ ماں جی دروازے تک میرے ساتھ آئیں میں نے ہمیشہ کی طرح ان سے کہا کہ میں جلدی واپس آؤں گی جب بھی میں چھاپے کے ڈر سے ہجرت کرتی تو ان سے یہی الفاظ کہتی تھی ان کا جواب بھی ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ میں واپسی میں جلدی نہ کروں جب تک کہ حالات ٹھیک نہ ہوں مگر اس روز انہوں نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں کہی وہ گہری فکر و سوچ میں گم نظر آ رہی تھیں مجھے خود اندازہ تھا کہ دشمن کو اس بات کا علم ہو جانے کے بعد میرے گھر پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے بہرحال اسلام اور کشمیر ہم سے قربانی مانگ رہے ہیں اور ہمیں اپنی عزت اور آزادی کے لئے قربانی دینی ہوگی یہ سوچ کر میرے قدم خود بخود منزل کی جانب بڑھنے لگے۔ میرا بھانجا منیر احمد میرے ساتھ تھا ہم بڑی سڑک کی طرف جا رہے تھے ہمارے بائیں ہاتھ کچے سیبوں سے لدے باغات تھے اور دائیں دھان کے لہلہاتے کھیت تھے میں اللہ کے راستے میں ان پر فضا وادیوں کو چھوڑ کر کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

غازی بابا نے مجھے چھانہ پورہ کا پوائنٹ ہی لکھوایا تھا وہ ہر طرف سے کیمپوں اور بنکروں میں گھرا ہوا ایک پر خطر علاقہ تھا لیکن مجھے ادھر ہی پہنچنے کا کہا گیا تھا دوپہر کے بعد میں وہاں پہنچی گھر والوں نے بتایا کہ اوپر ساتھی موجود ہیں میرا خیال تھا کہ وہ لوگ رات کو ہی آئیں گے کیونکہ

دن کو ٹھہرنے کے لئے وہ جگہ مناسب نہیں تھی، اس گھر میں ایک مقامی ساتھی ذوالفقار بھائی کا آنا جانا تھا میں یہ سوچ کر آ و پر گئی کہ وہ ادھر موجود ہوں گے اور غازی بابا کو میری آمد کی اطلاع دے دیں گے کیونکہ جہادی کے کہنے کے مطابق میں اپنا سیٹ اور دیگر چیزیں صفاپورہ میں ہی چھوڑ آئی تھی، دستک دینے کے بعد جب دروازہ کھلا تو انہیں سامنے پا کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔

کشمیر کے مضافاتی علاقوں میں گرمی نہ ہونے کے برابر پڑتی ہے البتہ سرینگر شہر گنجان آباد اور دارالحکومت ہونے کی وجہ سے جون جولائی کے مہینے میں کچھ گرم ہی رہتا ہے جس کمرے میں ہم لوگ تھے اس کی واحد کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی کھڑکی کھولنے کی صورت میں گاڑیوں کا شور اور دھول مٹی کمرے کے اندر داخل ہونے کی وجہ سے انتہائی حبس ہو جاتی تھی۔ میرے لئے گرمی سے پریشان ہونے کا یہ پہلا موقع تھا میں نے غازی بابا سے کہا ادھر تو بہت گھٹن ہے میں نے زندگی میں کبھی ایسی گرمی نہیں دیکھی ہے انہوں نے جواب میں مزاحاً کہا صفاپورہ کے علاوہ آپ نے دیکھا ہی کیا ہے کبھی وہاں سے نکلی ہوتی تو پتہ چلتا۔ میں نے کہا آہا ہمارا صفاپورہ کتنا پرسکون ہے شام کے وقت ہم باغ میں بیٹھتے ہیں تو بادِ صبا کے ٹھنڈے جھونکے کیا مزہ دیتے تھے مجھے تو اپنا گاؤں بہت یاد آنے لگا ہے میں جانتی تھی کہ ادھر ہم نے زیادہ دن نہیں ٹھہرنا ہوگا میں نے یہ بات صرف انہیں چھیڑنے کی غرض سے کہی۔ شادی کو چھ ماہ کا عرصہ گذرنے کے باوجود میں ان کی فطرت کو پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی کیونکہ ساتھ رہنے کا موقع بہت کم ملا تھا وہ میرے مذاق کو بالکل سچ سمجھ بیٹھے بلکہ ان کو اچھی خاصی ٹینشن ہوئی کہ یہ لڑکی جس کو میں اپنا شریک سفر بنا چکا ہوں معمولی سی گرمی سے گھبرا گئی تو میرا کیونکر ساتھ نبھائے گی۔ وہ سنجیدگی سے بولے اگر آپ کو وہ سب اتنا یاد آرہا ہے تو آگے کیا ہوگا؟ آپ سوچ کر فیصلہ کر لو اگر واپس جانا چاہتی ہیں تو میں آپ کو نہیں روکوں گا۔ کافی دیر تک یہ بحث جاری رہی آخر بڑی مشکل سے میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں صرف مذاق کر رہی تھی اور اب میں شہادت کے بعد ہی اس گھر میں جا سکتی ہوں راہ جہاد میں کہاں تک جانے کا حوصلہ رکھتی ہوں یہ آپ کو آنے والا وقت ہی بتائے گا:

اپنی واپسی تو ہے اب ناممکن
گھر سے نکلے ہیں ہم آنکھ سے آنسو کی طرح

عملی جہاد کا آغاز

اگلے دن آفتاب بھائی ذوالفقار بھائی بھی ادھر آ گئے، آفتاب بھائی چاڈورہ کے رہنے والے تھے اور جس گھر میں ہم لوگ موجود تھے وہ ان کی ہمشیرہ کا تھا۔ وہ خود بھی مجاہد تھے کئی سال جیل میں رہنے کے بعد بھارتی فوج کے تشدد نے میدان میں نکلنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا اس لئے گھر میں رہ کر مجاہدین کے ساتھ خفیہ انداز سے بھرپور تعاون کر رہے تھے، ان کی اپنی ذاتی کار بھی تھی جو مجاہدین کے بہت کام آتی تھی شام کے وقت ہم لوگ وہاں سے نکل گئے غازی بابا کا اسلحہ جس میں چند گرنیڈ، پسٹل اور وائرلیس سیٹ شامل تھا میں نے اپنے جسم کے ساتھ باندھ لیا آفتاب بھائی نے ضلع بڈگام کے کلترہ نامی گاؤں میں ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ ایک کھلا اور خوبصورت علاقہ تھا جس کے چاروں طرف بادام کے باغات تھے۔ ذوالفقار بھائی ہمیں ایک پوائنٹ پر لے گئے گھر والوں نے ہماری خوب خاطر تواضع کی دو دن بعد غازی بابا ترال کی طرف روانہ ہوئے اور مجھے کچھ دن ادھر ہی ٹھہرنے کا کہہ دیا میں نے انہیں مسکرا کر رخصت کیا اور کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں کیا میرے لئے کسی اجنبی ماحول اور اجنبی لوگوں میں رہنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس بڑے دومنزلہ گھر میں واحد ایک خاتون تھیں بچہ بھی کوئی نہیں تھا وہ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں انہوں نے مجھے بالکل خفیہ رکھا ہوا تھا آس پاس کے لوگوں کو میری موجودگی کا بالکل علم نہ تھا۔ کشمیر میں مجاہدین لوگوں کے گھروں میں اس انداز میں رہتے ہیں کہ بعض اوقات گھر کے کچھ افراد بھی ان کی موجودگی سے بے خبر ہوتے ہیں یہ سب حفاظتی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے۔

کئی دن میں نے مکان کی دوسری منزل میں بالکل تنہائی میں گذارے صرف کھانا دینے کے وقت وہ بہن جی میرے پاس آ جاتی تھیں باتھ روم بھی گھر سے باہر تھا جہاں دن کے وقت جانا مشکل ہوتا تھا یہ سب چیزیں میرے لئے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھیں لیکن جب غازی

بابا سے رابطہ ہوتا تو میں اپنی پریشانیوں کا بالکل بھی اظہار نہیں کرتی تھی ،ان دنوں بھائی سید نذیر یاد آرہے تھے اور میں بھی اس قید و بند کو تربیت کا حصہ سمجھ کر صبر کے ساتھ دن گذار رہی تھی میں سوچ رہی تھی کہ میں غازی بابا کا ہم مشن ساتھی ہی نہیں بلکہ ان کی زندگی کے سب سے زیادہ قریب بھی ہوں اس لئے اگر وہ مجھے یا میرے جذبہ جہاد کو آزمارہے ہیں تو یہ ان کی خوبی ہے۔ایک سپہ سالار کو کسی پر اندھا دھند اعتبار نہیں کرنا چاہیے ایک ہفتہ مختلف قسم کے صبر آزما مراحل سے گذرنے کے بعد میری تشکیل چاڈورہ میں ہوگئی وہاں میں آفتاب بھائی کے گھر ٹھہری ان کی اہلیہ محترمہ بہت خوش اخلاق اور ملنسار خاتون تھی انہوں نے کلترہ والی بہن جی کی طرح مجھے قید تنہائی کی سزا نہیں دی بلکہ وہ میرا بہت ہی زیادہ خیال رکھتی تھیں اور زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گذارتی تھیں ان کے تین پیارے پیارے بچے بھی دل بہلانے کا بہترین ذریعہ تھے اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی ٹیپ میری تنہائیوں کی ساتھی تھی۔ان کے گھر کے پیچھے چاولوں کے کھیت چیوا کی یاد دلا رہے تھے چاڈورہ میں پہنچ کر پہلی مرتبہ گھر والوں کی کمی کا احساس ہونے لگا وہ چیوا کی طرح کا ہی علاقہ تھا اس لئے وہاں کی یاد اکثر آتی رہتی تھی غازی بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم ادھر جاتے رہیں گے لیکن 12 جولائی 2001ء کو شروع ہونے والا یہ جدائیوں کا سفر تا حال جاری ہے۔

چاڈورہ میں بھی جیش کی مضبوط فیلڈ موجود تھی ناصر بھائی شہیدؒ وہاں کے ضلعی کمانڈر تھے کریک ڈاؤن، چھاپے اور گرفتاری اس علاقے کا بھی معمول کا کام تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ غاصب بھارتی فوج نے ہر طرف کشمیری مسلمانوں کو اپنے ظلم کے شکنجے میں رکھا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ وہاں کریک ڈاؤن ہوا تو بھابی نے مجھ سے کہا کہ ہم آپ کو سرینگر سے آئی ہوئی مہمان ظاہر کریں گے اس لئے آپ بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں اور اپنا سامان مجھے دے دیں وہ میں خود سنبھال لوں گی۔ میں نے ان کے کہنے پر عمل کر کے انہیں سامان دے دیا کریک ڈاؤن ختم ہونے کے بعد میں نے ان سے سامان کے متعلق پوچھا جب وہ لے کر آئی تو یہ دیکھ کر میں ششدر رہ گئی کہ میری پیاری ٹیپ جل کر بھسم ہوگئی ہے وہ بالکل چھوٹے سائز کی ٹیپ تھی جو

صرف مجاہدین کے پاس ہی ہوتی تھی اس لئے میں نے وہ بھی سامان کے ساتھ دے دی تھی۔ بھابھی بہت پریشان اور شرمندہ ہو رہی تھیں میں نے انہیں کہا خیر ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن ایسی جگہ پر کبھی اس طرح کی چیز رکھنے کی غلطی نہ کرنا دراصل بھابھی نے بہت خطرناک ہائیڈ میں یہ چیزیں سنبھالی تھیں کشمیر کے دیہاتوں میں کچن میں چولہے کے قریب ایک زیرزمین گڑھا بنا ہوتا ہے جس میں چولہے سے نکالے گئے انگارے ڈالے جاتے ہیں اوپر سے ڈھکن دینے پر انگارے بجھ کر کوئلہ بن جاتے ہیں او سردیوں میں کانگڑی میں استعمال ہوتے ہیں بھابھی نے چیزیں اس کے اندر رکھی تھیں بدقسمتی سے کوئلوں میں کہیں چنگاری باقی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے ٹیپ جل گئی میں نے اللہ کا شکرادا کیا کہ پسٹل تک آگ نہ پہنچی ورنہ کچن کے اندر خوفناک دھماکے ہوتے اور اچھی خاصی مصیبت بن جاتی۔

سرینگر ایئر پورٹ کی ریکی

غازی بابا کے ساتھ رابطہ روزانہ ہورہا تھا لیکن طوبیٰ کے ذریعے سے۔اس دیارِ غیر میں ان کی یاد بہت ستا رہی تھی۔ایک دن میں نے ان کو پیغام دیا کہ کسی بہتر لوکیشن میں آ کر ڈائریکٹ رابطہ کریں۔اگلے دن وہ ترال کی کسی پہاڑی پر کھڑے ہو کر رابطہ کرنے لگے۔لیکن آواز پھر بھی صاف نہیں آرہی تھی۔میرا اسیٹ کوڈ ناظم بھائی تھا۔

ان دنوں غازی بابا سرینگر ایئر پورٹ پر حملے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔انہوں نے مجھے ایئر پورٹ کی ریکی کرنے کا حکم دیا اور میٹرکس کے ذریعے یہ ہدایت کی کہ بنکر کہاں کہاں اور کتنے ہیں۔تلاشی کتنی جگہوں پر ہوتی ہے اور گیٹ سے لیکر رَن وے تک کا فاصلہ،اور رکاوٹیں یہ سب میں ایک نقشے کی صورت میں تیار کرلوں۔ایئر پورٹ پر سخت سکیورٹی انتظامات تھے۔اس لیے میرے لیے یہ مسئلہ تھا کہ اندر کیسے داخل ہوا جا سکتا ہے۔میری یہ پریشانی آفتاب بھائی نے حل کردی ان کے پاس ایک اہم سیاسی جماعت کا کارڈ موجود تھا جس کی بناء پر انہیں سیاسی رکن سمجھ کر ہر جگہ رعایت دے دی جاتی تھی......سرینگر ایئر پورٹ ضلع بڈگام کی حدود میں آتا ہے۔لیکن وہ سرینگر شہر کے ساتھ ہی واقع ہے اور راستہ بھی شہر سے ہو کر ہی جاتا ہے۔ایک دن صبح سویرے ہم مشن پر روانہ ہو گئے بھابی ہمارے ساتھ تھیں۔حیدر پورہ سرینگر پہنچ کر آگے ایئر پورٹ کا ایریا شروع ہو جاتا ہے۔اس طرف عام گاڑیوں کی آمدورفت نہ ہونے کی وجہ سے راستے پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔سڑک کے دونوں اطراف گھنی جھاڑیوں میں انڈین آرمی کے مسلح فوجی چوکنے کھڑے تھے۔تقریباً بارہ بجے کے قریب ہم وہاں پہنچے......آفتاب بھائی نے اپنا مخصوص کارڈ دکھا کر انہیں بتایا کہ ہمارا ایک عزیز ڈھائی بجے کی فلیٹ سے سعودیہ سے آرہا ہے۔انہیں کافی دیر تک پاپڑ بیلنے پڑے۔میں اور بھابی گاڑی کے اندر دعاؤں میں مصروف تھیں۔تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہمیں اجازت مل گئی۔گیٹ کے دونوں طرف بنکر بنے ہوئے تھے بلکہ سرینگر ایئر پورٹ کسی

آرمی ہیڈ کوارٹر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر لیڈی پولیس نے ہماری بھرپور تلاشی لے لی۔ میرے پرس سے چھوٹے سائز کی ایک کیسٹ برآمد ہوئی۔ یہ ماچس کے برابر تھی جو کسی کونے میں چھپی رہ گئی تھی۔ ورنہ آنے سے پہلے میں نے اپنے بیگ کی پوری تلاشی لی تھی۔ چھوٹے سائز کی یہ کیسٹیں کشمیر میں 'اگروادی' سمجھی جاتی ہیں۔ لیڈی پولیس اہلکار نے ماتھے پر شکنیں ڈال کر سوال کیا یہ کیا ہے۔ میں نے اطمینان سے جواب دیا کیسٹ ہے۔ وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے اس میں کیا ہے؟ اس کے چہرے پر سختی کے آثار دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ ہم سے مشکوک ہو گئی ہے۔ بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے اس ڈر سے میں نے اس کے ہاتھ پر کچھ پیسے رکھ دیئے اور کیسٹ لے لی...... وہ غیر مسلم تھی اس نے خاموشی سے ہمیں OK کا پروانہ لکھ دیا اور ہم آگے بڑھے۔

ہم لوگ سیر و تفریح کے انداز میں گارڈن میں لگے پھولوں اور پودوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ میں ایک ایک قدم گن رہی تھی اور ہر چیز کو ذہن نشین کرتی جا رہی تھی۔ آفتاب بھائی انتہائی ذہین فطین اور پروقار طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے ایک سکیورٹی اہلکار سے گپ شپ لگا کر اسے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اب ہمارا کام مزید آسان ہو گیا۔ وہ گائیڈ کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اور ہر چیز کے متعلق ہمیں بتاتے جا رہے تھے۔ اس دن اتفاق سے سعودیہ والی فلیٹ کافی لیٹ ہوئی اس طرح ہمیں کافی دیر اندر رہنے کا موقعہ ملا۔ اس اہلکار نے ہمیں نہ صرف رَن وے پر کھڑے جہاز دکھائے بلکہ پرتکلف چائے بھی پلائی۔ اچھی طرح سے اطمینان کرنے کے بعد سہ پہر کو ہم لوگ واپس چاڈورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے اپنی ذہنی استعداد کے مطابق ایک نقشہ تیار کر لیا۔ جس میں تمام خاص و عام مقامات کی نشاندہی بھی کر دی۔ اس دن چاڈورہ میں میرا بیسواں دن تھا۔ میں نے رابطے پر انہیں کام OK ہونے کی اطلاع دے دی۔ انہوں نے دو دن بعد مجھے ترال آنے کا کہا۔ یہ بات میرے لیے بہت بڑی خوشی کی تھی۔

وادئ ترال

وادئ ترال ضلع پلوامہ کا ایک خوبصورت قصبہ ہے...... یہ سرینگر سے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ میرا ترال جانے کا پہلا موقعہ تھا۔ آفتاب بھائی اور بھابی میرے ہمراہ تھے۔ ہماری منزل ترال سے تیس کلومیٹر دُور لام جو ہر پور نام کا ایک علاقہ تھا۔ ہم لوگ چاڈورہ سے سرینگر اور پھر وہاں سے ترال کی طرف روانہ ہوئے۔ کئی خوبصورت علاقوں اور زعفران کے معطر کھیتوں سے گذر کر عصر کے وقت ہم لام میں پہنچے...... یہ پہاڑ کے دامن میں واقع ایک خوبصورت علاقہ تھا۔ اس علاقے کی خوبصورتی مسحور کن تھی...... گاڑی سے اُترتے ہی ہر طرف السلام علیکم کی آوازیں آئیں...... ان سادہ لوح لوگوں کے ہنستے مسکراتے چہرے ان کے مہمان نواز ہونے کی عکاسی کررہے تھے۔ ہر ایک ہمیں اپنے گھر ٹھہرنے کی پیشکش کررہا تھا۔ وہ علاقہ مجاہدین کے زیر کنٹرول تھا۔ وہاں کھلے عام مجاہدین گھومتے پھرتے تھے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ ہم مجاہدین کے مہمان ہیں۔ ہماری آؤ بھگت کی وجہ بھی یہی تھی...... ہمیں حاجی بابا کے گھر کا پتا دیا گیا تھا۔ اس لیے ہم نے ادھر جانے کو ہی ترجیح دی۔ مجاہدین قریبی جنگل میں بیٹھے تھے۔ میں نے غازی بابا کو سیٹ پر اطلاع دی۔ شام ہوتے ہی حاجی بابا (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آج وہ اس دُنیا میں نہیں ہیں) کے گھر مجاہدین کا اجتماع شروع ہوگیا۔ راشد بھائی اور کامران بھائی اس گھر میں موجود رہے۔ باقی ساتھی گاؤں میں تقسیم ہوگئے۔ غازی بابا نے وردی پہن رکھی تھی وہ اس میں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ انہوں نے وہاں پر بھی اپنی اصلیت ظاہر نہیں کی۔ لیکن وہ سب سے منفرد اور نمایاں تھے اس لیے ترال کے لوگوں نے انہیں جیش والوں کا "افسر" کہنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ سادگی میں کمانڈر کو افسر ہی کہتے تھے۔ حاجی بابا کا گھر وصولی پوائنٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ آفتاب بھائی سے بات چیت کرنے کے بعد غازی بابا نے مجھے تیاری کرنے کا کہا۔ میں نے برقع تہہ کر کے بیگ میں ڈال دیا اور عسکری لباس زیب تن کیا۔ آفتاب

بھائی اور بھابی صبح واپس جارہے تھے میں نے انکی رفاقتوں اور بے پناہ خلوص پران کا شکریہ ادا کیا۔ بھابی نے اشکبار آنکھوں سے مجھے رخصت کیا اور دُعاء کی کہ ہم پھر ملیں۔

حاجی بابا ایک نیک دل بزرگ تھے...... رات کے بارہ بجے میرا گھر سے نکلنا انہیں گوارہ نہ تھا۔ انہوں نے رات ٹھہرنے کے لیے بہت اصرار کیا مگر غازی بابا نے وہاں نہ ٹھہر سکنے کا عذر پیش کیا پھر انہوں نے ہمیں ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت کر دیا۔ روانگی سے قبل مجھے گن سمیت تمام لوازمات مل گئے مگر میرے ناپ کے جوتے دستیاب نہ ہونے کے سبب مجھے مجبوراً وہی جوتے پہننے پڑے جو میں بڈگام سے پہن کر آئی تھی۔ پتھروں اور کنکریوں سے اٹے ہوئے راستے پر دوران سفر وہ جوتے میرے لیے مصیبت بن گئے...... اللہ اللہ کر کے اگلی منزل پر پہنچے۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ کامران بھائی نے ایک دروازے پر دستک دی، دروازہ فوراً کھل گیا۔ جیسے وہ لوگ ہمارے انتظار میں جاگ رہے ہوں۔ ساتھی ہمیں وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ روانہ ہو گئے۔

میں نے غازی بابا کو ایئرپورٹ کے حوالے سے تیار کیا گیا نقشہ دکھایا اور جو کچھ وہاں دیکھا سمجھا انہیں بتا دیا۔ انہوں نے میری کاوش کی تعریف کی اور کہا انشاء اللہ ہم بہت جلد ایک کامیاب کارروائی کریں گے۔ اس کام کے لیے فدائین دستہ بھی تشکیل دے دیا گیا۔ عین انہی دنوں لشکر کے مجاہدین نے ایئرپورٹ پر حملہ کر دیا۔ اس کارروائی میں دشمن کا کوئی نقصان نہ ہوا اور لشکر طیبہ کے پانچ یا چھ ساتھی گیٹ کے آس پاس ہی شہید ہوئے۔ غازی بابا کو بہت دُکھ ہوا کیونکہ نہ تو دشمن کا کوئی نقصان ہوا بلکہ اُلٹا ایئرپورٹ کی سکیورٹی مزید سخت کر دی گئی اور دشمن محتاط ہو گیا۔ ایئرپورٹ والی کارروائی کا ارادہ ملتوی کر کے انہوں نے ایک بڑی کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا۔

سرینگر اسمبلی پر فدائی حملہ

سرینگر اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔جس میں غدار ملت وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ کی قیادت میں تمام اسمبلی کے اراکین شرکت کر رہے تھے۔ یہ اجلاس دو تین دن جاری رہنا تھا۔ غازی بابا نے ایئر پورٹ والی کارروائی اسمبلی پر کرنے کا پلان بنایا۔اس کارروائی میں تین فدائین شامل تھے۔ جن میں سے ایک ساتھی بھائی سیف اللہ نے بارود سے بھری ہوئی گاڑی اسمبلی کےV.I.P گیٹ پر بلاسٹ کرنی تھی۔اس گیٹ سے صرف بڑے افسر اور وزراء ہی آتے جاتے تھے۔اس لیے ادھر بہت سخت سکیورٹی انتظامات تھے۔گیٹ پر بارود سے بھری گاڑی بلاسٹ ہوئی تو ہر لمحہ شہادت کی آرزو میں بے چین رہنے والے بھائی سیف اللہ فضاؤں میں خوشبو بن کر تحلیل ہو گئے۔ساتھ ہی گیٹ پر موجود بنکر اور فوجیوں کے بھی پرخچے اُڑ گئے۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔اسی دوران بھائی عرفان عرف راجہ اور بھائی عبدالرؤف عرف عربی اندر داخل ہو کر دین و ملت کے دشمنوں پر آگ برسانے لگے۔ یہ اجلاس تین دن جاری رہنا تھا لیکن ان بدبختوں کی خوش قسمتی یہ تھی کہ کارروائی سے ذرا دیر پہلے کسی اہم معاملے کی وجہ سے اجلاس ملتوی ہوا اور تمام ایمان فروش ٹولہ وہاں سے نکل گیا۔صرف چند منٹوں کا فرق تھا ورنہ یا وہ لوگ اپنے انجام کو پہنچتے یا پھر انہیں یرغمال بنا کر موقع کی مناسبت سے کارروائی کو آگے بڑھایا جاتا بہر حال اللہ کو یہی منظور تھا یہ جھڑپ دو دن جاری رہی۔ مجاہدین نے ایک درجن فوجی اہلکار ہلاک کر دیئے۔عربی بھائی نے جام شہادت نوش کیا اور بھائی عرفان نے ایک مردہ اہلکار کی وردی پہن لی اور وہاں سے نکل کر بحفاظت ساتھیوں سے آملے، اگلے دن ٹی وی پر پوری قوم نے فاروق عبداللہ کو آنسو بہاتے دیکھا۔وہ کہہ رہا تھا کہ اگر اجلاس مؤخر نہ ہوتا تو وہاں کون کون مرتا اور مجاہدین اب اسمبلی تک بھی پہنچ آئے ہیں۔

کشمیری لوگوں کی سادگی

ترال کے لوگ انتہائی بااخلاق، بہادر اور جذبہ جہاد سے سرشار قوم ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی بے پناہ سادگی ہے۔ جس گھر میں ہم ٹھہرے تھے وہ دونوں میاں بیوی بھی سادگی کا پیکر تھے۔ گھر کے مالک کا نام گل بٹ تھا۔ وہ اکثر غازی بابا سے کہتا تھا فیضان بھائی! میں بھی جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن میری بیوی مجھے جانے نہیں دیتی آپ اس کو گولی مارو، پھر میں جہاد کروں گا۔ ان کے گھر میں ہائیڈ تھی۔ حالات خراب ہونے کی صورت میں ہم ہائیڈ میں داخل ہوتے تھے ورنہ کمرے میں ہی بیٹھے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ گل بٹ بھاگتے ہوئے آیا اور کہنے لگا فیضان بھائی! ملٹری آ رہی ہے۔ آپ ہائیڈ میں چلے جائیں...... ہم لوگ تیار ہو گئے۔ غازی بابا نے پوچھا آرمی کہاں پر ہے...... اس کے جواب پر ہماری ہنسی بری طرح چھوٹ گئی وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولا بھائی آرمی والے ''ڈار'' میں ہیں لیکن ان کا منہ لام کی طرف ہے۔ ڈار وہاں سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اسی علاقے سے تعلق رکھنے والے ایک آدمی کو مجاہدین نے پیسے دیئے اور کہا سری نگر سے سوویاں لے آؤ۔ مجاہدین نے جنگل میں ہائیڈ پر لے جانے کے لیے پانچ سو روپے کی سوویاں منگوائی تھیں۔ کشمیری مسلمانوں کی مادری زبان چونکہ کشمیری ہے اس لیے انہیں اُردو کم ہی سمجھ آتی ہے البتہ پڑھے لکھے لوگ اُردو بول لیتے ہیں۔ میں خود کشمیری ہوں اور یہ بات سچ ہے کہ کشمیری چاہے کتنا بھی تعلیم یافتہ ہو ان کی اُردو پھر بھی صحیح نہیں ہوتی ہے جیسا کہ قارئین کو میری تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا ہو گا۔

وہ آدمی جب سرینگر سے واپس آیا تو اس نے ساتھیوں کو ایک عجیب بات سنائی کہ میں پورے لال چوک میں پھر کر کئی دکانوں سے سویاں جمع کر کے لایا ہوں...... سب سے تھوڑی تھوڑی لیکر میں نے پانچ سو کی برابر کر لی ہیں کیونکہ ایک دکان سے تو ملی ہی نہیں۔ ساتھی حیران ہوئے کہ سرینگر کے سب سے بڑے بازار لال چوک میں ایک دکان سے یہ چیز کیسے نہ ملی۔

جب اس کو کہا کہ سوویاں لے آؤ۔ تو وہ دیکھ کر ساتھیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کہ تھیلے میں کپڑے سینے والی سوئیاں تھیں۔ وہ بیچارہ سوویاں کو سوئیاں سمجھ بیٹھا اور ایک تھیلا اُٹھا کر لے آیا۔

صفا پورہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ساتھیوں نے ایک آدمی سے جلیبی منگوانی چاہی۔ کشمیر میں مونگ پھلی کو ''جلہ گوجہ'' کہتے ہیں وہ سمجھا کہ شاید جلہ گوجہ کو پاکستانی زبان میں جلیبی کہتے ہیں اور مونگ پھلیوں کی بوری اُٹھا کر لے آیا۔ ساتھی ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ مجاہدین کے ساتھ اس طرح کے کئی واقعات پیش آتے رہے۔

مزمل ہاتھ ملتا رہ گیا

گل بٹ کی میزبانی میں کئی دن گذر گئے تھے۔ وہاں پر بھی کچھ نہ کچھ سیکھنے سکھانے کا ماحول بنا رہتا تھا...... فارغ وقت میں میرا کام اسلحہ کو کھول جوڑ اور صفائی وغیرہ کرنے کا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ غازی بابا کے سیٹ پر موصول ہونے والے پیغامات لکھنا اور انہیں ڈی کوڈ کرنا بھی میرا کام تھا۔ ایک دفعہ وہ رابطہ کر رہے تھے۔ اچانک مزمل نے سیٹ ٹریس کیا اتنا دُور بیٹھ کر بھی وہ جہادی کی آواز فوراً پہچان گیا۔

اِدھر اُدھر کی بونگیاں مارنے کے بعد اس نے غازی بابا سے پوچھا فیضان بھائی! الفا سیون کا کیا حال ہے؟ کون الفا سیون؟ غازی بابا نے انجان بنتے ہوئے اُلٹا سوال کیا۔ وہی ہمارا پڑوسی جو آج کل آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کا کوئی پڑوسی میرے ساتھ نہیں ہے آپ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ غازی بابا کے جواب پر وہ ہنس پڑا اور بولا...... ویسے بہت چالاک لڑکی تھی چھ ماہ تک میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ وہ میرے ہاتھوں سے بچ نکلی اور آپ بھی آخر مجھ سے بچ ہی نکلے چلو کسی موڑ پر پھر ملیں گے۔ اس کی بڑکیں سن کر غازی بابا نے کہا...... تمہیں مجھ سے ملاقات کا اتنا ہی شوق تھا تو اس وقت کہاں چوہے کی طرح بلوں میں چھپ جاتے تھے، جب میں تیرے دروازے پر آ کر تجھے بلاتا تھا...... مزمل نے کھسیانہ ہو کر سیٹ بند کیا۔

میں نے غازی بابا سے کہا کہ اس کا مطلب ہے انہیں پتہ چل گیا ہے...... اب یہ ظالم گھر والوں کو تنگ کرے گا...... انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کے لیے دعائیں کریں گے۔ انشاء اللہ، اللہ پاک آسانیاں فرمادے گا۔

کچھ دنوں کے بعد گھر سے پہلا خط آیا...... یہ خط میرے بھانجے منیر احمد نے لکھا تھا۔ خط کا لفظ لفظ انڈین آرمی کے ظلم وستم کی کہانی سنا رہا تھا۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ روز روز کے چھاپوں

سے تنگ آ کر ہم لوگ گھر سے باہر نکل آئے اور فوج کو کہا کہ یہ ہمارا گھر ہے اسے چاہے جلا دو یا بارود سے اُڑا دو جو مرضی ہے کر لو مگر اس کے بعد ہمیں تنگ کرنے نہیں آنا۔ اس جملے نے مجھے رُلا ہی ڈالا کہ آرمی افسر بابا کو آ کر کہتا ہے کہ ایک بیٹی تم نے غازی بابا کو دے دی تو دوسری مجھے دے دو۔ ان سب دکھوں کے باوجود بھی انہیں ہماری فکر لگی ہوئی تھی اور پوچھا تھا کہ اللہ کے راستے میں مجھے کھانا اور سونے کے لیے بستر مل جاتا ہے۔

میرے جانے کے بعد گھر والوں نے ایک دانشمندانہ اقدام کیا تھا کہ ایس ٹی ایف والوں کے خلاف فوراً کیس درج کر دیا کیونکہ مجھے زیادہ ہراساں کرنے والے وہی تھے۔ گھر والوں نے ان کے خلاف یہ کیس بنایا کہ انہوں نے ہماری لڑکی کو اغواء کر کے قتل کر دیا ہے اور لاش بھی غائب کر دی۔ کشمیر میں بھارتی فوج کی طرف سے بے گناہ افراد کا اغواء، قتل اور پراسرار گمشدگی روز کا معمول ہے۔ دشمن اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار تو نہ تھا البتہ کچھ عرصہ وہ پولیس کے ساتھ اس معاملے میں اُلجھن کا شکار رہے۔ میرے جانے کے ساتھ ہی علاقے میں الفاسیون کے رابطے بھی بند ہو چکے تھے، دشمن کو اس بات سے بھی صورتحال سمجھ میں آ گئی لیکن سوائے پچھتانے کے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

انوکھا انداز

مجھے ایک کمرے میں رہتے ہوئے دو ہفتے گذر چکے تھے۔ بیٹھ بیٹھ کر ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے پاس رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہ تھی۔ مگر چونکہ غازی بابا خود جنگجو طبیعت کے مالک تھے اس لیے وہ اپنی شریک حیات کو بھی اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے نرم و نازک اور مٹک مٹک کر چلنے والی عورتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ یہ جنگوں کا دور ہے اس میں عورت کو بھی بہادر اور جنگجو ہونا چاہیے۔ میں جہاد میں شامل ضرور تھی لیکن بہر حال ایک عورت ذات تھی اور ہر عورت کے اندر نسوانیت موجود ہوتی ہے۔ وہ مجھے سخت مراحل سے گذار کر اپنے معیار کے مطابق بنانا چاہتے تھے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ چلتے رہنے سے زیادہ مشکل کام بیٹھے رہنا ہے کشمیر میں چونکہ گوریلا جنگ ہے اس لیے کبھی کبھی مجاہدین پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ کئی کئی دن تک سورج دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے کشمیری مجاہدین کے لیے انہوں نے یہ خصوصی تربیت بھی لازم قرار دی۔ وہ مجھے کراٹے کی بھی تھوڑی بہت پریکٹس کراتے تھے اس طریقے سے کم سے کم میری ورزش تو ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ میں عصر کے بعد دونوں گنیں سر پر اُٹھا کر کمرے کے سو دو سو چکر کاٹ لیتی تھی ایک مرتبہ گھر کی مالکن نے مجھے یہ عجیب و غریب ورزش کرتے ہوئے دیکھ لیا...... انہیں بڑا ترس آیا اور غازی بابا سے کہنے لگی فیضان بھائی! یہ بے چاری اتنے دنوں سے اس کمرے میں قید ہے۔ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، ہم لوگ پہاڑ سے گھاس کاٹ کر لائیں گے اور اس کی سیر و تفریح بھی ہو جائے گی، انہوں نے اس چیز کی اجازت تو نہ دی۔ البتہ رات کے وقت مجھے سیر کرانے کا وعدہ کیا۔ وہ رات کے وقت روزانہ ساتھیوں کے ساتھ نکل جاتے تھے اور علاقے میں گھوم پھر کر کام کرتے تھے۔ لیکن میں ان پندرہ دنوں میں کبھی باہر نہیں نکلی تھی۔

عشاء کے بعد انہوں نے مجھے کہا چلو آج میں آپ کو سیر کراتا ہوں آخر آپ بھی کیا یاد کریں

گی۔ میں گن پاؤچ سمیت تیار ہوگئی میں نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔اس رات بہت اندھیرا تھا۔ لام کی بستی سے تھوڑا باہر ایک خوبصورت نالہ بہہ رہا تھا۔ہم لوگ اسی طرف جا رہے تھے۔راستے میں وہ کہنے لگے کہ یہ راستہ اچھی طرح یاد رکھنا کیونکہ ہم نے کچھ عرصہ اس علاقے میں کام کرنا ہے اس لیے کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا مذاق کرنے والے ہیں۔ہم دونوں نالے کے کنارے کھڑے ہوگئے۔انہوں نے سیٹ کھولا اور کہیں رابطے میں مصروف ہوگئے۔کوٹ گھری کے برف پوش پہاڑوں سے آنے والے ٹھنڈے یخ پانی نے ماحول میں خنکی شامل کر رکھی تھی۔ نالے کی دوسری جانب بھی پہاڑ ہی تھا اور اس کے سرسبز اور لمبے لمبے چیڑ کے درخت مجھے بہت اچھے لگ رہے تھے۔کئی دنوں کے بعد کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقعہ ملا تھا۔میں لمبے لمبے سانس لیکر اپنے گھٹن زدہ دماغ کو راحت پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہادی میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے کتنا پیارا منظر ہے کیسی لگی آپ کو یہ جگہ؟ میں نے کہا بہت پیاری ہے دن کے اُجالے میں اور زیادہ حسین لگتی ہوگی۔اگر میں آپ کو اس حسین جگہ پر اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں آپ کیا کریں گی؟ ڈرنے کی کیا بات ہے میرے پاس گن ہے۔ میں نے لاپرواہی سے کہا...... اس علاقے میں وَن بڈھی بھی ہوتی ہے۔وَن بڈھی انہوں نے چڑیل کا نام رکھا تھا۔ میں نے فوراً کہا اس کو تو میں دیکھتے ہی گولی ماروں گی...... اچھا ماشاءاللہ آپ تو بڑی بہادر ہیں...... تھوڑی دیر تک ان حسین وادیوں کی باتیں کرتے ہوئے چیوا کا ذکر چل نکلا تو دل اُداس سا ہوگیا۔انہوں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا وہ دیکھو پہاڑ کی طرف سے کوئی آ رہا ہے۔شاید حزب کے ساتھی ہیں آپ ذرا دیکھ لو۔ یہ ایسی بات تھی جس پر یقین کیا جا سکتا تھا۔ میں نے چند قدم آگے جا کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھا۔مگر اِدھر نہ کوئی تھا اور نہ ہی نظر آ نا تھا...... پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو جہادی بھی غائب، میں پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اتنے میں دور سے ان کی آواز آئی ''سعدی وَن بڈھی چڑیل آ گئی''۔ایک لمحے کے لیے میں گھبرا ہی گئی فوراً گن کا سیفٹی لاک کھولا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ وہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ایک دم میرے ذہن میں آیا کہ جہادی نے یا تو میرے ساتھ شرارت کی ہے یا پھر یہ بھی تربیت کا حصہ ہوگا۔ایک طرف پانی کا

گہرا نالہ تھا اور دوسری طرف چاولوں کی لمبی فصلیں کھڑی تھیں۔ میں ان دونوں کے بیچ ایک پگڈنڈی نما اُونچی جگہ پر کھڑی تھی۔ خود کو اس اجنبی جگہ پر اکیلا محسوس کر کے میں نے بھی دوڑ لگائی۔ گھنی فصلوں کی وجہ سے راستے کی ویسے بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ میں کھیتوں کے بیچ سے اور کیچڑ اور پانی سے بھری ہوئی ندی نالیوں سے اندھادھند بھاگی جارہی ہوں۔ میرے کپڑے اور جوتے کیچڑ سے لت پت ہو گئے۔ اس حالت میں سڑک کے بیچ گئی تو حضرت کھڑے ہنس رہے تھے۔ میں نے غصے میں انہیں نظرانداز کر دیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ سمجھے کہ شاید اندھیرے کی وجہ سے میں انہیں دیکھ نہ سکی انہوں نے پیچھے سے آواز دی سعدی میں یہ ہوں۔ میں نے غصے سے کہا میں آپ سے بولتی ہی نہیں ہوں۔ جا کہاں رہی ہو یہ تو بتاؤ...... میں نے کہا اپنے پوائنٹ پر جا رہی ہوں اور کہاں...... وہ تو اس طرف نہیں ہے یہ سن کر میں رُک گئی واقعی مجھے گل بٹ کے گھر کا راستہ پتہ نہ تھا کیونکہ میں وہاں رات کے وقت گئی تھی۔ مجبوراً ان سے صلح کرنی پڑی۔ وہ میری حالت دیکھ کر بہت ہنسے پھر بولے یہ سب میں نے آپ کا امتحان لینے کے لیے کیا۔ ماشاء اللہ آپ کامیاب ہو گئیں۔ یہ بھی ان کا ایک انوکھا انداز تھا کہ مشکل جگہ پر میرا ردِعمل کیا ہوگا۔ آنٹی نے میرا حشر دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے کہا...... کیا ہوا کیا ملٹری آ گئی تھی۔ میں نے کہا نہیں وَن بڈھی آ گئی تھی۔

آزادی کی قیمت

ترال کے لوگوں کے جذبۂ جہاد اور جذبۂ استقلال کی کہیں نظیر نہیں ملے گی۔ وہاں کے غیور عوام نے شجر آزادی کو ہر موقع پر لہو کا خراج پیش کیا۔ بھارتی فوج نے وادیٔ کشمیر کے چپے چپے پر اپنے ظلم و بربریت کی دلخراش داستانیں چھوڑی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ترال کی خوبصورت وادیاں بھی ظلم و جبر کی آگ میں جھلستی رہیں۔ وہاں کے نوجوان بڑی تعداد میں مجاہدین کی صفوں میں شامل تھے۔ لام جوہر پورہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہونے کے باوجود کئی شہیدوں اور غازیوں سے نسبت پر نازاں تھا۔ ضیا احمدؒ، محمد سفیانؒ اور کمانڈر زاہد شہیدؒ کے گھر بھارتی فوج کے ظلم کا منہ بولتا ثبوت تھے...... ان کے گھروں کی کوئی کھڑکی دروازہ باقی نہ تھا۔ چھاپے کے دوران وہ اشیاء خوردونوش ضائع کر دیتے چاولوں میں مٹی کا تیل اور ریت ملا کر نا قابل استعمال بنا دیتے اور ظلم کی حدیں پھلانگتے ہوئے مجاہدین کے اہل خانہ کو فصلیں کاشت نہیں کرنے دیتے تھے۔ لام جوہر پورہ سے ملحق گاؤں ڈارگنائی گنڈ کے کئی نوجوان قافلہ اہل حق میں شامل ہوئے۔ ان کے لواحقین کو نا قابل بیان سزائیں دی گئیں۔ امتیاز احمد ایک مجاہد تھا اس کے بوڑھے اور عمر رسیدہ والد کو انڈین آرمی نے کریک ڈاؤن کے دوران سکول کے اندر بند کر کے زندہ جلا ڈالا۔ اس کی دلخراش چیخوں سے ترال کے کوہ و بیاباں لرز اُٹھے۔ اور آج بھی وہاں لوگ اس سانحے کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے ہیں۔ الغرض ترال کے باسیوں پر ہونے والے مظالم کی داستانوں کے لیے بھی ایک کتاب درکار ہے۔ یہاں پر میں صرف ایک بہن پر ہونے والے ظلم کا تذکرہ کروں گی۔

لام میں مجاہدین کی مائیں اور بہنیں میرے پاس آتی رہتی تھیں۔ کئی ایک نے اس خواہش کا شدید اظہار کیا کہ وہ بھی اسلحہ اُٹھا کر ہندو بنیے سے لڑنا چاہتی ہیں۔ انہی دنوں کمانڈر زاہد شہیدؒ کی اہلیہ محترمہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ آنسوؤں کی برسات میں ہونے والی وہ ملاقات مجھے کبھی نہیں بھولے گی۔ کمانڈر زاہد حزب المجاہدین کے ڈسٹرکٹ کمانڈر تھے۔ انہوں نے عرصہ سات سال

میں اپنی عسکری کارروائیوں سے بھارتی فوج کے ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ بھارتی فوج نے ان کے اہل خانہ پر بے تحاشہ مظالم ڈھائے۔ ان کا گھر رہائش کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ سرینگر میں کرائے کا کمرہ لیکر بچوں کے ساتھ روپوش ہوگئی۔ ان دنوں زاہد بھائی بھی سرینگر میں ہی تھے۔ ایک دن فوج نے چھاپہ مارا اوران کی آٹھ سالہ بیٹی پر گرم پانی پھینکا جس سے وہ بری طرح جھلس گئی۔ چند دن سرینگر کے ایک ہسپتال میں رہنے کے بعد وہ معصوم جان سے گزر گئی۔ اس کی غمزدہ ماں اپنی ننھی کلی کی لاش اُٹھائے واپس ترال آ گئی۔ ان کا میکہ نارستان میں تھا۔ ایک دفعہ بچے کی ولادت کے وقت وہ اِدھر موجود تھیں ایک رات آرمی نے گھر پر چھاپہ مارا ان کی بڑی بیٹی کی عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ ماں نے بیٹی کی عزت بچانے کے لیے اس کو گھر کی پچھلی طرف سے نکال دیا۔ اتنے میں بھارتی فوجی اندر آ گئے اور آمنہ سے کہا کہ تم نے کمانڈر زاہد کو اس کھڑکی سے بھگا دیا ہے۔ اس جرم میں آمنہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی بیس دنوں کی معصوم بچی کو تڑپتا، بلکتا چھوڑ کر بھارتی درندے کمانڈر زاہد کی اہلیہ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ یہاں تک آمنہ نے اپنی کہانی خود بیان کی اس کے بعد آنسوؤں کے بند کھل گئے۔ الفاظ ہچکیوں میں ڈوب کر رہ گئے۔ اس سے آگے کی داستان گل بٹ کی اہلیہ جلی آنٹی نے یوں بیان کی۔ بھارتی فوجی انہیں بیس دن اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہے۔ پانی کی بجائے انہیں شراب پلائی جاتی تھی۔ بیس دنوں کے بعد انہیں اس حالت میں کھیتوں میں پھینک کر چلے گئے کہ اس دن شرم کے مارے سورج بھی نہ نکلا۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے جسم کے اُوپر کوئی ایک کپڑا نہ تھا۔ ایک آدمی صبح سویرے جب کھیتوں کی طرف گیا تو پگڈنڈی کے نیچے دبکی ہوئی آمنہ کو چڑیل یا کوئی بلا سمجھ کر راستہ بدل لیا۔ آمنہ نے آواز دی میں زاہد کی اہلیہ ہوں۔ یہ سنتا تھا وہ آدمی روتا ہوا اور سر پر خاک ڈالتا ہوا گھر کی طرف بھاگا اور اپنی عورتوں کو اطلاع دی۔ عورتوں نے کپڑے ساتھ لیے اور انہیں گھر لے آئیں۔ جلی آنٹی یہ لرزہ خیز داستان ختم کر چکی تھیں۔ لیکن آمنہ کے آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ کمرے میں موجود سبھی لوگ رو رہے تھے۔

کمانڈر زاہد ایک عظیم مجاہد تھا۔ جب انہیں اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے بیوی کو یہ پیغام بھیجا ’’آمنہ تم صبر کر لینا اپنا سارا نوحہ قیامت تک کے لیے اُٹھائے رکھنا۔ اس طرح تم میرے

اَجر میں برابر کی شریک ہو اور جنت کی حوروں کی سردار بن کر میرے ساتھ آملو گی۔اس ملاقات کے چند دن بعد کمانڈر زاہد انڈین آرمی کے خلاف بارودی سرنگ بچھاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مائن لگانے کے دوران کسی فنی خرابی کی وجہ سے پھٹ گئی اور وہ دو ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کر گئے۔

کمانڈر زاہد کی شہادت

لام میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں نے گھروں کو تالے لگائے اور دیوانہ وار ترال کی طرف بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں خالی ہو گیا۔ دوپہر کے وقت شہید کو جلوس کی صورت میں اس کے آبائی گاؤں میں لایا گیا۔ غازی بابا نے مجھے ٹیپ ریکارڈر دیتے ہوئے کہا کہ آپ مظاہرے کی پوری ریکارڈنگ کر کے لاؤ۔ شہید کے لواحقین کے تاثرات، لوگوں کے جوش و جذبے اور مجاہدین کے ساتھ والہانہ محبت کے اظہار پر مبنی وہ کیسٹیں مظفر آباد میں ریڈیو صدائے حریت کو بھیجی جاتی تھیں۔ وہ ان کیسٹوں کو باقاعدہ نشر کرتے تھے اور یہ ریڈیو چینل کشمیر میں ذوق و شوق کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں تک بھی یہ پیغام پہنچایا جاتا تھا۔ میں نے ٹیپ فیرن کے اندر چھپا رکھا تھا اور مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے تاثرات اس میں محفوظ کرنے لگی۔ شہید کی جواں سال بیٹی شکیلہ نے اس موقع پر ایمان افروز بیان دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے ابا جان کی شہادت پر فخر ہے۔ انہوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ ''میری شہادت پر آنسو نہ بہانا بلکہ یہ دُعاء کرنا کہ اللہ پاک میری شہادت قبول فرمائے اور مجھے آپ سب کی شفاعت کا باعث بنا دے۔ اس لیے میں نے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا ہے''۔ لوگوں کا جوش و جذبہ دیدنی تھا اور وہ بھارت کے خلاف اور آزادی کے حق میں فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے...... مجمع میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی ہر کوئی شہید کی زیارت کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں ہر طرف خاموشی چھا گئی اور لوگ ادھر ادھر منتشر ہونے لگے۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو دور سے مجاہدین کی لمبی قطار آتی دکھائی دی۔ میں سمجھی کہ حزب کے ساتھی شہید کے جنازے میں شرکت کے لیے آ رہے ہیں۔ لوگوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا۔ وہاں کے لوگ مجاہدین کو پہچانتے تھے۔ اس لیے انہیں دُور سے دیکھ کر یہ نعرہ لگانا شروع کیا 'جیش والو قدم بڑھاؤ ہم

تمہارے ساتھ ہیں'۔ وہ واقعی جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہین تھے۔ جو جذبۂ اخوت کی عملی مثال بن کر حزب المجاہدین کے شہید کی زیارت کرنے آئے تھے۔ یہ تقریباً دس بارہ ساتھی تھے انہوں نے اپنی گنیں ہاتھوں میں اُوپر اُٹھا رکھی تھیں۔ لوگ ان کے ہاتھوں کو بوسے دے رہے تھے اور ان کے لیے راستہ چھوڑتے جا رہے تھے۔ غازی بابا نے چہرے پر نقاب کیا ہوا تھا انہوں نے شہید کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر ان کے مشن کے ساتھ وفا کرنے کا عزم ظاہر کیا پھر انہوں نے بلند آواز میں نعرے لگائے اور لوگوں نے جوش وخروش کے ساتھ نعروں کا جواب دیا۔ جنازہ گاہ سے نکلنے کے بعد لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ان کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑا دُور جا کر انہوں نے لوگوں کے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں واپس جانے کا کہہ دیا اور خود وہ لوگ جنگل کی طرف نکل گئے کیونکہ اتنی بڑی خلقت کے سامنے گل بٹ کے گھر میں داخل ہونا مناسب نہ تھا۔ میں نے بھی اس موقع پر ان کے ساتھ چلنا مناسب نہ سمجھا بلکہ میں غیر محسوس انداز میں ایک طرف کھڑی تھی۔ شہید کی ایک رشتہ دار خاتون نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ دن کے اُجالے میں پوائنٹ پر جانا صحیح نہیں تھا اس لیے میں نے ان کی دعوت قبول کی...... اندھیرا پھیلتے ہی میں گل بٹ کے گھر چلی گئی اور ان سے رابطہ کیا...... رات کو وہ لوگ بھی ادھر ہی پہنچ آئے۔ چند دن بعد ہم نے صدائے حریت سے وہ پروگرام سنا۔ اس موقع پر ریڈیو صدائے حریت نے بار بار یہ نظم چلائی!

''شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا'' غازی بابا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوگئیں۔ میں نے انہیں اس قدر شدت سے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ان کی حالت نے مجھے بھی رُلا دیا۔ میں ان کے رونے کی وجہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ پھر انہوں نے مجھے کہا جب بھی میں یہ نظم سنتا ہوں تو مجھے میرے شہید ساتھی یاد آ جاتے ہیں...... میرے کئی ساتھیوں نے میری گود میں دَم توڑ دیا ہے۔ انہیں میں کبھی بھلا نہیں پاؤں گا۔

اور کوہسار گونج اُٹھے

غازی بابا کا ارادہ ترال میں مرکز قائم کرنے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ وہاں موجود ساتھیوں کو بارود بنانے کی تربیت دی جائے۔ ترال کے مضافاتی علاقوں سے درجنوں نوجوان جیش کی صفوں میں شامل ہورہے تھے۔ ان کی تربیت کے لیے لام کے جنگل میں عارضی تربیتی کیمپ قائم کیا گیا۔ وہاں کا سیٹ اَپ مضبوط بنانے کے بعد وہ سرینگر کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے ایک محفوظ ٹھکانے کا بندوبست بھی کرنا تھا۔ اس سلسلے میں آفتاب بھائی کے ساتھ تعاون کر کے سرینگر کے علاقہ نواب بازار میں ایک مکان خرید لیا گیا۔ مکان کے اندر زیر زمین ہائیڈ تعمیر کروانے کا کام بھی آفتاب بھائی کے ذمے ہی تھا۔ ہائیڈ بنوانے کے لیے مستری کا قابل اعتماد ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ان دنوں بھٹنور سے تعلق رکھنے والا ایک مسلح ساتھی لام میں موجود تھا جو یہ کام بہتر انداز میں کرنا جانتا تھا۔ غازی بابا نے مجھ سے کہا کہ آپ نے کل ساتھی کو لیکر انہیں آفتاب بھائی کے حوالے کرنا ہے۔ اور میں جنگل میں جا کر کلاس کر کے دوبارہ آپ کو اسی جگہ ملوں گا۔ غازی بابا نے ان کا حلیہ تبدیل کر کے جعلی شناختی کارڈ بنایا۔ جانے سے پہلے انہوں نے مجھے ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ ان کا نام امتیاز ہوگا اور آپ ان کی بہن ''گلشن'' ہیں۔ راستے میں دشمن نے کہیں روکا تو آپ یہی نام بتائیں گے۔ میں نے اپنا عسکری ساز و سامان جلی آنٹی کے سپرد کیا اور برقعہ پہن کر روانہ ہوگئی۔ سرینگر تک ہماری گاڑی کو کہیں بھی نہیں روکا گیا۔ البتہ بادامی باغ ہیڈ کوارٹر کے مقام پر فوج زبردست تلاشی لے رہی تھی۔ بالآخر ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے آرمی نے آخری گاڑیوں کو تلاشی لیے بغیر چھوڑ دیا۔ شام کو ہم لوگ چاڈورہ پہنچ گئے۔ میں کچھ دن ادھر ہی رہی۔ ابوبکر بھائی نے محنت اور لگن کے ساتھ ہائیڈ کا کام شروع کر دیا۔ سرینگر شہر کی سکیورٹی دیکھ کر میں پریشان ہورہی تھی کہ ادھر مجاہدین کس طرح کام کر سکتے ہیں۔ جہاں ہر دوسرا بندہ

بھارتی فوجی لگتا ہے۔ بہر حال ان ہندی رنگ روٹوں سے نپٹنے کے لیے کوٹ گھری کے پہاڑوں پر عقاب تیار ہو رہے تھے اور کافروں پر جھپٹنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ غازی بابا نے پندرہ بیس دنوں میں کلاس مکمل کر لی اور میں واپس ترال چلی گئی اور انہیں ہائیڈ کے کام کے حوالے سے معلومات دے دیں۔

فلک بوس پہاڑوں کا سفر

اگست کے آخری دن تھے۔ لام جو ہر پور کے لوگوں نے فصلوں کی کٹائی شروع کر دی تھی۔ زیز بل کے گجروں (خانہ بدوش) نے بھی گھاس کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ فصل کٹنے کے بعد یہ علاقہ خالی خالی سا ہو جاتا تھا۔ انڈین آرمی ایسے ہی موسم میں بڑا سرچنگ آپریشن کرتی تھی۔ کیونکہ ہر طرف گھنی فصل اور گھاس وغیرہ ہونے کی وجہ سے انہیں لام میں آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کبھی آنے کی غلطی کر بھی بیٹھتے تو مجاہدین کے ہاتھوں ان کی خوب پٹائی ہوتی تھی۔ ان دنوں بھارتی فوج کی طرف سے بڑے سرچنگ آپریشن کی خبریں مل رہی تھیں۔ ہم نے لام کو الوداع کہہ کر کوٹ گھری کے فلک بوس پہاڑوں میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جنگل میں جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہاں پر میری تربیت کی عملی مشق ہو جائے۔ چونکہ میں نے ایک گھر کے اندر تربیت کی تھی اس لیے بڑے ہتھیاروں سے فائر کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ جنگل میں تربیتی کیمپ کا پہلے ہی انتظام کیا گیا تھا اس وجہ سے غازی بابا نے یہ فیصلہ کیا۔

جمعرات کے دن ہم تیاریوں میں مصروف تھے، ہم نے اپنی گنوں کو خوب چمکایا تیاری کے دوران میں مسلسل اس بلند و بالا چوٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ ہمارے بالکل سامنے تھی اور کمرے کی کھڑکی سے دن میں کئی بار میں دُوربین کے ذریعے اس پہاڑ کو دیکھتی رہتی تھی۔ اُس ٹاپ کی بالکل کھڑی اور سیدھی چٹانیں دیکھ کر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اُوپر جایا جا سکتا ہے۔ جہادی کی عادت تھی وہ بندے کو موت دکھاتے تھے تا کہ وہ بخار کے لیے آرام سے تیار ہو جائے، میں اس بات کو بھی اسی سلسلے کی کڑی سمجھ رہی تھی۔

اس دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ گل بٹ کا نو، دس سال کا بیٹا زیادہ وقت ہمارے پاس ہی گزارتا تھا۔ ہم اس کو پسٹل وغیرہ چلانا سکھاتے تھے۔ بہر حال وہ بھی ایک نمونہ ہی تھا۔ دونوں باپ بیٹا عجیب قسم کی طبیعت کے مالک تھے اس لیے روزانہ کوئی نہ کوئی لطیفہ بن

جاتا تھا۔ چھوٹا فیاض ہمارے پاس بیٹھا گپ شپ لگا رہا تھا۔ باتوں باتوں میں غازی بابا سے کہنے لگا بھائی جان! آج آپ اوپر نہیں جا سکیں گے۔ وہ کیسے؟ غازی بابا نے پوچھا...... وہ بولا ''وہ دیکھیں نا ابورہ تو آلودہ ہے'' یعنی آسمان اَبر آلود ہے۔ ہم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اس کے بعد جب بھی بادل آتے جہادی کہا کرتے تھے کہ ابورہ تو آلودہ ہے۔ شام سے پہلے پہلے ہی ابورہ آلودہ برس پڑا اور ہر طرف جھل تھل ہونے کی وجہ سے رات کے سفر کا پروگرام کینسل ہوگیا۔ مجھے بارش کا موسم بہت پسند ہے اور اس دور میں بارش میں بھیگنے کا بھی بڑا شوق ہوتا تھا۔ گل بٹ کے صحن کے سامنے ایک کیاری تھی۔ جس میں مختلف قسم کی سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ مغرب کے بعد اندھیرا پھیلتے ہی میں اِدھر کچھ دیر چہل قدمی کرتی رہتی تھی۔ جہادی کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ بارش رِم جھم برس رہی تھی۔ میں چپکے سے کمرے سے کھسک گئی اور بارش سے لطف اندوز ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد فیاض کی نظر مجھ پر پڑی۔ وہ بھاگ کر چھتری لیکر آ گیا میں نے بچے کا دل رکھنے کے لیے چھتری لے لی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے وہ دوبارہ بند کر لی اور خوب بھیگی۔ فیاض نے جا کر غازی بابا کو بتایا کہ دیدی (بہن) بارش میں کافی دیر سے کھڑی ہیں۔ جہادی نے کھڑکی سے سر نکالا اور جلال سے کہا ''سعدی اوپر آ جاؤ''۔ اوپر جا کر میں کمرے کے دروازے کے باہر ہی کھڑی رہی کیونکہ میرے پاؤں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے مجھے خوب ڈانٹ پلائی۔ جہادی کی وہ پیار بھری ڈانٹ مجھے خوب یاد ہے۔ غصے میں انہوں نے کہا تھا، پاگل تو نہیں ہوگئی تھی۔ بیمار ہوئی تو پھر کیا ہوگا۔ میری حالت دیکھ کر پھر ان کی ہنسی چھوٹ گئی تھی...... رات دس گیارہ بجے تک مجھے تیز بخار ہوا تھا اور گولی کھانے کے بعد صبح تک آرام آ گیا۔ جمعتہ المبارک کی صبح خوشگوار تھی۔ آسمان پر چھائے بادل چھٹ گئے تھے۔ سنہری دھوپ میں ہر چیز نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ جہادی نے مجھے بتایا کہ اس ٹاپ کو کراس کرنے کے بعد ہم نے دوسری طرف اتنا ہی نیچے اُترنا ہے۔ آپ اتنا چل سکتی ہو؟ یہ نہ ہو راستے میں ہی گر پڑو۔ یہ میرا پہلا پہاڑی سفر تھا اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ گھر سے آئے ہوئے صرف ڈیڑھ دو ماہ گزرے تھے۔ طبیعت کی نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ذرا سا پیدل چلنے سے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود میں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اس

کٹھن اور دشوار گزار راستے کا انتخاب کیا۔ راہِ جہاد میں میرا یہ تجربہ رہا کہ جب حوصلے بلند اور جذبہ صادق ہو تو مشکلیں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔ ظہر کی نماز میں، میں نے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر یہ دُعا مانگی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ایک کمزور اور نحیف لڑکی ہوں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں نے کس نیت سے اپنا عیش و آرام اور گھر بار چھوڑا ہے۔ یا اللہ! میرے جذبوں کی لاج رکھنا اور ان دشوار راہوں کو میرے لیے آسان فرما۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے ساتھ ہی جلی آنٹی کھانا لے کر آ گئیں انہوں نے کشمیر کی مشہور و معروف سبزی ہا کھ (ساگ) پکایا تھا۔ ہا کھ کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور کشمیر میں بعض لوگ اسے کاٹے بغیر ہی پکاتے ہیں۔ غازی بابا ہا کھ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے یہ گھاس کشمیری ہی کھا سکتے ہیں جس کا ایک سرا پلیٹ میں اور دوسرا پیٹ میں ہوتا ہے۔ اس دن وہ ہا کھ مجھ سے بھی نہیں کھایا گیا ہم نے میزبانوں کا دل رکھنے کے لیے بمشکل چند نوالے کھائے اور تیاری شروع کر دی۔ میں نے اپنے پاؤچ میں کپڑوں کے علاوہ کولڈ کریمیں، شیمپو، پیسٹ اور اس طرح کی کئی چیزیں ڈال دیں۔ جہادی کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ کیا پکنک پر جا رہی ہو؟ اتنا بھاری پاؤچ کون اُٹھائے گا؟ میں خود اُٹھاؤں گی میں نے پر جوش انداز میں جواب دیا۔ لکھ لو ہائیڈ تک پہنچتے پہنچتے ایک ایک چیز پھینکتی چلی جاؤ گی۔ آپ کو ابھی ان راستوں کا اندازہ نہیں ہے نا اس لیے ایسا کہہ رہی ہو۔

انہوں نے خود وردی پہن لی اور مجھے سلوٹوں سے بھرا ہوا ایک مردانہ سوٹ دے دیا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا یہ تو استری ہی نہیں ہے اس بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ابھی گھر سے نئی نئی آئی ہیں نا اس لیے طبیعت میں نفاست باقی ہے۔ خیر کچھ دن جنگل میں رہ لو گی تو سب کچھ بھول جاؤ گی۔ میں نے خاموشی سے وہ لباس پہنا سر کو ایک رومال سے ڈھانپ لیا اور اوپر پی کیپ رکھ دی۔ رومال کے ذریعے سر کے بالوں کو چھپانے کے علاوہ میں چہرے کا نقاب بھی کر لیتی تھی اور پی کیپ پہننے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کے ذریعے آنکھیں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ میں مکمل تیاری کرنے کے بعد کلاشنکوف کندھے پر اُٹھا کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور از راہ مذاق کہا، ''میں تیار ہوں اُستاد جی''...... انہوں نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا پھر

محبت بھرے لہجے میں بولے...... جانتی ہو سعدی! آپ اس عسکری لباس میں مجھے دُنیا کے ہر خوبصورت اور ریشمی لباس سے بڑھ کر پیاری لگتی ہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی یہ لباس بہت پسند ہے اسی لیے تو ''لال جوڑے'' پر اس کو ترجیح دی۔

عشاء کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ایک مقامی مجاہد کامران بھائی ہمارے ساتھ تھے۔وہ ہم سے ذرا فاصلہ رکھ کر آگے آگے چل رہے تھے اور میں جہادی کے پیچھے چل رہی تھی۔سفر کے دوران ہمیشہ یہ ترتیب ہوتی تھی اور پردے کا حتی الامکان خیال رکھا جاتا تھا۔ایک گھنٹے کے بعد ہم ''زیز بل'' پہنچے۔یہ گجروں کی بستی تھی جو جنگل کے شروع میں آباد تھی۔یہ راستہ چڑھائی والا ہی تھا اور ہم نے رُکے بغیر طے کرلیا۔میرا سانس پھولنے لگا تھا۔اِدھر ہم نے چند منٹ آرام کیا اور ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔وہ علاقہ بے حد خوبصورت اور سرسبز تھا۔اس جگہ کو دیکھ کر میں اکثر سوچتی تھی کہ اللہ پاک نے زمین کے اس ٹکڑے کو اتنا حسین بنایا ہے تو رَب کی جنت کتنی حسین ہوگی۔غازی بابا نے مجھ سے پوچھا آگے سفر کرنے کا ارادہ ہے یا جلی آنٹی کے پاس جانا ہے۔میں نے کہا انشاء اللہ آگے ہی جائیں گے وہ کہنے لگے ہم تو دیوانے تھے آپ کو کس چیز نے یہ نازک سی جان لیکر ان پرخطر راستوں پر چلنے کے لیے مجبور کردیا۔میں نے جواب دیا......جس چیز نے آپ لوگوں کو اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا ہے اس جذبے نے مجھے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

آگے اب مسلسل چڑھائی تھی۔تھوڑا آگے جاکر کامران بھائی نے میرا پاؤچ سنبھال لیا۔اب میں ایک گن اور ایک عدد پسٹل کے ساتھ رواں دواں تھی۔تھوڑا سا چلنے کے بعد ہم پانچ منٹ کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔اس طرح انسان تازہ دَم ہوجاتا ہے۔مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی لیکن ہم پانی کی بوتلیں بھول آئے تھے۔کچھ ٹافیاں ساتھ تھیں جو گلا تر کرنے کے کام آتی تھیں۔سو یہ پتھری میں گجروں کا آخری ڈیرہ تھا۔کامران بھائی ان سے پانی کا ایک برتن اُٹھا لائے اور انہیں کہا صبح اسی راستے سے اوپر کی طرف چلے آنا کہیں نہ کہیں آپکو برتن مل جائے گا۔اس پانی نے جہاں تک ساتھ دیا برتن ہمارے ساتھ ہی رہا۔پھر اس کو ایک چٹان پر رکھ کر ہم

آگے بڑھے۔ جوں جوں ہم اُوپر چڑھتے جارہے تھے۔ پہاڑ اور ہی اوپر اُٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ میری سانسیں درہم برہم ہو رہی تھیں لیکن اللہ کے فضل سے میں مجاہدین کے ساتھ برابر چل رہی تھی۔ ایک جگہ ہم رکے، کامران بھائی ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے غازی بابا سے کہا۔ اُستاد جی! بھابی کی گن مجھے پکڑا دیں۔ ارے نہیں یار یہ بہت بہادر ہے خود ہی اُٹھالیں گی بلکہ ان کا پاؤچ بھی اب ان کو دے دو۔ انہوں نے مجھے چھیڑنے کی غرض سے ایسا کہہ دیا پھر انہیں گن پکڑا دی اور مجھے کہنے لگے۔ کیوں سعدی! پاؤچ میں کوئی چیز ڈالنی باقی تو نہیں رہ گئی تھی۔ میری بیلٹ کے ساتھ پسٹل لگا ہوا تھا دل کرتا تھا اسے بھی کوئی اُٹھالے تو اچھا ہے۔ اس سفر میں کئی بار میں پھسل کر گر پڑی اور مشکل جگہوں پر دو کی بجائے چار ٹانگوں کا استعمال کرتی تھی (یعنی دونوں ہاتھوں کا بھی) میری اس کارروائی کا صرف غازی بابا کو پتہ چلتا تھا...... وہ بھی پیچھے مڑ کر کہتے ''کہیو دلیلہ چھ'' (کیا حال چال ہے) میں نے کہا ابھی تک تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں پھر چلنا مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا بے فکر رہو، آپ کے جوتے بہترین قسم کے ہیں انشاء اللہ پاؤں محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے میرے لیے بھی اپنے جیسے ہی جوگر منگوائے تھے صرف سائز کا فرق تھا، انہیں نو نمبر کا جوتا آتا تھا۔

رات دو بجے ہم ٹاپ کے قریب پہنچے۔ یہ بہت خطرناک جگہ تھی۔ دونوں طرف نالے سے بنے تھے اور درمیان میں کھڑی چٹانیں تھیں۔ اس مشکل جگہ کو سب نے چار ٹانگوں کی مدد سے عبور کیا۔ اس پہاڑ کے متعلق ساتھیوں میں ایک لطیفہ بڑا مشہور تھا۔ دو ساتھی اُوپر جارہے تھے۔ چلتے چلتے تھک گئے تو ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ایک ساتھی بولا اللہ اکبر کبیرا...... دوسرے نے جھٹ سے کہا ان پہاڑاں نوں کر صغیرا...... یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ دُور سے ڈراؤنی نظر آنے والی ٹاپ پر ایک خوبصورت اور سرسبز میدان تھا۔ سبزے پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے اور چاروں طرف کھڑے چیڑ کے درخت چاندنی میں دلکش سماں پیدا کر رہے تھے۔ ہمارے جسم تھکاوٹ سے چور تھے ایک پتھر کے ساتھ ٹیک لگائی تو آنکھوں میں نیند سی بھرنے لگی۔ اس وقت وہ پتھر کا سرہانہ اور شبنم کے قطروں سے بھیگی بھیگی گھاس مخملی بچھونے سے بھی زیادہ آرام دہ محسوس ہو رہی تھی۔ بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تو جلی آنٹی کا ہاکھ (ساگ)

بہت یاد آیا۔ کاش! پیٹ بھر کر کھا لیا ہوتا۔ سچ مچ کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ اس وقت اگر ہمیں وہ ہا کھ مل جاتا تو ہم سر اُٹھائے بغیر کھائے جاتے۔ تھوڑی دیر بعد ہائیڈ سے ساتھی ہمیں وصول کرنے کے لیے آگئے انہوں نے ہمارا سامان اُٹھایا اور ہم پہاڑ کی دوسری طرف اُترنا شروع ہو گئے۔ مسلسل سفر کرتے ہوئے ہم فجر کے وقت ہائیڈ پر پہنچے۔ نماز پڑھ کر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جس نے اس مشکل سفر میں میری مدد کی اور مجھے دُنیا کے پرفتن ماحول سے نکال کر غازیوں اور شہیدوں کی رفاقت نصیب فرمائی۔ غازی بابا بہت خوش تھے...... انہیں اندازہ نہیں تھا کہ میں وہ لمبا اور دشوار گذار سفر اس طرح آسانی سے کر پاؤں گی۔ وہ بولے کہ یہاں آتے ہوئے اکثر ساتھی ٹاپ پر رات گذار لیتے ہیں۔ آپ کو پرعزم دیکھ کر ہم نے وہاں پڑاؤ کا ارادہ نہیں کیا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ صرف اللہ کا فضل وکرم اور میرا شوقِ جہاد ہے جو مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔ ناشتہ کر کے ہم آرام کرنے لگے۔ ظہر کے وقت ہم خیمے سے باہر نکلے۔ چاروں طرف اُونچے اُونچے پہاڑ تھے۔ پہاڑوں کے بیچ میں نالے کے کنارے یہ ہائیڈ بنی ہوئی تھی۔ مشرق کی طرف اُونچے پہاڑوں کا سلسلہ تھا جو دراس کرگل سے ملتا تھا۔ یہ جگہ تربیت کے لیے انتہائی موزوں تھی کیونکہ سوائے لام کی طرف دُور دُور تک بستی کا نام ونشان نہ تھا۔ اور دشمن کا خطرہ بھی صرف اسی طرف سے تھا۔ یہ ہائیڈ گھنے درختوں کے جھنڈ میں تھی...... سورج کی کرنیں وہاں شاذ و نادر ہی لگتی تھیں۔ جنگل اور چیڑ کے درخت مجھے شروع سے ہی بے حد پسند تھے۔ پھر جب یہ جنگل مجاہدین کا مسکن بنے تو اس محبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ جہاد کے راستے پر چلنے اور پہاڑوں میں رہنے کے خواب ہر وقت میری آنکھوں میں بسے رہتے تھے۔ آج میرے خواب حقیقت کا روپ دھار کر میری آنکھوں کے سامنے مسکرا رہے تھے۔ اِدھر ایک عجیب سا سکون اور خاموشی تھی۔ یہ ہائیڈ تین خیموں پر مشتمل تھی۔ ایک کچن کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دوسرے میں ساتھی رہ رہے تھے اور تیسرا ذرا فاصلے پر ہمارے لیے نصب کیا گیا تھا...... دوسرے دو کی نسبت ہمارا خیمہ ذرا کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ میں نے اس کا نام محل رکھ دیا۔ جنگلی درختوں کے پتے ہمارے محل کا بچھونا جبکہ ایک رضائی، تلائی اور ایک عدد کمبل ہماری کل کائنات تھی۔

کوٹ گھری کی تین یادیں

ہم دونوں کے علاوہ وہاں پر چار ساتھی موجود تھے۔ راشد بھائی، کامران بھائی، حیدر بھائی اور ایک ننھا مجاہد جابر بھائی تھا۔ وہ کچن کمانڈر تھے۔ کھانا پکانے کا کام انہی کے ذمے تھا...... ان کی عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس وجہ سے ان کے ساتھ بات کرنے کی اجازت تھی۔ باقی ساتھیوں کے ساتھ بلاضرورت میں نے کبھی بات نہیں کی...... جابر بھائی کو ہر وقت باورچی خانے میں مصروف دیکھ کر میرا دل کرتا تھا کہ میں انکی کوئی مدد کروں۔ جہادی کہنے لگے اگر آپ کو اتنا ہی ترس آرہا ہے تو لکڑی جمع کر کے لایا کرو۔ کیونکہ جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کر کے لانا بھی اسی کا کام تھا۔ میں نے بخوشی یہ کام قبول کیا۔ میں صبح سویرے لکڑیاں چن کر لاتی تھی۔ ایک بار میں لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے آرہی تھی۔ غازی بابا نے کم سے کم پسٹل ساتھ رکھنے کی پابندی بھی عائد کر رکھی تھی۔ ایک لکڑی توڑتے ہوئے میرا ہاتھ زخمی ہوا اور ہائیڈ تک پہنچنے تک خون بہتا رہا۔ یہ دیکھ کر جہادی نے پھر کہا راہِ جہاد میں بہنے والے خون کے قطرے مبارک ہوں۔ اس جملے سے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوتی تھی۔ میں نے کہا دُعاء کریں خون کا وہ قطرہ بھی بہے جس سے شہادت کا عنوان لکھا جائے۔ وہ بولے ہاں اللہ ہمیں شہادت کی موت نصیب فرمائے لیکن ابھی ہم نے بہت کام کرنا ہے۔

ان دنوں وہ راشد بھائیؒ اور کامران بھائیؒ کو بارود بنانا سکھا رہے تھے۔ ابتدائی دنوں میں وہ اس کام میں مصروف رہے، ایک مرتبہ ان کے ہاتھ بری طرح جھلس گئے۔ پھر ایک دو دنوں کے لیے یہ کام رُک گیا...... اور ہمیں کوٹ گھری کی دلفریب وادیوں کی سیر کرنے کا موقعہ ملا۔ میرے پاس دُوربین بھی ہوتی تھی۔ جس سے میں اِردگرد کے علاقے دیکھا کرتی تھی۔ ہماری ہائیڈ کے آس پاس کئی سرسبز اور کھلی جگہیں تھیں۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ ہماری جگہ پر دن کو اندھیرا ہی رہتا ہے۔ آپ نے اس طرح کی کھلی اور خوبصورت جگہوں پر ہائیڈ کیوں نہیں بنوائی؟ میرے

سوال کے جواب میں انہوں نے مجھے خیمے سے کاپی پنسل لانے کا کہا۔ میں سمجھی کہ شاید رابطہ کا وقت ہو گیا اس لیے پیغام لکھوانے کے لیے وہ یہ چیزیں منگوا رہے ہیں...... میں کاپی پنسل لے کر آئی۔ ادھر ایک ٹوٹے ہوئے درخت کا تنا پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میرے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ ان کی پشت پر گہرا نالہ تھا اور وہ جگہ بھی کچھ ڈھلوان سی تھی۔ مجھے کچھ خیال پیدا ہوا اور ان سے کہا اس پتھر پر نہ بیٹھیں ایسا نہ ہو کہ لڑھک جائیں۔ اس بات پر وہ ہنسنے لگے اور بولے ماشاءاللہ کشمیریوں نے بھی اچھی اُردو بولنی سیکھ لی ہے۔ میں نے کہا پاکستانیوں کا فیض ہے۔ ورنہ ہم تو کشمیری ہی ٹھہرے......؟ انہوں نے مجھے کاپی پنسل سنبھالنے کا کہا اور کیموفلاج کے بارے میں پورا باب لکھوا دیا۔ مثلاً کھلی جگہ پر رہنے کے کیا نقصانات ہیں اور ڈھکی چھپی جگہ پر رہنے کے کتنے فوائد ہیں، اگر دشمن ہماری تلاش ہیلی کاپٹر کے ذریعے شروع کرتے تو کھلی جگہ پر بہت جلد ہمیں ٹریس کر سکتا ہے۔ کھلی جگہ پر دھواں بھی دُور سے اُٹھتا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ گھنی جگہ پر درختوں سے باہر آتے آتے وہ ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد راشد بھائیؒ اور کامران بھائی واپس لام کی طرف چلے گئے...... بارود بنانے کا کام جاری تھا۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ آج بارود کو چیک کریں گے کہ پھٹتا بھی ہے کہ نہیں...... ہم نے آئل کے خالی ڈبے میں بارود بھر دیا اور ہائیڈ سے دُور سامنے والی پہاڑی پر چلے گئے۔ حیدر بھائی نے درخت کی جڑ میں گڑھا کھود کر ڈبہ اس کے اندر رکھ دیا۔ جب وہ وہاں سے ہٹ گئے تو جہادی نے مجھے ڈیٹونیٹر دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس میں لگا دو اور اس کو بلاسٹ کر دو...... ساتھی دُور دُور درختوں کی اوٹ میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے ڈیٹونیٹر لگا دیا اس کی تار زیادہ لمبی نہ تھی...... اس لیے ہمیں قریب ہی رہنا پڑا۔ وہ جگہ کافی ڈھلوان تھی میں نے ان سے کہا آپ میرے ساتھ کھڑے ہو جائیں یہ نہ ہو دھماکے کی آواز سے میں لڑھک کر نالے میں جا گروں...... وہ مزاحاً بولے اگر ایسا ہوا تو میں آپکو کوٹ گھری میں ہی دفن کر دوں گا۔ کیونکہ اس بیاباں سے لاش بھی لے کر جانی مشکل ہے۔ بہر حال پہلی بار تاروں کو ملایا تو کچھ بھی نہ ہوا جبکہ دوسری کوشش کرنے کے بعد زوردار دھماکہ ہوا۔ ہم دونوں ٹارگٹ کے اُوپر کی طرف تھے...... پتھر اُڑ کر ہمارے پیروں پر آ لگے۔ یہ تجربہ کامیاب رہا تو اس کے

بعد کوٹ گھری میں انڈین آرمی کے لیے یہ مخصوص حلوہ روزانہ تیار ہوتا رہا اور لام میں رہنے والے ساتھی اس سے انڈین آرمی کی خاطر تواضع کرتے رہے۔ ان دنوں بھارتی فوج کے خلاف کئی کامیاب بارودی کارروائیاں ہوئیں۔

بارود کے علاوہ وہاں میں نے ہر قسم کے ہتھیاروں سے فائر بھی کیا۔ غازی بابا ایک پتھر کے اوپر نشان لگا کر مجھے اس پر فائر کرنے کا کہتے تھے۔ گولی ٹارگٹ کے قریب جب لگتی تو انہیں بہت خوشی ہوتی تھی۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ میرا فائر بالکل ٹارگٹ کے قریب لگتا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے میں نے کبھی فائر نہیں کیا تھا۔ پہلا فائر میں نے پسٹل سے کیا اس وقت دل میں کچھ جھجک پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن دوسری تیسری گولی چلانے کے بعد یہ چیز بالکل ختم ہوگئی اور فائرنگ کرنا وہاں میرا محبوب مشغلہ تھا۔ جانے سے پہلے میں اپنی جیکٹ کی جیبوں میں زیادہ سے زیادہ گولیاں بھرنے کی کوشش کرتی تاکہ زیادہ فائر کر سکوں...... کلاشنکوف سے مجھے عشق ہے اور سب سے زیادہ فائرنگ میں نے اس سے کی۔ غازی بابا ساتھیوں کو بتاتے تھے کہ تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے ان کا نشانہ آپ لوگوں سے بھی اچھا ہوگا۔ کوٹ گھری کے پہاڑ اکثر اس نغمہ سرور و کیف میں جھوم رہے ہوتے تھے۔

وہ علاقہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہماری ہائیڈ سے رابطہ بھی صاف نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے انہیں اکثر کھلی اور اُونچی جگہ جا کر رابطہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن انہیں بیس کیمپ ایک اہم رابطہ کرنا تھا اس کے لیے بہتر لوکیشن کی ضرورت تھی۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ٹاپ سے رابطہ کلیئر ہوتا ہے۔ یہ مسلسل چڑھائی والا راستہ ہم نے ڈیڑھ دو گھنٹے میں طے کر لیا...... ایک مرتبہ پھر ہم اس خوبصورت میدان میں پہنچے۔ وہاں سے لام جوہر پور کے علاوہ اِردگرد کے کافی گاؤں نظر آ رہے تھے۔ لوگ شالی کاٹ چکے تھے اور کھیت کھلیان دُور دُور تک خالی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ میرا پسندیدہ موسم ہوا کرتا تھا، میں دُوربین کے ذریعے لام کا نظارہ کر رہی تھی۔ جانے کب تصور صفا پورہ کی طرف لے گیا۔ وہ لوگ بھی شالی کاٹ چکے ہوں گے اور وہ کھیت بھی ایسے ہی خوبصورت مناظر پیش کر رہے ہوں گے۔ نہ جانے میں انہیں دوبارہ کب دیکھوں گی۔ جہادی کہا کرتے ہیں کہ ہم وہاں جائیں گے لیکن کیا پتہ یہ فاصلے کم ہوں گے یا اور

بڑھتے جائیں گے۔ پتہ نہیں بھارتی فوجی ان پر کتنا ظلم کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ غازی بابا کے ساتھ نسبت تو ان کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔ اس خیال نے آنکھوں میں آنسو بھر دیئے، میں نے دُور بین بند کر دی اور پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ نہ جانے وہ کتنی دیر رابطہ کرتے رہے۔ تب تک میں خیالوں کے دوش پر صدیوں کا سفر طے کر کے آئی تھی۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھے اور نرمی سے پوچھا رو کیوں رہی ہیں کیا گھر یاد آ گیا ہے؟ اس بات کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ کیا میرے خلوص میں کوئی کمی نظر آئی؟ میں نے تڑپ کر کہا نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں ایسا کب سوچ سکتی تھی۔ وہ تو میرے لیے مسیحا تھے اور میری ہر خوشی کا خیال رکھتے تھے۔ اس وقت انہوں نے جو الفاظ کہے وہ بھی میرے دل پر نقش ہیں۔ میں مفہوم نہیں ہمیشہ الفاظ یاد رکھتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے کہا سعدی! تم رویا نہ کرو تمہارے ایک آنسو پر میرا دل سو بار تڑپتا ہے۔ میں آپ کو ماں باپ، بھائی بہن سب کے حصے کی محبت دوں گا۔ خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا۔ میرے آنسو شدت سے بہنے لگے۔ یہ دوسرا اور آخری موقعہ تھا جب گھر والوں کی یاد میں میرے آنسو نکل آئے تھے۔ اس کے بعد جہادی کی محبت نے سب کچھ بھلا دیا۔

اس ٹاپ پر ایک خاص قسم کا درخت پایا جاتا تھا۔ کشمیر میں اس کو کاغذی درخت کہا جاتا ہے جو اُونچے پہاڑوں پر ہی پایا جاتا ہے اس کی کھال لکھنے میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ ہم نے اس کی کافی ساری تہیں اُتار لیں۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور جنگلوں میں سرِشام ہی اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ ہم لوگ ٹارچ کی مدد سے ہائیڈ تک پہنچے۔ اگلے دن ہم نے ان عجیب قسم کے کاغذات پر اپنے اپنے گھروں کو خط لکھے۔ جب میں غازی بابا کے گھر آئی تو وہاں مجھے ان کا وہ خط مل گیا۔ اس وقت دل پر گویا ایک قیامت بیت گئی۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ ہم اپنے محل میں ایک ہی وقت میں خط لکھ رہے تھے۔ میں ان کے سبز قلم کے لیے ان کے ساتھ جھگڑ رہی تھی۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ خط آج بھی میرے پاس موجود ہے۔ جب میں اسے دیکھتی ہوں تو تصور مجھے ان حسین وادیوں میں لے جاتا ہے پھر میں بڑی دیر تک ان کی یادوں کے ساتھ کوٹ گھری کے پہاڑوں میں گھومتی رہتی ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ صدیاں بھی گذر جائیں میں انہیں کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔

ادھر اس قدر سردی تھی کہ جرسیاں اور جیکٹیں پہننے کے باوجود آگ جلانی پڑتی تھی۔ پانی اس قدر ٹھنڈا کہ وضو کرتے ہوئے ہاتھ سن ہو جاتے تھے۔ ایک دن ساتھی بکر والوں سے ایک بکرا خرید لائے...... اسے ذبح کر کے درخت کے ساتھ لٹکایا گیا۔ روزانہ حسب ضرورت گوشت کاٹ کر پکایا جاتا تھا باقی گوشت کئی دنوں تک درخت کے ساتھ لٹکا رہا۔ اور بالکل تر و تازہ گویا وہ قدرتی طور پر فریج میں رکھا ہوا تھا۔ جابر بھائی لکڑیاں پھونک پھونک کر آدھا تو گلا لیتے لیکن آدھا ہمیں پیٹ میں گلانا پڑتا تھا۔ میرا دل کرتا تھا کہ میں اپنے ہاتھ سے سالن بناؤں لیکن ساتھی احتراماً مجھے کچن کا رُخ بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے غازی بابا سے کہا میں آلو گوشت کا زبردست سالن بناتی ہوں، آلو بھی ہیں اور گوشت بھی موجود ہے آج بنا نہ لوں...... کوکنگ میں میری کس قدر مہارت ہے اس بات کا اندازہ انہیں شادی کے چند دن بعد ہی ہوا تھا۔ انہوں نے خالہ کے گھر دو تین کلو کی مرغی بھجوا کر مجھے پکانے کا کہہ دیا تھا۔ اس کو لذیذ بنانے کے لیے میں نے ہر چیز اس میں ضرورت سے زیادہ ہی ٹھونس دی تھی۔ رات کو جب وہ کھا رہے تھے تو ساتھ ساتھ مسکرا بھی رہے تھے، بہر حال میری وہ کارکردگی دیکھنے کے بعد انہوں نے مجھے کبھی کچھ پکانے کا نہیں کہا۔ اس دن میرا شوق دیکھ کر اجازت دے ہی دی۔

دونوں ساتھیوں کو کوٹ گھری کی سیر پر روانہ کر دیا گیا اور میں نے بے خوف و خطر کچن کا رُخ کیا۔ کچن بھی مجاہدین کا ہو اور وہ بھی جنگل میں، جہاں چوبیس گھنٹے لکڑیاں سلگا سلگا کر برتنوں کی شکل مسخ کر دی جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے میں سر پکڑ کر سوچنے بیٹھ گئی کہ کام کہاں سے شروع کروں۔ ظاہر ہے ہر عورت کی طرح میں نے بھی صفائی کو ہی اوّلین ترجیح دینی تھی۔ اس لیے سب سے پہلے کالے سیاہ برتنوں کو باہر نکال کر کھرچنا شروع کر دیا۔ وہ بیچارے کئی جنموں کے جلے تھے اپنی تمام تر توانائی صرف کرنے کے باوجود انہیں صاف نہیں کر سکی۔ مجبوراً اُوپر سے گارے سے لپائی کر کے دھوپ میں رکھ دیا۔ غازی بابا سے داد وصول کرنے کے لیے کہا کتنے صاف ستھرے لگ رہے ہیں اب۔ ہاں لگ تو رہے ہیں لیکن جابر کے آنے سے پہلے تک اس کے بعد یہ پھر ویسے ہی ہو جائیں گے۔ پورے مطبخ کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد چاول اور

آلو گوشت کا سالن پکایا۔ اتفاقاً وہ سب نے پسند کیا۔

ایک دن میں نالے پر کپڑے دھونے کے لیے جا رہی تھی...... غازی بابا نے کہا میں ساتھیوں کے بھی لے کر آتا ہوں۔ ظاہر ہے ان کی وہاں کون سی ماں بہن تھی۔ جنگل میں ساتھی خود کپڑے دھوتے تھے۔ لیکن بستی میں دھل دھلا کر استری شدہ مل جاتے تھے۔ غازی بابا خیمے کے اندر گئے اور ساتھیوں کے کپڑے اُٹھا لائے حیدر بھائی نے شدید احتجاج کیا کہ ہم بھابی سے کپڑے نہیں دھلاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے بہت عظیم مجاہد تھا۔ ان کا تعلق خانیوال سے تھا۔ میرے ساتھ کبھی سلام دُعا تک نہیں ہوئی تھی لیکن میرے لیے دل میں خلوص و احترام کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ غازی بابا سے کہنے لگے جب میں بھابی کو کلاشنکوف اُٹھائے دیکھتا ہوں تو مجھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا دور یاد آتا ہے۔ جب خواتینِ اسلام باقاعدہ جہاد میں حصہ لیتی تھیں۔ میرا ایمان تازہ اور حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ جب ایک عورت ذات میدان میں نکلنے کے لیے مجبور ہو جائے تو مردوں کے لیے گھر بیٹھے رہنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ بچے کی ولادت کے موقع پر وفات پا چکی تھیں۔ وہ انہیں اکثر یاد کرتے تھے۔ ایک موقعے پر غازی بابا کو بتایا کہ ''میری اہلیہ بالکل اَن پڑھ عورت تھی۔ جب میں نے اس کو جہاد اور شہادت کے اجر و ثواب کے بارے میں بتایا تو اس نے بخوشی مجھے جہاد کی اجازت دے دی اور روانگی کے وقت میری آنکھوں میں سرمہ بھی لگایا۔ مجھے اس بہن پر رشک آیا۔ اگر وہ اس دُنیا میں ہوتی تو میں ضرور ان کی زیارت کرتی۔ لیکن یہ اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی اپنے پاس بلا لیا اور حیدر بھائی کی جدائی کا صدمہ انہیں سہنا نہ پڑا۔ یہ جدائیوں کے عذاب بڑے کربناک ہوتے ہیں۔ آج وہ سب اللہ کی پیاری جنت میں خوش ہیں اور میں اپنے ناتواں کندھوں پر ان کی یادوں کا بوجھ اُٹھائے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ ان کے نشیمن تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کبھی اس بات سے دل بہت دُکھی ہو جاتا ہے کہ وہ مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ پھر یہ سوچ کر دل کو سکون ملتا ہے کہ مجھے ان سے نسبت ہے۔

میں نالے پر کپڑے دھو رہی تھی۔ یہ برفانی پانی کا نالہ کہیں دُور جنگلوں اور بیابانوں سے

گذر کر آتا تھا اور آگے جا کر یہ نارستان کے علاقے سے گذرتا تھا۔ غازی بابا پتھر پر بیٹھے میرے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک کھلی اور سرسبز جگہ تھی۔ اس کے حسن کا تذکرہ کرتے کرتے وہ کہنے لگے۔ پتہ ہے سعدی! مجھے وادیٔ کشمیر سے بے پناہ محبت ہے۔ کبھی میں سوچتا ہوں کہ پاکستان چلا جاؤں (امیر محترم نے انہیں شادی کے بعد پاکستان واپس آنے کی اجازت دے دی تھی) اور وہاں جا کر اپنے ہاتھوں سے ایک سو مجاہد ایسے تیار کروں جن کے بازوؤں میں خون کی بجائے بجلیاں دوڑ رہی ہوں۔ جن کے عزم کے آگے پہاڑ بھی جھکنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان میں سے ایک ہی مجاہد ایک ڈسٹرکٹ میں موجود ہو تو دشمن کو چین کی نیند سونا نصیب نہ ہو۔ اور کبھی میں سوچتا ہوں کہ کشمیر سے دُور جا کر میں کیسے رہوں گا۔ یہاں کے مظلوم اور ستم زدہ لوگوں سے مجھے بہت محبت ہو گئی ہے۔ مجھے ان سختیوں میں رہنے کی عادت سی پڑ گئی ہے، محاذِ جنگ سے دُور رہنا میرے لیے بہت مشکل ہے...... وہ کافی دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے پھر ترنم سے یہ نظم پڑھی......

مظلوم میری وادی جب لوٹ کے آئیں گے ہم
قربان ہوں گے تجھ پر تجھ کو سجائیں گے ہم

جہادی کی آواز کے سحر میں درخت بھی وجد میں آ کے جھومنے لگے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آوارہ بادلوں کا ایک ٹکڑا بھی آسمان کی وسعتوں پر تیرنے لگا۔ انہوں نے میری توجہ اس طرف مبذول کرا کے کہا کہ بارش آنے والی ہے...... نیلا آسمان سوائے اس بادل کے ٹکڑے کے دُور دُور تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے کہا ان بادلوں سے بارش کب آئے گی۔ وہ بولے آپ کو جنگل کے موسم کا کیا پتہ، دیکھنا یہ ابھی سارے آسمان پر پھیل جائے گا۔ میں کپڑوں کو پتھر پر رکھ کر لکڑی کے ڈنڈے سے جلدی جلدی کوٹ رہی تھی۔ اتنے میں سورج بھی بادلوں میں چھپ گیا۔ جہادی بولے سعدی! اب بس کرو چلتے ہیں۔ ورنہ ادھر ہی بارش میں پھنس جائیں گے۔ میں نے کہا بس دو کپڑے رہ گئے ہیں۔ انہیں جلدی سے دھو ڈالوں۔ آپ تو ویسے بھی بارش میں بھیگنے کا ذوق رکھتی ہیں، ساتھ مجھے بھی بھگونا چاہتی ہیں یہ

کہہ کر وہ چلے گئے۔ اسی دوران ہلکی ہلکی بوندیں گرنے لگیں۔ میں نے گیلے خشک کپڑوں کی پوٹلی باندھی گن ہاتھ میں اُٹھائی اور ان کے پیچھے چل پڑی۔ ہائیڈ اس جگہ کے بالکل سامنے پڑتی تھی لیکن اس کا راستہ گھوم کر جاتا تھا۔ ہم تھوڑا ہی آگے گئے تو رم جھم پانی برسنے لگا۔ ہائیڈ تک پہنچتے ہوئے ہم اچھے خاصے بھیگ گئے تھے۔

وَن بڈھی

کشمیری زبان میں ''وَن'' جنگل کو کہتے ہیں۔ وہاں کے گھنے جنگلات میں وحشی درندوں کے علاوہ چڑیل بھی پائی جاتی ہے۔ اُلٹے پاؤں والی اس بلا کو کشمیری میں ''رانٹس'' کہا جاتا ہے خدا جانے غازی بابا نے کس وجہ سے اس کا نام وَن بڈھی رکھا تھا کوٹ گھری کا پہاڑ کافی بلند تھا۔ اس کے پیچھے ایک طویل پہاڑی سلسلہ ہونے کی وجہ سے اس طرف بیاباں ہی بیاباں تھے۔ اس لیے وہاں اس مخلوق کی موجودگی کا قوی امکان تھا۔ کچھ لوگ چڑیل کے وجود سے انکاری ہیں لیکن کشمیر میں مجاہدین نے کئی بار اسے دیکھا اور غازی بابا نے بھی ایک دفعہ اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے کوٹ گھری میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا انہوں نے مجھے بتایا کہ ساتھی رات کے وقت خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں کسی عورت کے رونے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ باہر نکلنے ہی والے تھے ایک ساتھی کے ساتھ مکہ معظمہ سے تعلق رکھنے والا جن تھا۔ اس نے ساتھیوں کو باہر جانے سے روکا اور کہا کہ یہ کوئی عورت نہیں ہے۔ اس بیاباں میں عورت کہاں سے آگئی آپ لوگ آیت الکرسی پڑھ کر چاروں طرف پھونک مارو۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اسلحے سے ڈرتی ہے اس لیے مجاہدین کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (اسلحے سے مراد کوئی بھی لوہے کی چیز)۔

غازی بابا رات کو دیر سے محل میں آئے تھے...... ساتھی وہاں پر بھی پابندی کے ساتھ جماعت کراتے تھے...... اس لیے وہ عشاء کے بعد ہی آتے تھے۔ میں اپنے محل میں موم بتی جلا کر اکیلی بیٹھی ہوتی تھی اور خیمے کے اندر دراندازی کرنے والے نسل نسل کے حشرات الارض کی کوشش ناکام بنانے میں لگی رہتی تھی۔ دوسری طرف گن کا سیفٹی لاک کھول کر وَن بڈھی پر گھات لگائے رکھتی تھی۔

خیمے کا دروازہ بھی نہیں ہوتا ہے ہم نے ایک چادر پردے کے طور پر لٹکا رکھی تھی۔ اِدھر ہوا

سے پردہ کھسکا مجھے لگتا تھا وَن بڈھی آگئی...... غازی بابا کہا کرتے تھے ایسا نہ ہو کبھی وَن بڈھی سمجھ کر مجھے کھڑکا دو۔ ایک دن میں پیچھے والے خیمے کی صفائی کر رہی تھی۔ اس میں راشن وغیرہ بھی پڑا ہوتا تھا۔ ایک کونے میں انڈوں کے دو کریٹ پڑے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں دیکھ بھال کر اسی جگہ رکھ دیا۔ دوسرے دن صبح کا ناشتہ ہم نے اسی خیمے میں کیا یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ دس پندرہ انڈے غائب ہیں۔ میں نے جہادی سے اس حوالے سے بات کی۔ وہ کچھ توقف کے بعد بولے چوہا لے گیا ہوگا۔ اس کونے کی طرف خیمہ کچھ اُوپر اُٹھا ہوا تھا میں اسی جگہ سے باہر نکلی اور نالے کے کنارے تک دیکھ آئی۔ مگر انڈوں کا نام ونشان نہ ملا۔ میں نے ان سے کہا یہ کیسا سلیقہ مند چوہا ہے جس سے ایک انڈا بھی نہ ٹوٹا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے جنگلی چوہے آپ سے زیادہ ہٹے کٹے ہوتے ہیں۔ وہ ساری رات لے کر جاتا رہا ہوگا۔ ان کی بات سے مجھے تسلی نہیں ہوئی۔ لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جس دن ہم بارود پھٹانے گئے حیدر بھائی نے گڑھا کھودتے وقت ایک انڈا ہاتھ میں اُٹھا کر انہیں دکھایا تھا۔ وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرائے۔ نہ جانے وہ تعداد میں کتنے تھے بہر حال حیدر بھائی وہاں سے اُٹھا لائے۔ میں اُس وقت بھی حیران ہوئی تھی کہ انڈے یہاں کیسے آگئے۔ حالانکہ وہ جگہ ہماری ہائیڈ سے کافی فاصلے پر تھی۔ پھر یہ خیال آیا کہ کسی جانور کے ہوں گے۔ کوٹ گھری سے واپس آکر غازی بابا نے مجھے بتایا تھا کہ اس عرصے میں وہاں چڑیل آئی تھی اور انڈے لے جانے والی بھی وَن بڈھی ہی تھی۔ مجاہدین اسی خیمے میں سو رہے تھے لیکن اللہ کے حکم سے اس نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ میں نے کہا اچھا اس کا مطلب ہے کہ وَن بڈھی پر میرا ایمبش لگانا فضول نہ تھا۔

کوٹ گھری سے واپسی

آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ستمبر کا مہینہ رواں دواں تھا۔ اس لیے سردی میں بھی کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ اس دن سورج نکلنے کا بھی امکان نہ تھا ہم نے اپنے محل کے اندر آگ جلائی اور ٹیپ ریکارڈر آن کیا۔ دو تین دن پہلے ہم نے طوبیٰ سے یہ نظم ریکارڈ کرائی تھی۔

اُداس رستوں پہ چلنے والو......دُعا ہے اپنی مراد پالو

جنگل میں بارش کا موسم ویرانی کا سماں پیدا کر رہا تھا۔ اور اس نظم نے ماحول کو کچھ زیادہ ہی سنجیدہ کر دیا۔ میں نے غازی بابا سے کہا یہ نظم اس وقت ہم لوگوں پر فٹ آتی ہے۔ یہ دیکھیں نا آج جنگل کتنا سونا اور اُداس نظر آ رہا ہے۔ وہ کہنے لگے لیکن ان اُداس راستوں کی منزل بہت حسین ہوتی ہے۔ دُنیا کی تمام تر رونقوں، محفلوں اور رنگینیوں سے دُور رہنے والے مجاہدین اسی لیے تو اللہ کو اس قدر محبوب ہیں کہ ان کا سونا، جاگنا اور کھانا پینا بھی عبادت ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے ہمیں لاکھوں کروڑوں لوگوں میں سے اپنے دین کے لیے چن لیا ہے۔ مرنا ہم نے بھی ہے اور دُنیا کے عیش وعشرت میں زندگی گزارنے والے لوگوں کو بھی۔ لیکن ان کا مرنا موت ہے اور ہمارا شہادت۔ یہ فرق کتنا بڑا ہے کہ اللہ پاک اپنی بے مثال جنت کے بدلے ہماری فانی جانوں کا خریدار بن گیا ہے۔ ان کی باتوں نے میرا حوصلہ بڑھایا اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ گیارہ ستمبر کا سورج ایک بڑی خوشخبری کی نوید لیکر طلوع ہوا۔ خیمے کے اندر ریڈیو پر خبریں چل رہی تھیں۔ اچانک ایک خبر سن کر مجاہدین نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ یہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر قہر الٰہی نازل ہونے والی خبر تھی۔ اس خوشی میں مجاہدین نے جشن منانے کا پروگرام بنایا۔ جنگل میں ہمارے پاس اور کچھ تو نہ تھا البتہ سوجی اور چینی جیسی نعمت موجود تھی۔ ساتھیوں نے حلوہ بنا کر بھرپور جشن منایا۔

اس ایمانی ماحول میں بڑے اچھے دن گذر رہے تھے۔ ایک دن اچانک میری طبیعت

خراب ہوگئی۔کوئی چیز ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ حیدر بھائی نے ایک جڑی بوٹی کا قہوہ بنا کر دیا۔ ان کے بقول وہ معدے کی ہر قسم کی تکلیف کے لیے مفید تھا۔ وہ زہر کی طرح کڑوا تھا گھونٹ بھر کر نگلنا مشکل ہو رہا تھا۔ جہادی اپنے جلالی روپ میں میرے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور مسلسل پینے کے لیے کہہ رہے تھے۔ان کے ڈر سے آدھی پیالی پی لی اور نظر بچا کر آدھی گرا دی۔مگر اس سے بھی کوئی افاقہ نہ ہوا۔کافی دن اسی حالت میں گذرے۔ جہادی اکثر بستی میں جانے کا کہتے لیکن میرا ادھر ہی رہنے پر اصرار تھا۔ایک دن میری طبیعت بہت خراب تھی پورا دن میں نے صرف ایک آدھ سیب کھایا مگر معدے نے اسے بھی برداشت نہ کیا۔رات کے وقت میں محل کے اندر اکیلی بیٹھی تھی۔اس دوران طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد پھر سے الٹیاں شروع ہوگئیں چونکہ کھایا پیا کچھ بھی نہ تھا اُلٹی کے بجائے خون نکل آیا۔اس بات سے میں گھبرا گئی۔عشاء کی نماز کا وقت تھا اس لیے انہیں بلانا مناسب نہ سمجھا۔ وہاں ایک دوسرے کو بلانے کے لیے خیمے کے اندر آئل کا خالی ڈبہ رکھا ہوا تھا۔انہیں بلانا پڑتا تو میں ڈبے کو پیٹنا شروع کر دیتی۔اس طرح گھی کا ڈبہ ہمارے لیے ''ڈور بیل'' کا کام دیتا تھا۔میرا سر بری طرح چکرانے لگا اور میں منہ کے بل گر پڑی۔ مجھے سانس گلے میں اٹکی محسوس ہو رہی تھی اور مجھے پورا یقین ہو چلا کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ میں غنودگی کے عالم میں کلمہ پڑھ رہی تھی۔اتنے میں غازی بابا کھانے کی پلیٹ ہاتھ میں پکڑے خیمے میں داخل ہوئے تو آگے کا منظر دیکھ کر ان کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر گر گئی۔ وہ اخبار پر بکھرا ہوا خون دیکھ کر گھبرا گئے۔ میں نیم بے ہوشی کے عالم میں ان کی آواز سن رہی تھی وہ مجھے مسلسل بلا رہے تھے اور آنکھیں کھولنے کا کہہ رہے تھے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ شدید پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔لیکن مجھ میں بات کرنے کی سکت ہی نہ تھی انہوں نے حیدر بھائی کو اس صورتحال کے بارے میں بتایا۔وہاں پر دوائی کا ملنا ناممکن تھا اور اس حالت میں بستی میں بھی نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ اس لیے سب لوگ پریشان تھے......رات کے بارہ بجے تک میری حالت اسی طرح رہی بالآخر ساتھیوں نے صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اجتماعی دعا کی۔ صبح تک طبیعت کچھ بہتر ہوگئی تھی۔ غازی بابا کہنے لگے تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ میں واقعی بہت پریشان ہوا تھا۔ پھر شرارت سے بولے! اب نیچے جانا ہے یا ادھر ہی شہید ہونے کا

ارادہ ہے۔ اتنے دنوں سے کہہ رہا ہوں کہ نیچے چلتے ہیں لیکن محترمہ کو ترک دُنیا کا شوق ہے۔

اسی دن ہم نے واپسی کا پروگرام بنایا۔ وہ نو دس گھنٹوں کا مشکل سفر تھا۔ جہادی کہنے لگے اگر پیدل چلنا مشکل ہو تو گھوڑا منگوا دوں۔ میں کبھی گھوڑے پر نہیں بیٹھی ہوں اور کوٹ گھری کے فدائی راستوں پر گھوڑے پر سفر کرنے کا رسک میں کیسے لے سکتی تھی۔ اس لیے میں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ صبح دس بجے ہم جابر بھائی کی ہمراہی میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حیدر بھائی ادھر ہی ٹھہر گئے۔ میں بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہی تھی...... اس لیے رفتار ذرا دھیمے انداز سے جاری تھی۔ بارہ بجے ہم ٹاپ پر پہنچے...... وہاں تھوڑی دیر آرام کیا کچھ بسکٹ ساتھ تھے وہ کھانے کا ارادہ کر رہے تھے اتنے میں وہاں سے ایک چرواہا بکریوں کے ریوڑ سمیت سامنے آ گیا...... غازی بابا نے ایک نالے کی طرف مجھے پوزیشن لیکر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ چرواہے کے ساتھ عورتیں بھی تھیں...... وہ ساتھیوں سے آ کر ملا اس کے بعد میری طرف آنے کی کوشش کی۔ غازی بابا نے اس کو روکا اور کہا وہ ساتھی وہاں بارود چیک کر رہا ہے۔ ابھی یہاں خوفناک دھماکے ہوں گے۔ اس لیے آپ اپنی بکریاں دوسری طرف لے جاؤ۔ اس نے مجاہدین کو نمکین چائے اور ستو کا ڈبہ دیا اور وہاں سے کھسک گیا۔

اصل میں غازی بابا وہاں میری موجودگی کا ہر کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتے تھے۔ اس لیے عام لوگوں کو میرے بارے میں بہت کم معلومات تھیں سوائے ان لوگوں کے جہاں ہمارے پوائنٹ ہوتے تھے اور ترال میں کافی عرصہ رہنے کے باوجود دشمن کو میری وہاں موجودگی کا کوئی علم نہ تھا...... چرواہے کے وہاں سے جانے کے بعد میں نے بھی اپنا مورچہ چھوڑ دیا...... نون چائے دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ جنگل میں آنے کے بعد اس کی شکل دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی تھی...... دوپہر کے کھانے میں ہم نے نون چائے بسکٹ اور ستو کھا کر گذارا کیا۔ نون چائے پینے کے بعد میری طبیعت کافی حد تک ٹھیک ہو گئی...... اور تقریباً ایک ہفتے کے بعد کوئی چیز ہضم ہوئی...... غازی بابا نے میرا خوب مذاق بنایا۔ کہنے لگے اچھا اس کا مطلب ہے کہ آپ نون چائے نہ ملنے پر بیمار ہو گئی تھیں۔ پہلے بتایا ہوتا نا میں ایک بوری نون چائے کی پتی منگواتا۔ ویسے

سعدی! تم کشمیری لوگ جنت میں کس طرح رہو گے۔ وہاں تو سب کچھ میٹھا ہے اور کشمیری نمک کھانے والی مخلوق ہے...... میں نے کہا اللہ کے لیے کیا مشکل ہے وہ ہمارے لیے نون چائے پیدا کر لیں گے۔

ظہر کی نماز ہم نے ادھر ہی پڑھ لی اس کے بعد نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ چڑھائی کی نسبت اُترائی زیادہ مشکل ہوتی ہے کیونکہ اس دوران انسان کی ٹانگیں کانپنا شروع کر دیتی ہیں...... بہر حال مختلف جگہوں پر پڑاؤ کرتے ہوئے مغرب کے وقت ہم زیز بل پہنچے...... اس جنت نظیر وادی کا ایک ایک منظر میری آنکھوں میں بسا رہتا ہے۔ چیڑ کے درختوں کے درمیان گجروں کی کچی پکی ڈھوکیں بنی ہوتی ہیں اور دونوں طرف ٹھنڈے پانی کے جھرنے بہہ رہے ہیں...... یہ جگہ ذرا بلندی پر ہونے کی وجہ سے لام اور ڈار علاقے کا خوب نظارہ ہوتا ہے...... مغرب کی نماز وہاں ادا کر کے ہم نالے کے راستے چل پڑے۔ یہ علاقہ پتھروں سے اٹا ہوا تھا یہاں میرے بہترین جوتے بھی ساتھ نہ دے سکے اور میرے پاؤں شدید درد کرنے لگے۔ میں سمجھ گئی کہ پاؤں میں وہ پہلے والی نزاکت دوبارہ لوٹ آئی ہے۔ عشاء کے وقت ہم حاجی بابا کے گھر پہنچے۔ وہاں کچھ اور ساتھی بھی موجود تھے۔ جہادی نے مجھے کہا کہ دوسرے کمرے میں بہنوں کے پاس آرام سے بیٹھ جاؤ۔ اس دوران حاجی بابا کمرے میں آ گئے۔ عسکری لباس اور نقاب میں وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ جب میں دوسرے کمرے میں گئی تو عورتیں بھی پہلے مجھے دیکھتی رہ گئیں جب میں نے نقاب اُتارا تو خالہ نے مجھے گلے لگایا...... میں نے جوتے جب اُتارے تو دیکھا کہ ایک آدھ چھالے پڑے ہوئے ہیں، خالہ نے گہرے دُکھ کا اظہار کیا لیکن میں نے اللہ کے راستے کا گرد و غبار نصیب ہونے پر شکر ادا کیا۔ ہم لوگ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے اتنے میں حاجی بابا اندر آئے...... میں نے فوراً نقاب کر لیا۔ وہ مجھے پریشان نظروں سے گھور رہے تھے۔ ان کی بیٹی نے کہا بابا آپ نے انہیں نہیں پہچانا یہ وہی سرینگر والی دیدی ہے جو گاڑی میں آئی تھی۔ یہ سننا تھا حاجی بابا نے فرطِ محبت سے آبدیدہ ہو کر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور حال احوال پوچھنے لگے۔ پھر کہنے لگے میں اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ یہ کون مجاہد ہے جو مردوں سے اُٹھ کر عورتوں میں آ کر بیٹھ گیا...... اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ میری بیٹی ہے۔ انہوں نے

مجاہدین کے لیے پرتکلف کھانے کا انتظام کیا تھا۔ سارا دن مسلسل سفر کی وجہ سے کھانا کھاتے ہی نیند آنے لگی۔ کئی دنوں کے بعد نرم وگرم بستر پر بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ میں بیٹھے ہوئے تقریباً سو رہی تھی۔ اتنے میں غازی بابا نے تیاری کا حکم دیا۔ حاجی بابا نے اس پر احتجاج کیا۔ میری کمزور سی جان کو ان مشکل راستوں پر دیکھ کر اکثر ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا جس پر انہیں بڑا افسوس تھا کہ وہ ایک مجاہد اور شہید کا باپ بننے کی سعادت سے محروم ہیں۔

انہوں نے غازی بابا سے کہا...... آج آپ ادھر ہی ٹھہریں آپ دیکھتے نہیں بچی کے پیروں کا کیا حال ہوا ہے۔ یہ کس طرح چلے گی۔ انہوں نے کہا حاجی صاحب! ہم نے زیادہ دُور نہیں جانا آپ فکر نہ کریں...... وہاں سے جا کر ہم پھر گل بٹ کے مہمان بنے۔ رات کو شدید بارش ہوئی جس کی وجہ سے ساتھی واپس نہ جا سکے۔ حیدر بھائی کا خیال مجھے بار بار آتا تھا اور ساتھ ہی وَن بڈھی کا بھی...... دوسرے دن شام کو راشد بھائی اور جابر بھائی جنگل کی طرف نکل گئے اور ہم دونوں اِدھر ہی ٹھہرے۔

محاصرہ

اس دن وہاں ہمارا دوسرا یا تیسرا دن تھا۔ایک دن ہم فجر کی نماز کے بعد ذکر واذکار میں مصروف تھے...... غازی بابا خود بھی معمولات کے بڑے پابند تھے اور ساتھیوں کو بھی پابندی کی تلقین کرتے تھے...... صبح وشام کی بارہ، بارہ تسبیحات ہوتی تھیں جو ہر حال میں پوری کرنی ہوتی تھیں...... اس کے علاوہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت، جمعۃ المبارک والے دن سورۃ کہف اور ہر جمعرات کو اپنے اعمال کا محاسبہ بھی پابندی کے ساتھ ہوتا تھا۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا ہم ذکر واذکار میں مشغول تھے۔اتنے میں گل بٹ ہانپتا کانپتا اوپر آیا۔ بھائی جان! ملٹری آ گئی ہے کریک ڈاؤن ہے آپ لوگ جلدی سے ہائیڈ میں چلے جائیں...... وہ مسلسل بولے جا رہا تھا...... غازی بابا نے کہا ملٹری کا منہ اس طرف ہے یا واقعی ادھر آ رہے ہیں۔اس نے ہمیں بتایا کہ فوج نے پورا علاقہ جنگل سمیت گھیرے میں لے رکھا ہے...... جس بڑے سرچنگ آپریشن کے لیے ہم اِدھر اُدھر ہو گئے تھے آج اسی میں پھنس گئے۔ ہم لوگوں نے کمرے میں بکھری ہوئی اپنی تمام چیزیں سمیٹ لیں اور ہائیڈ میں چلے گئے...... وہاں پانی کا گیلن اور کچھ کیلے بھی رکھوائے۔آگے چلنے سے پہلے ہائیڈ کا مختصر سا تعارف ہو جائے تو بہتر ہے۔ یہ زمین کے اندر بنا ہوا ایک خفیہ تہہ خانہ ہوتا ہے...... جس میں انسان نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ ہی پوری طرح لیٹ سکتا ہے۔ کچھ ہائیڈوں میں لیٹنے کی گنجائش ہوتی ہے۔لیکن اس ہائیڈ میں اتنی جگہ نہ تھی یوں سمجھ لیں کہ ہائیڈ قبر کی مانند ہوتی ہے صرف فرشتوں کے سوال نہیں ہوتے، باقی سب کچھ قبر سے ملتا جلتا ہے۔بعض اوقات آکسیجن کا مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔صحیح معنوں میں قبر یاد آتی ہے اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے...... اس ہائیڈ میں آکسیجن کا کوئی انتظام نہ تھا۔اوپر سے چاچا گل بٹ نے مزید ستم ڈھایا۔اس نے ہائیڈ کے ڈھکن، جو لکڑی کا پھٹا تھا پر خوب گھارا تھوپ دیا تاکہ دشمن کو کسی قسم کا شک نہ ہو۔گھارے کو جلدی خشک کرنے کے لیے اوپر

ہیٹر لگایا اور جلی آنٹی اس پر بڑے آرام سے ہانڈی پکانے بیٹھ گئی...... ہمیں معلوم نہ تھا کہ گل بٹ ہمیں زندہ دفن کر کے اوپر فاتحہ پڑھ کر چلا بھی گیا ہے...... ہم لوگ اللہ سے مدد و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے...... ساتھی گاؤں میں کئی گھروں میں موجود تھے اور جنگل میں کافی ساتھی تھے۔ اس گھر کے ساتھ ہی گلی تھی بھارتی فوجیوں کے وائرلیس سیٹوں نے شور مچا رکھا تھا۔ ان کے افسر انہیں پیغام دے رہے تھے کہ لام میں کافی تعداد میں اگروادی موجود ہیں...... ان کی باتیں سن کر لگ رہا تھا کہ آج ادھر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا...... بارہ بجے تلاشی کی کارروائی شروع ہوگئی گل بٹ انڈین آرمی کو اُلو بنانے میں خاصا ماہر تھا۔ وہ کریک ڈاؤن میں نہیں نکلا تھا۔ آرمی والے جب اس کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ بچی کو گود میں اُٹھا کر رونی سی صورت بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ فوجی نے اس کو گن کا بٹ مار کر کہا تو کریک ڈاؤن میں کیوں نہیں نکلا؟ اس نے مظلوم صورت بنا کر کہا صاحب بچی بہت بیمار ہے۔ گھر میں اگروادی تو نہیں چھپا رکھے ہیں فوجی نے دوسرا سوال کیا۔ گل بٹ نے جواباً کہا صاحب کریک ڈاؤن ہے دوائی کہاں سے لائے گا۔ اس کمرے کے نیچے ہائیڈ میں ہم یہ آوازیں صاف سن رہے تھے۔ ہمیں گل بٹ کے کردار پر بہت ہنسی آ رہی تھی لیکن وہ ہنسنے کا وقت نہ تھا۔ ہماری زبان پر رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ والی دُعاء تھی۔ انڈین آرمی گھر کی تلاشی لینے کے بعد نکل گئی ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد تیمّم کر کے نماز ادا کی۔ ہائیڈ کے اندر موم بتی جل رہی تھی جو اچانک بجھ گئی اندھیرا ہوا تو سچ مچ قبر کے اندر ہونے کا گمان ہوا میں نے ٹارچ جلائی اور موم بتی کو جلانے کی سعی ناکام کرتی رہی۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت ہو رہی تھی کہ موم بتی جلنے کے ساتھ ہی بجھ کیوں جاتی ہے۔ کیا اسے فرشتے بجھا دیتے ہیں یا کوئی جن بھوت...... اس وقت تک مجھے اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ ہائیڈ میں آکسیجن کا مسئلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس دن میں پہلی بار ہائیڈ میں رہی تھی۔ میں نے غازی بابا سے پوچھا یہ کیوں نہیں جلتی میری سانسوں میں گھٹن ہو رہی ہے آپ کسی طرح اس کو جلا دیں۔ انہوں نے آرام سے کہا اب یہ نہیں جلے گی اس لیے آپ یہ ماچس جلا جلا کر مزید گھٹن نہ بڑھاؤ۔ اس کے بعد ٹارچ ہی جلتی رہی۔ موم بتی کے ہوتے ہوئے ہم لوگ ٹارچ جلانے پر کیوں مجبور ہیں اس بات سے مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی تھی۔

عصر تک حالت غیر ہونے لگی، سانس بھی مشکل سے آ رہا تھا۔ پوچھنے پر انہوں نے صاف بتایا کہ ساتھیوں نے ادھر آکسیجن کا انتظام نہیں رکھوایا ہے اس لیے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے...... اس کے بعد انہوں نے جو بھی ہائیڈ بنوائی اس میں سب سے پہلے ہوا کا انتظام رکھا جاتا تھا۔ عصر تک ہمیں ہائیڈ میں دس گھنٹے گزر گئے تھے...... وہ مجھے حوصلہ دے رہے تھے کہ ابھی ہائیڈ کھلے گی اور ہم باہر نکلیں گے...... ہمارے لبوں پر رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کی صدائیں تھیں۔ رفتہ رفتہ مجھ پر غنودگی سی چھانے لگی۔ وہ میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے جا رہے تھے۔ میں ہائیڈ کے ڈھکن کے پاس جا کر لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔ لیکن وہاں تو تپا ہوا گارا ہی تھا۔ زیادہ معاملہ ہیٹر نے خراب کر دیا تھا اور ستم یہ تھا کہ گھر والے بھی نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ گھر میں کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی...... ان کی حالت مجھ سے مختلف نہ تھی...... یا وہ ان چیزوں کے عادی ہو چکے تھے یا پھر میرے لیے صبر وضبط سے کام لیے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں عشاء بھی ہو گئی میں نے اللہ کے حضور دُعاء کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ سے فریاد کی! اے اللہ تو ہر شے پر قادر ہے ہماری یہ مشکل دُور فرما۔ آنسو میرے چہرے کو تر کر رہے تھے۔ غازی بابا کہنے لگے دیکھنا اب اللہ کی مدد آئے گی۔ پہلے آپ نے اس قدر عاجزی سے دعاء نہیں کی تھی۔ میں نے ان سے کہا آپ کو گل بٹ کا پتہ ہی ہے وہ ہمیں ادھر بند کر کے خود نہ جانے کہاں بھاگا ہو گا۔ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں باہر نکل کر لڑیں گے، شہید ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بے بسی کی موت مرنا مجھے گوارا نہیں ہے...... اسی وقت کمرے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے غور کیا تو برتن کھٹکنے سے ہم سمجھ گئے کہ گھر والے ہی ہیں...... جہادی نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر ہائیڈ کے ڈھکن پر گن کا بٹ دے مارا دوسرے لمحے ہائیڈ کھلنے کی آواز آ رہی تھی، وہ جلی آنٹی تھی۔ میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا، گل بٹ اپنے بیٹے آبورہ آلودہ سمیت فرار ہو چکا تھا...... آنٹی نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارے لیے کھانا تیار کر کے ہائیڈ کھولنے والی تھی اور کریک ڈاؤن بدستور جاری ہے۔ ہم فوراً باہر نہیں نکلے کیونکہ اچانک ہوا لگنے سے طبیعت خراب ہونے کا خطرہ تھا...... آدھا گھنٹہ ہم اِدھر ہی بیٹھے رہے اس کے بعد باہر نکل آئے۔ اوپر والے کمرے میں لائٹ بند کر کے ہم نے علاقے پر نظر دوڑائی آرمی نے گاؤں کے باہر ہر جگہ آگ کے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔ یہ

کڑے محاصرے کی علامت تھی۔ جو کئی دن تک جاری رہنے کا امکان ہوتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت موقع پا کر علاقہ چھوڑ کر نکل گئی تھی۔ کیونکہ وہاں کافی تعداد میں مجاہدین موجود تھے۔ اور کسی بڑے تصادم کا خدشہ تھا۔ غازی بابا نے راشد بھائی سے رابطہ کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دی۔ ساتھی ہمارے لیے بہت پریشان تھے...... آپس میں مشورہ کر کے انہوں نے علاقے سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ راشد بھائی اور دوسرے ساتھی جنگل سے ہماری طرف آ رہے تھے۔ چاروں طرف دشمن کا گھیراؤ تھا ہمارے لیے وہ حالات بڑے پریشان کن تھے...... جلی آنٹی ہمارے لیے کھانا لے آئیں ہم نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن ساتھیوں کی پریشانی میں ہم سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔ غازی بابا نے وہ رات ٹہلتے ٹہلتے گزار دی۔ کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی سے آنے والی مدھم سی روشنی سے ہم گذارہ کر رہے تھے۔ میں بالکل تیاری کی حالت میں جوتے پہن کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ذرا سی نیند آتی تو وہ مجھے جگا دیتے تھے۔ کیونکہ ہمارا خیال تھا ساتھی تھوڑی دیر میں آ جائیں گے اور ہم نے روانہ ہونا ہے...... اس طرح آدھی نیند کرنے سے ہم میں سستی پیدا ہو جاتی اور چلنے میں دشواری پیدا ہوتی...... اسی حالت میں رات کے دو بج گئے پھر ساتھی آ گئے...... ہم نے اپنا سامان سنبھالا اور روانگی سے قبل دُعاء کی...... جہادی نے مجھے کہا سعدی! آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ محاصرے سے نکلنے میں شہادت کا سو فیصد امکان ہوتا ہے...... اس لیے آپ یہ ذہن میں رکھنا کہ ہم شہید ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں تیار ہوں لیکن اگر ایسا مسئلہ ہوا تو آپ لوگ نکلنے کی کوشش کرنا، میں فائر کر کے دشمن کو اپنی طرف متوجہ رکھوں گی...... یہ بات میں نے اس لیے کہہ دی کیونکہ غازی بابا چیف کمانڈر تھے اور راشد بھائی ڈپٹی چیف کمانڈر، میرے نزدیک یہ دونوں اسلام کے لیے، تنظیم کے لیے اور اہل کشمیر کے لیے بہت قیمتی سرمایہ تھے اس لیے ان کی حفاظت کی خاطر میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھی۔ راشد بھائی ہماری باتیں سن رہے تھے...... وہ انتہائی کم گو طبیعت کے مالک تھے...... ان کی آنکھوں میں آنسو آئے اور غازی بابا سے کہا اُستاد جی! اتنے سارے شیل اور گرنیڈ میں اس لیے اُٹھا کر لایا ہوں کہ بہن پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ بھابی یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں...... بہنوں کے تحفظ کے لیے تو ہم یہاں آئے ہیں۔

ہم پانچ ساتھی اللہ کا نام لیکر اور سورۃ یٰسین کی آیت و جعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشینھم فھم لایبصرون کا ورد کرتے ہوئے نکل گئے...... ہماری منزل ڈار گنائی گنڈ تھا۔ انڈین آرمی نے جگہ جگہ آگ جلا رکھی تھی۔ ہم نے کھیتوں کی طرف سے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا جبکہ بنیا بڑے راستوں پر ناکے لگائے بیٹھا ہوا تھا...... سب ساتھیوں نے گنوں کے سیفٹی لاک کھول رکھے تھے اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہے تھے۔ میں ہمیشہ کی طرح سب سے پیچھے چل رہی تھی۔ جابر بھائی رہنما کے طور پر آگے آگے چل رہے تھے۔ اس علاقے سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ ہمیں گھما گھما کر نکال رہے تھے۔ اچانک ایک جگہ قافلہ رُک گیا معلوم ہوا آگے راستہ بند ہے۔ مجبوراً واپس پلٹنا پڑا اور دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ہم دشمن کی پوزیشنوں سے بچ کر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ایک جگہ ہم لوگ اونچی پگڈنڈی نما جگہ سے گذر رہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس طرح گر گئی اور نیچے کھیت میں جا لگی۔ ہم لوگ درمیان میں فاصلہ رکھ کر چل رہے تھے تا کہ اگر دشمن کہیں گھات میں بیٹھا ہوا ہو تو سب ساتھیوں کو نقصان نہ پہنچے...... یہ گوریلا جنگ کا ایک اصول ہے مجاہدین رات کے وقت ایک قطار کی صورت میں ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کر سفر کرتے ہیں۔ میرے اور غازی بابا کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ تھا پھر بھی انہیں میرے گرنے کا علم نہ ہو سکا۔ وہ مسلسل آگے بڑھتے گئے۔ میں نے جلدی سے گن گلے میں ڈالی اور ہاتھ پاؤں کی مدد سے اُوپر آ گئی۔ میرا قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں سخت پریشان ہوئی اتنے میں غازی بابا کو میری غیر موجودگی کا علم ہوا وہ واپس پلٹے۔ میری کمر اور پیٹ میں سخت چوٹ آئی تھی ان سب پریشانیوں کے باوجود ہمیں بہت ہنسی آئی کہ آج تقدیر ہمارے ساتھ کیسا کھیل کھیلنے لگی ہے۔ فجر کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اس وقت آرمی والوں کی ڈیوٹیاں بدلنی تھیں یعنی رات بھر محاصرے پر موجود فوجیوں کی جگہ نئی تازہ دم فوج نے آنا تھا...... آرمی کے آنے کا راستہ بھی ڈار سے تھا۔ اس لیے ہم جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔ فجر کی اذانوں کے ساتھ ہم ڈار میں داخل ہوئے۔ جابر بھائی نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون ہے۔ جابر! انہوں نے اتنا کہا اور دروازہ کھل گیا۔ شاید گھر والے ان کی آواز پہچانتے تھے۔ ایک کمرے اور باورچی خانے پر مشتمل وہ جھونپڑی نما گھر غلام

محمد کا تھا۔ کمرے میں اس کے چار چھوٹے چھوٹے بچے اور اہلیہ سو رہے تھے۔ ہمارے آنے سے وہ سب جاگ گئے۔ راشد بھائی نے ان سے کہا بھائی جان! ہم لوگ ہائیڈ میں رہیں گے لیکن ہمارے ساتھ باجی بھی ہیں۔ ہم سب کے لباس تقریباً ایک جیسے تھے۔ چہرے پر نقاب اور ہاتھ میں کلاشنکوف ہونے کی وجہ سے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان میں سے باجی کون ہو سکتی ہے...... میں غازی بابا کے ساتھ ہی کھڑی تھی انہوں نے مجھے کہنی ماری اور کہا بھابی سے مل لو نا...... میں نے بھابی کو سلام کیا وہ جوشِ مسرت سے مجھ سے بغلگیر ہو گئیں۔ پھر وہ بچوں سمیت باورچی خانے میں چلی گئیں اور اپنے گھر کا واحد کمرہ ہمارے لیے وقف کر دیا۔

وفا کے پیکر

جہاد کشمیر میں وہاں کے عوام نے بے بہا قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ کشمیری مسلمانوں کے بھر پور تعاون کا ہی نتیجہ ہے کہ اس سخت ترین محاذ پر مٹھی بھر مجاہدین بھارت کے لیے گلے کی ہڈی بن چکے ہیں اور انڈیا کشمیر میں سات لاکھ فوج بٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے...... لیکن غلام محمد کا خلوص وایثار کا جذبہ عقل کو حیران کر دیتا تھا۔ اس نے اپنی کل کائنات سر چھپانے والی جھونپڑی، معصوم پھول جیسے بچے اور خوبصورت و جوان بیوی سمیت سب کچھ اللہ کے راستے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ چار بچوں میں سے دو معذور تھے...... وہ اَن پڑھ اور سادہ لوح آدمی ملا محمد عمر مجاہد کے غم میں روتا تھا کیونکہ انہی دنوں امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا تھا۔ غلام محمد کی آنکھیں اکثر اپنے افغانی مسلمان بھائیوں کے لئے اشکبار ہو جاتی تھیں۔ امارتِ اسلامیہ پر امریکی یلغار سے مجاہدین کے دلوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا...... غلام محمد کے جذبۂ اخوت نے ایک دن غازی بابا کو بھی رُلا دیا ورنہ وہ لوگوں کے سامنے کبھی نہیں روتے تھے۔

ہم کئی دن اس اللہ کے ولی کے گھر مقیم رہے۔ کھانے میں ذرا تکلف سے کام لیتا تھا غازی بابا نے اس چیز سے منع کیا تو غریب کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے اور کہنے لگا بھائی جان میری ایک عرصے سے تمنا تھی کہ آپ کی زیارت کروں۔ میری خوش نصیبی کہ آج آپ میرے مہمان ہیں میرا بس چلتا تو آپ کو اپنے بچے کاٹ کر کھلا دیتا۔ غازی بابا نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کی مفلسی اور غریبی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن آرمی کے میجر نے اس کی حالت پر ترس کھا کر ایک کمرہ بنانے کے لیے کچھ اینٹیں، پتھر اور ریت وغیرہ دے دی۔ وفا و خلوص کے اس پیکر نے اس سامان سے مجاہدین کے لیے ہائیڈ تعمیر کر دی۔

چناروں کا شہر

ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے ابتدائی دن ڈار گنائی گنڈ میں ہی گذرے۔ غازی بابا نے راشد بھائی کو مرکزی نوعیت کی کچھ ذمہ داریاں سونپ دیں اور خود چناروں کے شہر سرینگر کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ بھائی ابوبکر ہائیڈ کا کام مکمل کر کے ترال واپس آ گئے تھے۔ 20 اکتوبر کو ہم کوٹ گھری کے خوبصورت پہاڑوں کو آخری سلام کر کے سرینگر کی طرف روانہ ہوئے۔ چھوٹے بڑے کیمپوں سے بچتے ہوئے ہم نے پہاڑ کی سائیڈ والا راستہ اختیار کیا...... راستے میں کئی مقامات پر ساتھی ملتے رہے اور رہنما بدلتے رہے۔ قصبہ ترال سے ملحق چک گاؤں میں ایک مقامی ساتھی طارق بھائی کے عزیز رہتے تھے وہاں پر دوپہر کا کھانا کھا کر طارق بھائی کی رہنمائی میں آگے سفر کرنا تھا۔ ہم ابھی ادھر ہی تھے کہ قریبی گاؤں نودل سے فائرنگ کی آواز آئی مگر تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔ وہاں سے ہم نے کار میں سفر کرنا تھا اس لیے میں نے چھوٹا اسلحہ جسم کے ساتھ باندھ کر اوپر برقعہ پہن لیا۔ مجاہدین نے بھی اپنا حلیہ تبدیل کیا اور ہم روانہ ہوئے۔ طارق بھائی گاڑی خود چلا رہے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے کے سفر میں راستے میں کئی بڑے کیمپ آئے مگر اللہ کے حکم سے ہمیں کہیں بھی نہیں روکا گیا۔ شام کو مغرب کے بعد ہم نواب بازار پہنچے، آفتاب بھائی اپنی فیملی کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔ رات کو ہی ہمیں یہ اطلاع مل گئی کہ نورل کی جھڑپ میں ہمارے پیارے بھائی کامران اور بھائی ابوبکر جام شہادت نوش کر گئے۔ کامران بھائی اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے ترال کے لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ لمبی زلفوں والے اس خوبرو نوجوان کا تعلق ڈوڈہ جموں سے تھا۔ ان کی شہادت کا سن کر میری آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ غازی بابا بولے...... واقعی کامران بھائی جیسے اطاعت گذار اور مخلص ساتھی کا یوں اچانک جدا ہونا ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ ہے لیکن راستہ ہی ایسا ہے اس لیے دل بڑا رکھنا پڑتا ہے۔

سرینگر میں آنے کے بعد طبیعت بہت اُداس رہنے لگی۔ جہاد میں آئے انسان کو اسلحہ سے

ایک عجیب قسم کا لگاؤ اور محبت ہو جاتی ہے۔ سرینگر میں حکمت عملی تبدیل کر کے کام کرنا تھا گو کہ ہم اسلحے سے کبھی دُور نہ رہے لیکن وہ لام والی آزادی بھی نہیں تھی۔ وہاں ہم مکمل عسکری حلیے میں رہ رہے تھے اور سرینگر میں بظاہر ہم سول لوگوں کی طرح رہ رہے تھے۔ میں نے ایک دن جہادی سے کہا یہاں آکر ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم دُنیاوی ماحول میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ گن پاؤچ کے بغیر انہیں بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ بس دُعاء کرو کہ اللہ کام لے لے بے شک وہ جس انداز میں چاہے۔ آفتاب بھائی کی فیملی وہاں عام لوگوں کی طرح رہائش پذیر تھی۔ ہم ان کی آڑ میں دن دیہاڑے کئی کام نمٹا دیتے۔ شعبان کی پندرھویں رات تھی ہم نے قریبی پل سے سامان وصول کرنا تھا۔ میں اور غازی بابا ٹہلنے کے انداز میں سر شام ہی گھر سے نکلے۔ ہمارے مکان کے ساتھ ایک گھر تھا۔ وہاں دو تین فیملیاں اکٹھی رہ رہی تھیں، ان کی ایک خالہ جی کو کھڑکی میں بیٹھے رہنے کی بہت بری عادت تھی، میرا تعارف بھابی نے انہیں اپنی بہن کے طور پر کرایا تھا اور غازی بابا چونکہ کشمیری نہیں لگتے تھے، اس لیے ہم نے ان کو بتایا کہ یہ جموں کے ہیں اور سکول ٹیچر ہیں۔ جموں کے لوگ پاکستانی لوگوں جیسے ہی خدوخال اور رنگ ڈھنگ رکھتے ہیں اس لیے ہمارے پڑوسیوں نے اس کہانی پر دل و جان سے یقین کر لیا۔

شام کے وقت جوں ہی ہم باہر نکلے تو خالہ جی بدستور کھڑکی میں بیٹھی تھی یہ کھڑکی گلی میں کھلتی تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے کہا آج جاگنے کی رات ہے دوکان سے کچھ چیزیں خرید لائیں گے۔ ہم پل پر پہنچے طارق بھائی ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ہم نے ٹہلتے ہوئے وقت گذارا دیکھنے والے یہی سمجھ رہے تھے کہ کوئی ''لڑکا لڑکی'' سیر سپاٹا کر رہے ہیں...... کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ شخص ہندوستان کی نیندیں حرام کرنے والا ''غازی بابا'' ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ساتھی آ گیا انہوں نے ہمیں دو یا تین بیگ دیئے...... میں بمشکل ایک اُٹھا سکی باقی دو جہادی نے اُٹھائے۔ گھر پہنچ کر ہم نے اسلحہ ہائیڈ میں محفوظ کر دیا۔ ان دنوں ایک خاص مشن کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس کے لیے ساز و سامان جمع کیا جا رہا تھا۔ کچھ عرصہ انہوں نے سرینگر میں اسلحہ جمع کر کے اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط کرنے پر صرف کیا۔ طارق بھائی کپواڑہ سے اسلحہ ڈائریکٹ سرینگر لاتے (ایک خاص چینل سے) اور ہم انڈین آرمی پر ایک کاری ضرب لگانے کے لیے اسے محفوظ کرتے جا رہے تھے۔

ننھا مجاہد

آفتاب بھائی کے تین بچے حمزہ، حامد اور حمیرا تھے۔ وہ خود کاروبار بھی کرتے تھے اس لیے صبح سویرے ہی کام پر نکل جاتے تھے۔ بھابی کے ذمہ گھر اور بچوں کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی دیکھ بھال ہوتی تھی۔ اس پورے گھرانے کو اللہ پاک نے جہاد کے لیے چن لیا تھا۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا حمزہ دس سال کا تھا۔ جسے انہوں نے ہمارے حوالے کر دیا۔ اس ننھے مجاہد کو جہاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ مجاہدین کی صحبت نے اسے نڈر اور بہادر بنا دیا تھا۔ وہ جہاد کے کاموں میں ہمارے ساتھ ہوتا تھا۔ گھر میں وہ مجھے دیدی اور غازی بابا کو بھائی جان کہہ کر بلاتا تھا لیکن جب ہم کسی مشن پر ہوتے تو امی ابو کہتا تھا۔ اس طرح ہم پر کسی کو شک نہیں ہوتا تھا۔ حمزہ کو اس قسم کی تربیت دے دی گئی تھی کہ وہ موقع محل دیکھ کر کوئی بھی اداکاری کر سکتا تھا۔ ایک دن غازی بابا سرینگر سے گاندربل کے علاقہ ہنگورہ میں جا رہے تھے۔ اس لمبے اور پرخطر سفر میں صرف ننھا مجاہد حمزہ ان کے ساتھ تھا جب وہ سکول سے واپس آیا تو میں نے اس کو کہا حمزہ آپ اپنا یونیفارم تبدیل نہیں کرنا آپ ایک خصوصی مشن پر جا رہے ہیں اس نے خوشی خوشی کھانا کھایا اس دوران مجھ سے پوچھا دیدی ہم کدھر جا رہے ہیں۔ اسے جہاد کا کام کرنے سے بہت خوشی ملتی تھی میں نے کہا آج آپ نے غازی بابا کا باڈی گارڈ بن کر انہیں ینگورہ لے جانا ہے۔ میں نے اس کے بستے سے کتابیں نکال دیں اور ان کی جگہ اسلحہ اور دوسری چیزیں رکھ دیں۔ پھر وہ دونوں جہادی گھوڑے (موٹر سائیکل) پر سوار ہو گئے۔ حمزہ پیچھے مکمل یونیفارم میں بیٹھا ہوا تھا کمر کے ساتھ بستہ لٹکائے وہ ایک سکول کا بچہ ہی لگ رہا تھا۔ جسے چھٹی ہونے پر والد یا کوئی عزیز گھر لے کر جا رہا ہے۔ وہ صورہ، بڑھ پورہ، پاند چھ اور گاندربل چوک جیسی اہم جگہوں سے گذرے جہاں ہر طرف بنکر اور فوجی موجود تھے...... حمزہ ہاتھ ہلا کر اور مسکرا کر انہیں ہائے انکل کہہ کر خوش کر دیتا تھا۔ راستے میں کئی بڑے کیمپ بھی آئے حمزہ نے اپنی معصوم مسکراہٹوں سے ان سب کو دھوکے

میں رکھا۔ دو گھنٹے مسلسل سائیکل پر سفر کرتے وہ عصر کے بعد ہنگورہ پہنچے۔

جہادی کا ایسے سفر پر اکیلے جانا میرے لیے انتہائی پریشانی کا باعث تھا۔ میرا سارا دھیان انہی کی طرف تھا اور میری ہر سانس ان کے لیے دعا گو تھی۔ اگلے دن میں نے کسی کام کے سلسلے میں ترال جانا تھا اور جاتے ہوئے چھانہ پورہ (جسے ہم تتلی پوائنٹ کہتے تھے) سے کچھ چیزیں اُٹھانی تھیں...... جہادی کے چلے جانے کے بعد میں بھی اپنے مشن پر روانہ ہوئی۔ رات میں تتلی پوائنٹ پر ٹھہری جو حمزہ کی پھپھو کا گھر تھا۔ اس وقت کافی رات ہو چکی تھی۔ ہم لوگ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ جہادی کے ہوتے ہوئے مجھے کسی جگہ اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ نہ ہوتے تو عجیب سی بے چینی اور تنہائی کا احساس ہوتا تھا۔ اس دن مجھے سرینگر پرایا پرایا سا لگ رہا تھا۔ بہن جی اور ان کی بیٹی مجھے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ میں بستر لگانے لگی اتنے میں اچانک دروازہ کھل گیا۔ میں نے ہڑبڑا کر پیچھے دیکھا تو سامنے حمزہ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ حمزہ سب ٹھیک ہیں نا، تم اتنی رات گئے کیوں آ گئے، تمہارے بھائی جان کہاں ہیں؟ میں نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے کیونکہ حمزہ کی غیر متوقع آمد نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ حمزہ کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ بولا سب خیریت سے ہیں میں بھائی جان کو وہاں تک چھوڑ آیا ہوں۔ انہوں نے رات رُکنے کے لیے کہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ کو ساری رات ہماری فکر لگی رہے گی۔ اس لیے آپ کو اطلاع دینے کے لئے وہاں سے گھر اور پھر یہاں تک پہنچا ہوں۔ اس قدر خیال کرنے پر مجھے اس پر بہت پیار آیا۔ بچے تو ہوتے ہی سب پیارے ہیں لیکن مجاہد بچہ ہونے کی وجہ سے ہمیں اس کے ساتھ بہت محبت تھی۔ وہ ہمیں اپنی اولاد کی طرح لگتا تھا۔ اسے بھی ہمارے ساتھ محبت تھی اس لیے کئی کئی دن اپنے ماں، باپ سے دُور ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بلا کا ذہین تھا اس کی ذہانت نے ایک موقع پر ہمیں حیران کر دیا۔

سترہ رمضان کا دن سال 2000ء سے میرے لیے بہت زیادہ اہم بن چکا ہے۔ وہ سترہ رمضان سال 2001ء تھا ویسے ہم شادی کی سالگرہ تو نہیں مناتے لیکن اس موقع پر ایک دوسرے کو تحفے تحائف ضرور دیتے تھے۔ میرا دل بہت مچل رہا تھا کہ اس موقع پر میں جہادی کو

کوئی تحفہ دوں۔ لیکن اس دن میرا باہر کوئی کام نہ تھا جس سے مجھے تحفہ خریدنے کا موقعہ مل جاتا۔ غازی بابا باہر گئے تھے مگر ان سے منگوانا اچھا نہ لگا۔ حمزہ نے مجھے بتایا کہ بھائی جان نے کوئی چیز لا کر اندر کمرے میں چھپا دی ہے۔ میں سمجھ گئی کہ وہ کوئی گفٹ لائے ہوں گے۔ نماز پڑھ کر وہ لیٹ گئے اور مجھے پہرہ دینے کا کہا۔ میں نے کچھ چیزیں لکھ کر حمزہ کو جہادی گھوڑا دیا اور بازار کی طرف روانہ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مطلوبہ چیزیں لے کر آیا جو مجھے بہت پسند آئیں۔ ہم دونوں نے وہ سب چیزیں ایک پیکٹ میں بند کر لیں اور اُوپر خوبصورت گفٹ پیک چڑھا دیا۔ میں نے اپنا گفٹ حمزہ کے کمرے میں چھپا دیا۔ حمزہ کہنے لگا دیدی! اب آپ جائیں میں اپنا ہوم ورک کروں گا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر آ گئی انہیں عصر کی نماز کے لیے جگایا، معمول کے مطابق اس دن بھی افطاری ہوئی۔ ان کے خیال میں مجھے وہ تاریخ یاد ہی نہ تھی...... اور وہ مجھے سرپرائز دینے کے موڈ میں تھے۔ افطاری سے فارغ ہو کر انہوں نے کہا۔ سعدی! آپ کو معلوم ہے آج کیا تاریخ ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں یہ تاریخ تو میں کبھی نہیں بھلا سکتی۔ آج سترہ رمضان ہے، وہ بولے شکر ہے آپ کو یاد رہا پھر حمزہ سے بولے فلاں جگہ ایک شاپر پڑا ہے وہ لے آؤ...... انہوں نے ایک ادا سے خوبصورت جرسی دیتے ہوئے مجھے سترہ رمضان کی مبارک باد دی۔ میں نے شکریہ کے ساتھ تحفہ لے لیا۔ وہ کہنے لگے آپ کو تو یہ دن یاد بھی نہ تھا میرا خلوص دیکھو اتنی ساری مصروفیات کے باوجود اس دن کو نہیں بھولا۔ میں نے ان کو چھیڑنے کے لیے کہا یہ دن میرے لیے بہت خاص ہے لیکن میں گھر کے اندر تھی اس لیے آپ کے لیے کوئی تحفہ نہ لا سکی ورنہ میرا دل بھی آپ کو تحفہ دینے کے لیے مچل رہا ہے۔ وہ بھی تنگ کرنے کے موڈ میں تھے کہنے لگے۔ ہاں ہاں آج میں نے آپ کی محبت دیکھ لی دو روپے کا رومال ہی دے دیا ہوتا۔ کافی دیر وہ مجھ پر طنز و تشنیع کے تیر چلاتے رہے پھر میں نے حمزہ کو اشارہ کیا۔ جب وہ بڑے سائز کا لشکارے مارتا ہوا پیکٹ لے آیا تو غازی بابا حیرت کے عالم میں دیکھتے رہ گئے۔ میں نے کہا جناب! یہ قبول فرما لیجئے ہمارا خلوص اتنا ناقص نہیں ہے جتنا آپ نے سمجھ لیا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ پیکٹ کے اندر ان کی ضرورت کی مختلف چیزیں تھیں جو انہوں نے پسند کر لیں۔ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے اس دوران حمزہ چپکے سے وہاں سے اُٹھ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو

اس نے دو پیکٹ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے اب حیران ہونے کی ہم دونوں کی باری تھی...... حمزہ نے پیکٹ ہماری طرف بڑھاتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا ''سترہ رمضان مبارک ہو''۔ ہم دونوں ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ دو فریم تھے جو حمزہ نے اپنے جیب خرچ سے ہمارے لیے خریدے اور ان پر خوبصورت گفت کور بھی چڑھایا تھا۔ غازی بابا کہنے لگے میں تو سمجھا تھا کہ یہ کام صرف میں نے کیا آپ دونوں تو چھپے رستم نکلے۔ حمزہ کے معصوم خلوص نے ہماری خوشی میں اضافہ کر دیا۔

نشاط شالیمار

سیٹلائٹ فون نیا نیا آیا تھا۔ نواب بازار میں اس کے سگنل نہیں آتے تھے کیونکہ وہ علاقہ پرانا شہر کہلاتا تھا اور کافی گنجان آباد تھا۔ وہاں پرانے طرزِ تعمیر کی بڑی بڑی عمارتیں تھیں اس لیے دُور دُور تک کوئی خالی جگہ نہیں تھی۔ آفتاب بھائی نے نشاط باغ جا کر فون چیک کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ جھیل ڈل کے کنارے پہاڑ کے دامن میں واقع کئی باغات میں سے ایک سیاحتی مقام ہے۔ ان کی بنیاد مغلوں نے اپنے دَورِ حکومت میں رکھی تھی۔ اس لحاظ سے نشاط باغ، شالیمار باغ اور چشمہ شاہی، مغل گارڈنز کے نام سے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ جھیل ڈل کی دوسری جانب درگاہ حضرت بل واقع ہے۔ ڈل کی وجہ سے یہ علاقہ سرینگر کی ایک سائیڈ پر آتا ہے اور یہ جنت نظیر علاقہ تاریخی اہمیت کا حامل ہونے کی وجہ سے ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ فاروق عبداللہ کی رہائش بھی اسی علاقے میں تھی۔ اس لحاظ سے اس کو ہائی سکیورٹی زون کا درجہ بھی حاصل تھا۔ ہمیں سرینگر میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے وہاں کے حالات کا بھی زیادہ اندازہ نہ تھا۔ آفتاب بھائی کے مشورے پر فوری عمل کرتے ہوئے ہم اس طرف چل پڑے۔ راستے میں جگہ جگہ انڈین آرمی کے ناکے، گشتی پارٹیاں اور غیر معمولی موومنٹ دیکھ کر ہمیں یوں لگا جیسے ہم کریک ڈاؤن میں پھنس گئے ہوں۔

غازی بابا نے سرینگر میں آ کر عسکری حکمت عملی کے تحت حلیہ بدل لیا۔ وہ باہر جاتے وقت پینٹ شرٹ پہنتے تھے۔ آنکھوں پر کالا چشمہ اور سر پر پی کیپ رکھنے سے وہ بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ وہ اس لباس کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ بلکہ ان کے دل میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت تھی۔ لیکن بدقسمتی سے کشمیری مسلمان ایک عرصے سے برہمن حکومت کے زیرِ قبضہ رہے ہیں اور ہندوؤں کے ساتھ رہ رہ کر وہ لوگ اپنی روایات بھول چکے ہیں۔ وہاں عموماً لوگ پینٹ شرٹ ہی پہنتے ہیں۔ اب اگر اس ماحول میں کوئی قمیص شلوار پہنے تو وہ سب سے الگ اور

منفرد نظر آتا ہے۔ گوریلا جنگ کا یہ اصول ہے کہ مجاہد کو اپنا حال، حلیہ، لباس اور چال چلن وہاں کے ماحول کے مطابق اپنانا پڑتا ہے۔ سرینگر جیسے شہر میں جہاں ہر گلی میں بنکر اور ہر سڑک پر کیمپ موجود ہے...... شرعی انداز میں رہ کر کام جاری رکھنا انتہائی دشوار بلکہ ناممکن بات تھی۔ اس طرح کا حلیہ اپنا کر پاکستانی مجاہدین بھی کشمیری ہی لگتے تھے۔ اور دن دیہاڑے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو جاتے تھے۔ البتہ غازی بابا کشمیری نہیں لگتے تھے۔ ان کا قد کاٹھ اور پرسنالٹی سب سے الگ دکھائی دیتی تھی۔ اللہ نے انہیں شکل وصورت اور قد و قامت کچھ اس طرح کا عطاء کیا تھا کہ دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی متاثر یا مرعوب ہو جاتا تھا۔ کئی دفعہ بھارتی فوجیوں نے انہیں بڑا افسر سمجھ کر سلوٹ کیا۔ ایک دفعہ وہ آفتاب بھائی کی گاڑی میں کہیں جا رہے تھے۔ کاکہ سرائے میں گشتی پارٹی نے گاڑی روک لی۔ غازی بابا کالا چشمہ پہنے پچھلی سیٹ پر بڑے وقار سے براجمان تھے۔ آفتاب بھائی نے اپنا مخصوص کارڈ فوجی کو دکھایا۔ فوجی نے سمجھا کہ پیچھے بیٹھا ہوا آدمی کوئی بڑی سیاسی شخصیت ہے اور یہ ان کا ڈرائیور ہے۔ اس نے غازی بابا کو سلوٹ کیا اور معذرت کرتے ہوئے بولا سر یہ ہماری ڈیوٹی ہے ورنہ آپ کو تکلیف نہ دیتے۔ غازی بابا نے اس کی دیش بھگتی (وطن کی خدمت) کو سراہا اور کہا ہمیں آپ پر فخر ہے آپ بہت اچھی ڈیوٹی نبھا رہے ہیں۔ گھسیٹا رام اپنی تعریف سن کر نہال ہو گیا اور مجاہدین گاڑی بھگا لے گئے۔

ایک اور موقع پر وہ باہر سے آ کر کمرے میں لگے قد آدم آئینے میں گھوم گھوم کر اپنا جائزہ لینے لگے۔ میں نے کہا کمال ہے لوگ گھر آ کر اپنی پرسنالٹی بڑے غور سے دیکھ رہے ہیں خیر تو ہے۔ سعدی! میں کیسا لگ رہا ہوں؟ میں ان کے سوال کا مفہوم سمجھے بغیر بولی ماشاء اللہ آپ بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ وہ اُلجھ کر بولے یار میرا مطلب ہے کیا میں اس حلیے میں کشمیری نہیں لگتا؟ میں نے کہا بالکل نہیں آپ ہر لحاظ سے پاکستانی لگ رہے ہیں۔ لیکن بتائیں تو ہوا کیا، کہیں آج پھر بچوں نے آپ کے پیچھے جلوس تو نہیں نکالا۔ ایک دفعہ چھتہ بل سے گذرتے ہوئے بچوں کی ایک گشتی پارٹی ان کے پیچھے لگ گئی۔ اور ''پنجائب پنجائب'' یعنی پنجابی پنجابی

کے نعرے لگانے لگے۔ کشمیر میں ہندوستان کے کئی علاقوں سے لوگ مزدوری کرنے کے لیے آتے ہیں اور بچے انہیں پردیسی جان کر چھیڑتے ہیں۔ بچوں نے انہیں بھی انڈیا کا سمجھ کر یہ کارروائی کی اور جب غازی بابا نے انہیں خالص کشمیری میں ڈانٹ پلائی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ سنجیدگی سے بولے آج اس سے بھی عجیب بات ہوگئی ہے۔ میں ایک چوک سے گذر رہا تھا، سڑک کے دوسری طرف ایک ریڑھی والا کھڑا تھا۔ مجھے رومال خریدنا تھا اس کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا تو وہ ریڑھی چھوڑ کر ہاتھ میں کارڈ پکڑ کر میرے پاس آیا اور ڈرے سہمے انداز میں بولا سر یہ میرا کارڈ ہے۔ میں حیران رہ گیا کہ اس نے مجھے اس حلیے میں بھی فوجی افسر سمجھا اس کا مطلب ہے کہ میرا یہ حلیہ مشکوک ہے۔

بہرحال بات نشاط باغ کی چل رہی تھی جو بہت دُور نکل گئی ہے۔ ہماری گاڑی اس خطرناک علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ حمزہ ہمارے ساتھ تھا اس لیے فوجی ہمیں سیاح سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے باغ کے اندر اچھا خاصا رَش تھا۔ ہم تھوڑی دیر گھوم پھر کر دیکھتے رہے اندر کوئی فوجی موجود نہیں تھا۔ ہم لوگوں کی نظروں سے بچ کر باغ کے اُوپر والے حصے میں چلے گئے یہ پہاڑ والی سائیڈ تھی اور اس طرف چناروں کے خشک پتوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اس طرف کوئی آتا جاتا نہیں تھا۔ حمزہ کو ہم نے حالات پر نظر رکھنے کے لیے نیچے والے حصے میں چھوڑ دیا۔ دراصل ان دنوں موبائل فون نہیں چلے تھے۔ اس لیے اتنا مسئلہ بنا ہوا تھا ورنہ موبائل کی موجودگی میں سیٹلائٹ فون کا بھی کسی کو شک نہ ہوتا۔ انہوں نے فون آن کیا سگنل پورے آرہے تھے۔ تھوڑی دیر بات بھی ہوئی اتنے میں حمزہ بھاگتا ہوا آیا اور بولا کہ گارڈن میں ملٹری آگئی ہے اور وہ بھاگتے ہوئے اُوپر کی طرف آرہے ہیں۔ غازی بابا نے فون مجھے پکڑا دیا۔ ہم جلدی سے نیچے والے باغ میں آئے۔ اس باغ کے تین چار پورشن تھے اور جہاں ہم تھے اس وقت وہاں چند اِکا دُکا لوگوں کے علاوہ کوئی نہ تھا...... زیادہ رَش نچلے حصہ میں ہوتا تھا۔ آرمی سب لوگوں کو نظر انداز کر کے سیدھا اُوپر آگئی۔ ان کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز تھی...... ہم پریشان تو ضرور ہوئے کیونکہ ہماری کوئی بھی حرکت دشمن کو مشکوک کر سکتی تھی۔ ہم نے احتیاطی تدبیر کے طور پر کیمرہ بھی

ساتھ رکھا ہوا تھا۔ ادھر پانی کا ایک خوبصورت فوارہ تھا غازی بابا نے ہم دونوں کی تصویریں بنانی شروع کر دیں کیونکہ دشمن ہمارے سر پر آ گیا تھا۔ فوجی افسر ہماری طرف پوری طرح سے متوجہ تھا۔ حمزہ نے ہاتھ ہلا کر کہا ہیلو انکل، اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ غازی بابا نے اس کی طرف مڑ کر اس انداز سے ہاتھ ملا کر ہائے ہیلو کیا جیسے ہمیں ان کی موجودگی کی بالکل خبر نہ تھی۔ انہوں نے افسر سے گذارش کی کہ وہ ہم تینوں کا گروپ فوٹو بنائیں۔ بنیے نے بخوشی قبول کیا اور کئی تصاویر بنا ڈالیں وہ ہمیں فیملی سمجھ رہا تھا۔ غازی بابا نے شکریہ کے ساتھ اس سے کیمرہ لے لیا وہ سیدھا اُوپر کی طرف گئے اور ہم ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے ...... گھر پہنچ کر انہوں نے وہ فلم ضائع کر دی اور ہم نے دوبارہ غلطی سے بھی اس طرف جانے کا نہیں سوچا۔

سرینگر...... بھارتی فوج کا شمشان گھاٹ

وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے سرینگر کا ماحول سمجھا اور یہ محسوس کیا کہ یہاں گاڑی میں سفر اور غیر مسلح حالت میں کام کرنا نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ وہاں کے ماحول کے مطابق انہوں نے فوراً نئی پالیسیاں ترتیب دیں۔ ایک دن انہوں نے کہا آج میں نے گاڑی خرید لی ہے آپ دیکھو گی؟ میں نے کہا ضرور دیکھوں گی۔ باہر آ کر میں نے دیکھا وہاں ایک نئی چمکتی ہوئی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ میں نے کہا یہ تو آپ کا جہادی گھوڑا ہے۔ انہوں نے موٹر سائیکل کا یہی نام رکھا تھا، جو پہلے بھی آپ کے پاس موجود تھا۔ وہ بولے پہلے والی کسی ہمدرد کی تھی اور یہ میری ذاتی ملکیت ہوگی...... اور اب آپ دیکھتی جاؤ میرا جہادی گھوڑا کیا کیا کرامتیں دکھاتا ہے۔ اس دن وہ ایک جیکٹ بھی لائے تھے۔ انہوں نے گرنیڈ پانچ عدد، ایک پسٹل اور وائرلس سیٹ بیلٹ کے ذریعے کمر کے ساتھ باندھ لیے اُوپر سے جیکٹ پہن کر مختلف انداز سے چل پھر کر مجھ سے کہا کہ آپ غور سے دیکھنا اسلحہ نظر آتا ہے۔ میں نے کہا بالکل نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس کے بعد سردی ہوتی یا گرمی، جیسے بھی حالات ہوتے ان کی بیلٹ اور جہادی گھوڑا ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ پھر انہوں نے جہادی گھوڑے پر بیٹھ کر سرینگر کے ہر گلی کوچے کو ناپا دشمن کے کیمپوں اور بنکروں کو انگلیوں پر گن کر ان کی رَگ رَگ کو پہچانا۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے سرینگر جیسے اہم اور حساس شہر میں ایسا مؤثر اور مضبوط عسکری سیٹ قائم کر دیا کہ انڈین آرمی کا خون دن دیہاڑے سرینگر کی گلیوں میں بہنے لگا۔ سرینگر آ کر شروع میں دل میں جو ملال پیدا ہوا تھا وہ بھی دُور ہوا، جنگلوں میں رہ کر کئی دنوں تک حملے کا منصوبہ بنایا جاتا پھر کیمپ کی ریکی اور اس کے بعد ساتھیوں کی بڑی تعداد لیکر حملہ کرنا دشمن کے جانی نقصان کا بھی کبھی کبھی پتہ نہیں چلتا تھا۔ جبکہ یہاں کئی نقد فوائد تھے...... ایک اکیلا مجاہد بنا کسی ریکی کے سڑک پر کھڑے فوجی کو پسٹل کے ذریعے کھڑکا دیتا کبھی ایک دن میں تین چار شکار کیے جاتے تھے۔

موقعہ ملتا تو دشمن کا اسلحہ بھی مال غنیمت کے طور پر اُٹھا لیا جاتا تھا۔ مجاہدین کو بھیس بدل کر کئی سنتوں سے دُور ہونے کا دُکھ ضرور تھا۔ لیکن قتال جو فرض ہے اس کا بھرپور موقعہ ملتا تھا۔ سرینگر کے دل لال چوک میں جہاں مقامی آبادی سے زیادہ تعداد انڈین آرمی کی ہے جب دن کے وقت بھارتی فوجی خاک وخون میں تڑپنے لگے تو بھارتی ایجنسیاں سر پکڑ کر رہ گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آرہے ہیں اور حملہ کر کے جاتے کہاں ہیں۔ آخر یہ کس کے تربیت یافتہ جنگجو ہیں جو ہماری اتنی فوج کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جاتے ہیں۔ یہ جن بھوت ہیں یا سایہ، جو کسی کو نظر نہیں آتے......؟؟؟ یہ ایسے سوالات تھے جو غازی بابا کی زندگی میں بھارت کے لیے معمہ بنے رہے اور جن کا جواب ان کی کسی بھی خفیہ ایجنسی کے پاس نہ تھا۔

غازی بابا میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ وہ پروٹوکول کبھی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تن تنہا موٹر سائیکل پر نکل کر جہاد کے کام کرتے تھے۔ کہیں کوئی مسئلہ پیش آتا تو موٹر سائیکل پھینک کر جان بچاتے، اگلے دن پھر نیا جہادی گھوڑا خرید لاتے کیونکہ بہادری اور احتیاط کو ساتھ لیکر چلنا ان کے اصولوں میں شامل تھا۔ اس وقت بھائی عبدالرحمٰن قندھاری سرینگر کے ڈسٹرکٹ کمانڈر تھے۔ دونوں کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ میں نے ان کے سوا کسی ساتھی کو غازی بابا کے ساتھ اتنا بے تکلف نہیں دیکھا۔ بھائی عبدالرحمٰن ملہ باغ سرینگر کے رہنے والے تھے اور چھ سالوں سے سرینگر میں انڈین آرمی کے خلاف برسرپیکار تھے۔ وہ انتہائی سخت مزاج تھے مگر اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے غازی بابا کی آنکھ کا تارا تھے۔ وہ ان کا اکیلا نکلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دن برہم ہو کر بولے بابا دیکھنا ایک دن آپ ہماری ناک کٹوا دیں گے، کسی دشمن نے کھڑکا دیا تو لوگ کیا کہیں گے کہ جیش محمد ﷺ کا سالارِ اعلیٰ ایک کھٹارا موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ غازی بابا مسکرا کے بولے عبدالرحمٰن جس گولی پر میرا نام لکھا ہو گا وہ کسی اور کو نہیں لگ سکتی۔ احباب نے کئی بار مشورہ دیا کہ آپ اپنی حفاظت کے لیے کچھ ساتھی بطور باڈی گارڈ ساتھ رکھا کریں لیکن ان کا اس بات پر پختہ ایمان تھا کہ زندگی کے دن مقرر اور موت کا وقت اٹل ہے۔ یہ

بامعنی اور شجاعت کی خوشبو سے مہکتا ہوا جملہ انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا پھر انہوں نے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا فن سیکھ لیا اور سرینگر کا ہر چھوٹا بڑا، حساس یا غیر اہم علاقہ انڈین آرمی کے لیے شمشان گھاٹ بن گیا۔ مجاہدین کو بھارتی فوجیوں کی کھوپڑی میں گولی مارنے کا گویا چسکا ہی پڑ گیا۔ بیٹھے بیٹھے انہیں خیال آتا کہ چلو کوئی شکار تلاش کریں۔ ایک بار جہادی اور بھائی عبدالرحمٰن اس غرض سے باہر نکلے...... مغرب کے بعد کا وقت تھا میں کچن میں بھابی کے ساتھ کوئی کام کر رہی تھی۔ ہائیڈ بھی ادھر ہی تھی۔ اچانک میرے پیروں میں ایک بڑی سی بوری آ گری۔ میں چند قدم پیچھے ہٹ گئی کیونکہ مجھے لگا یہ کسی فوجی کی لاش ہے۔ جہادی جوتے اُتار کر اندر آئے بھائی بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ وہ بولے اس کو ہائیڈ میں ڈال دیں۔ میں نے آرام سے سوال کیا اس میں لاش ہے؟ ان کی ہنسی چھوٹ گئی اور بولے لاش کا ہائیڈ میں اچار ڈالنا ہے کھول کر دیکھو۔ وہ (L.M.G / لائٹ مشین گن) تھی جو انہوں نے انڈین فوجی کو قتل کر کے غنیمت میں حاصل کی تھی اس کے بعد شکار کی تلاش میں جاتے وقت ایک عدد تھیلا بھی ساتھ رکھتے تھے اور موقعہ ملنے پر دشمن کا ساز و سامان بھی اُٹھا لاتے تھے۔

پھر ایک دن اللہ کے شیروں نے لال چوک میں گشتی پارٹی پر گرنیڈ پھینکا۔ اس کارروائی میں بھی ماضی کی حکمت عملی استعمال کی گئی۔ کارروائی کرنے سے پہلے وہاں ایک موٹر سائیکل میں بارود رکھ دیا گیا۔ گرنیڈ دھماکے ہونے کے بعد اعلیٰ فوجی افسران کے علاوہ پولیس کا ڈی آئی جی بھی جائے وقوعہ پر آ گیا۔ کیونکہ ان دنوں سرینگر میں اس طرح کی کارروائی بالکل نئی تھی۔ جب افسر وغیرہ جمع ہو گئے تو موٹر سائیکل کو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اُڑا دیا گیا۔ چونکہ کارروائی دارالحکومت کے ایک خاص مقام پر ہوئی تھی اس لیے میڈیا والے وہاں پہلے ہی جمع ہو گئے۔ دھماکے میں کئی فوجی افسران کے علاوہ ڈی آئی جی بھی ہوا میں تحلیل ہو گیا یہ سارا منظر کئی کیمروں میں قید کر لیا گیا۔ اس کامیاب کارروائی کے بعد غازی بابا اور بھائی عبدالرحمٰن بہت خوش تھے۔

اور راز آشکار ہو گیا

بھابی اور آفتاب بھائی کسی شادی میں شرکت کے لیے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ حمزہ ہمارے پاس ہی تھا۔ ایک دن میں کھانا پکا رہی تھی جہادی پاس ہی اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ کھانا پکانے کا کچھ سامان حمزہ سے منگوا دیں۔ یہ کام آفتاب بھائی کے ذمے تھا وہ روزانہ کچھ نہ کچھ لاتے ہی رہا کرتے تھے۔ جہادی کہنے لگے، سعدی! ہمیں اللہ کا لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم مجاہد ہیں۔ اب دیکھو ان دنیادار لوگوں کی تمام زندگی گھر کا سودا سلف لاتے اور آٹا دال کا حساب لگاتے ہی گذر جاتی ہے۔ گھریلو زندگی میں کتنے مسائل اور اخراجات ہوتے ہیں۔ اللہ نے مجاہد بنا کر ہمیں ان سب چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ میں نے کہا واقعی ہم پر شکر واجب ہے کسی کی شادی ہو تو یہ لوگ دو ماہ سے اس غم میں گھلتے ہیں کہ میں شادی پر کون سا جوڑا پہن کر جاؤں، بچے سب سے اچھے کپڑے پہنیں اور دلہن کے لئے بھی اچھا سا گفٹ ہونا چاہیے۔ اللہ نے ہمیں ان سب جھمیلوں سے آزاد رکھا ہے۔ وہ ازراہِ مذاق کہنے لگے ویسے اگر میں دُنیادار ہوتا تو اس معاملے میں خوش نصیب ہوتا کیونکہ آپ بہت کفایت شعار ہیں۔

ہم نے وہاں پر بجلی والا ہیٹر رکھا ہوا تھا۔ کشمیر میں بجلی بہت سستی تھی بلکہ تحریک آزادی کے بعد بجلی کے بل بھی نہیں آتے تھے اور نہ ہی کوئی دیتا تھا۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ سلنڈر کے بجائے کھانا اسی پر پکایا جائے۔ کئی بار ہیٹر سے مجھے بہت سخت کرنٹ لگا۔ جہادی کو ہیٹر کے ساتھ بہت چڑ تھی وہ بہت غصہ کرتے اور کہتے نہ جانے کب اس کے ساتھ لٹک جاؤ گی۔ اس کی جان کیوں نہیں چھوڑتی جب سلنڈر موجود ہے۔ میرے اس جواب پر کہ اس طرح بیت المال کے پیسوں سے خریدا ہوا گیس سلنڈر زیادہ دن چلے گا ان کا غصہ خوشی میں بدلتا تھا۔ وہ تمام ساتھیوں اور ہمدرد لوگوں پر وسعت سے خرچ کرتے تھے۔ کیونکہ کمانڈر کو فراخ دل ہونا چاہیے۔ لیکن الحمدللہ میں خرچ کرنے کے معاملے میں احتیاط برتنے کی عادی تھی اور جہادی کو میری یہ عادت

بہت پسند تھی۔ مگر میری ایک عادت سے وہ سخت نالاں تھے وہ یہ کہ میں ان سے کبھی پیسے نہیں مانگتی تھی چاہے کتنی بھی ضرورت کیوں نہ ہوتی۔ ایک دفعہ میں سامان لیکر کہیں جارہی تھی۔ برقعے کے اندر سے میں نے کمر کے ساتھ ٹائم بم باندھ رکھے تھے۔ جہادی مجھے ہدایت دے رہے تھے کہ اپنا خیال رکھنا۔ خطرے کی صورت میں اس طرح کرنا وغیرہ...... میرے ساتھ سفر میں ایک پسٹل اور آر جس گرنیڈ بھی ہوتا تھا تاکہ اگر آرمی کہیں روکے تو خطرے کی صورت میں پسٹل سے فائر کیا جائے۔ زیادہ مسئلہ بنے تو گرنیڈ بلاسٹ کر کے شہید ہونا ہے۔ اس دن میری جیب میں صرف 70 روپے تھے۔ میں ان سے کہہ نہیں پارہی تھی کہ میرے پاس پیسے کم ہیں۔ لیکن کمرے سے باہر نکل کر پھر اندر کسی بہانے سے آجاتی تھی۔ کئی دفعہ ایسا ہونے کے بعد انہوں نے اچانک پوچھ لیا۔ آپ کے پاس پیسے ہیں؟ میں نے کہا جی ستر روپے ہیں۔ انہوں نے غصے کا اظہار کیا اور بولے پہلے کیوں نہیں بتایا کیا اسی طرح خالی ہاتھ چلی جاتی راستے میں کئی مسائل بن سکتے ہیں۔ میں نے کہا جناب! میں نے کبھی اپنے بابا سے بھی پیسے نہیں مانگے ہیں۔ اس لیے یہ بات مجھ میں بچپن سے نہیں ہے۔ اس بات سے وہ بہت چڑتے تھے...... اور کہتے تھے اب آپ کو یہ عادت بدل دینی چاہیے۔

بات کوئی اور چل رہی تھی اور کہیں اور نکل گئی۔ اخبار پڑھنے کے ساتھ وہ گپ شپ بھی لگا رہے تھے۔ ایک صفحہ پلٹنے کے بعد وہ خاموش ہوئے اور کسی خبر میں کھو سے گئے۔ پھر مجھے بلا کر کہنے لگے کہ ادھر آ کر یہ اخبار دیکھو۔ وہ سرینگر سے شائع ہونے والا ہفت روزہ ''چٹان'' تھا۔ اسے ہر طبقے کے لوگ دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ اس میں کئی صفحات پر مشتمل ہم دونوں پر ایک مضمون چھپا ہوا تھا۔ سرخیوں میں لکھا تھا کہ ''غازی بابا، شہباز خان، اُستاد جہادی اور ڈاکٹر...... یہ سب ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ جو نہ صرف عرصہ دراز سے انڈین آرمی کے خلاف برسرپیکار ہے بلکہ اس نے کشمیر میں شرعی طریقے سے نکاح بھی کر لیا ہے۔ اس کی اہلیہ کا فلاں جگہ اور فلاں گھر سے تعلق ہے۔'' وہ تربیت یافتہ ہیں اور غازی بابا کے ہمراہ جنگلوں میں مسلح حالت میں رہتی ہیں''۔ یہ خبر ہمارے لیے انتہائی پریشان کن تھی کیونکہ یہ بات بہت کم لوگ جانتے تھے اس کا

فائدہ یہ تھا کہ ہم دونوں کہیں بھی نام بدل کر جاتے تو کسی کو ہماری اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اب کسی کو بھی ہم پر شک ہو سکتا تھا۔ پلوامہ سے تعلق رکھنے والا کالم نگار پرواز محمد سلطان بھارتی ایجنسیوں کا زرخرید غلام تھا۔ ان ہی کی فراہم کردہ معلومات پر اس نے وہ سب کچھ لکھا تھا۔ اس کے منافقانہ اقدام سے تمام سکیورٹی حلقوں کو اس بات کا علم ہو گیا جس کا اندازہ ہمیں چند ہی دنوں کے بعد اس واقعہ سے ہوا۔

سرینگر کے شمال مشرق کی طرف پہاڑ ہیں باقی سارا علاقہ میدانی ہے۔ اسی طرف ایک پہاڑ کے دامن میں ہرون علاقے میں مجاہدین جاتے رہتے تھے۔ وہاں مجاہدین کے بس یہی پہاڑ قریب تھے۔ اس لیے وہ کبھی کبھار ان پر ڈیرے ڈالتے تھے...... غازی بابا بھائی کے ساتھ ایک ہفتے کے لیے ہرون کی طرف جا رہے تھے۔ وہ دوسرے کمرے میں کپڑے بدل رہے تھے اور میں ان کا سامان تیار کر رہی تھی...... ان کا اسلحہ میرے سامنے ہی پڑا تھا اور پسٹل کا میگزین وہ خود علیحدہ کر کے گئے تھے حمزہ میرے پاس بیٹھا تھا۔ جانے اسے کیا شرارت سوجھی اس نے پسٹل اُٹھا کر اس کا بیرل میرے ماتھے پر رکھ کر فوجیوں کے انداز میں بولا "ہینڈز اَپ ورنہ شوٹ کر دوں گا"۔ میرا دل اُداس ہو رہا تھا۔ جہادی کے دور جانے کے بعد میرے دل پر ویرانی چھا جاتی تھی۔ مجھے خود بھی معلوم نہ تھا کہ پسٹل لوڈ ہے۔ میں نے حمزہ کی طرف دیکھے بغیر بے دلی سے کہا حمزہ تنگ نہیں کرو۔ اس کی شرارت بدستور جاری تھی۔ بولا بس اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ میں آپ کو شوٹ کرنے ہی والا ہوں۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی اور ذرا سی جنبش کی دیر تھی اور میرا کام تمام ہونا تھا۔ اسی وقت جہادی کمرے میں آئے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں پھیل گئیں پھر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حمزہ کے ہاتھ سے پسٹل اُچک لیا۔ او جنازے اس میں گولی ہے (جنازے ان کا تکیہ کلام تھا) انہوں نے پسٹل چیک کیا تو اس میں سے ایک عدد گولی برآمد ہوئی۔ حمزہ یہ دیکھ کر رونے والا ہو گیا۔ میں نے اس کو پیار سے کہا...... پریشان کیوں ہوتا ہے میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔ وہ رونے ہی لگ گیا اور بولا دیدی میں تو اس کو خالی سمجھ کر بس ٹریگر دبانے ہی والا تھا۔ اگر بھائی جان عین وقت پر نہ آتے تو کیا ہو جاتا......؟ میں نے ہنستے ہوئے

کہا پھر یہ ہوتا کہ میں شہید ہو جاتی اور آپ کے بھائی جان میرا جنازہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں سے مجھے قبر میں اُتارتے...... اس طرح ان سے پہلے شہید ہونے کی میری دلی حسرت پوری ہو جاتی۔ جہادی نے مجھے گھور کر دیکھا...... جب بھی میں ان سے یہ بات کہتی تو ان کا جواب ہمیشہ یہ ہوتا کہ ان کی زندگی میں میری بہت اہمیت ہے۔ اور ہم اللہ کے دین کا کام کرتے رہیں گے۔ ہم دونوں مسلح حالت میں رہتے ہیں اللہ ہمیں ایک ساتھ شہادت دے گا۔

ہمارے پوائنٹ سے ہرون تک زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ لیکن اس گھر کی لوکیشن کچھ ایسی تھی کہ وہاں سے ہمارا ڈائریکٹ رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ان کے آنے سے ایک دن قبل طوبیٰ مجھے پیغام لکھوا رہے تھے۔ پیغام لکھنے کے بعد میں سیٹ بند کرنے ہی والی تھی اتنے میں کسی کی بھاری بھرکم آواز آئی۔ طوبیٰ، طوبیٰ، طوبیٰ...... مجھے لگا کہ غازی بابا ہیں اس لیے سیٹ بند نہیں کیا۔ میرا سیٹ کوڈ نعیم تھا۔ طوبیٰ یہ نعیم سرگوشی میں کیوں بات کر رہا ہے؟ ہم سمجھ گئے کہ وہ خبیث بھارتی فوجی ہے۔ سیٹ کے سگنل بتا رہے تھے کہ وہ کسی قریبی کیمپ سے بول رہا ہے۔ طوبیٰ نے جواب دیا نعیم بھائی کے گلے میں تکلیف ہے اس لئے وہ اس طرح بات کر رہے ہیں یہ سن کر فوجی آگ بگولا ہوا اور کہنے لگا ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ یہ کون ہے اور اس کو کیا تکلیف ہے۔ ہم بہت جلد اس کی تکلیف دُور کریں گے۔ بھارتی کتا اب گالیاں دینے پر اُتر آیا۔ طوبیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ہماری بہن ہیں...... فوجی کی بکواس سن کر انہیں بہت غصہ آیا۔ وہ چلاّ چلاّ کر کہتے رہے فوجی گالی نہ دے۔ میں تجھے کہہ رہا ہوں گالی نہ دے۔ ان کا بس چلتا تو فوجی کا سر پھاڑ کر رکھتے غصے سے ان کی آواز کانپ رہی تھی وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے نعیم بھائی آپ جائیں میں اس کو دیکھتا ہوں السلام علیکم فی امان اللہ...... میں سمجھ گئی کہ وہ اب فوجی کو اسی زبان میں سمجھائیں گے، بھارتی کتے کا بھونکنا میری برداشت سے بھی باہر ہو رہا تھا میں نے سیٹ بند کیا اور سوچنے لگی اس کا مطلب ہے کہ اب دشمن کو سب پتہ چل گیا ہے۔ یہ رابطے کا مخصوص انداز بھی ٹریس ہو چکا ہے یقیناً یہ اسی خبر کا نتیجہ ہے۔ دوسرے دن رات کے وقت جہادی اور بھائی عبدالرحمٰن آئے۔ میں نے ان کو یہ بات بتائی تو انہوں نے مجھے کچھ عرصہ سیٹ بند رکھنے کا کہہ دیا۔

کاری ضرب......

دسمبر کا مہینہ شروع ہو چکا تھا...... ایک خاص اور بڑے مشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں...... رَب کے حضور گڑگڑا کر فتح ونصرت کی دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ایک دن ہم نے مشن پر روانہ ہونے والے ساتھیوں کو اسلحہ پہنچانا تھا...... غازی بابا نے تیاری کے دوران مجھے یہ حدیث سنائی کہ اللہ پاک ایک تیر کی وجہ سے تین لوگوں کو جنت میں لے جائیں گے۔تیر بنانے والے کو، پہنچانے والے کو اور چلانے والے کو...... ہم دونوں نے اللہ پاک سے اجروثواب کی اُمید وابستہ کر کے خود کو سر سے پاؤں تک اسلحے سے لیس کر دیا۔میری پنڈلیوں کے ساتھ بھی اسلحہ بندھا ہوا تھا اب یہ حال تھا کہ قدم اُٹھانے سے آواز پیدا ہو رہی تھی۔ہم فجر کے بعد ہی روانہ ہوئے کیونکہ اس وقت آرمی کی موومنٹ بہت کم ہوتی تھی۔ہم نے لال چوک سے ملحق انتہائی حساس علاقہ جواہر نگر میں جانا تھا۔کچھ سفر پیدل اور کچھ رکشے پر طے کر کے تقریباً چالیس منٹ کے اندر اندر ہم وہاں پہنچ گئے۔گلی میں ایک بندہ مشکوک حالت میں ٹہل رہا تھا میں نے غازی بابا کی توجہ اس کی طرف دلائی وہ ہنس کر بولے انہیں نہیں پہچانا ذرا غور سے دیکھو،کوشش کے باوجود میں انہیں پہچان نہیں پائی کیونکہ انہیں کبھی غور سے دیکھا بھی نہ تھا۔وہ بولے یہ حیدر بھائی ہیں۔میں حیران ہوگئی کوٹ گھری کے پہاڑوں میں رہنے والا وہ مجاہد اس بھیس میں بالکل نہیں پہچانا جارہا تھا۔میں نے کہا ہندوستان پر بم پھٹے وہ بھی انہیں نہیں پہچان پائیں گے۔حیدر بھائی ہمیں ایک گھر میں لے گئے وہاں پر دوسرے ساتھی بھی موجود تھے...... میں نے دوسرے کمرے میں جا کر سامان کھولا۔وہ کچھ دیر ساتھیوں کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔جب ہم واپس ہونے لگے تو حیدر بھائی نے لپک کر میرے جوتے اُٹھا کر سامنے رکھ دیئے۔غازی بابا نے جھک کر ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور شہادت کے نور سے معمور ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے حیدر بھائی یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔وہ بولے اُستاد جی بہنیں ہمیشہ بھائیوں کے لیے قابل احترام ہوتی

ہیں......حیدر بھائی کے اس کام سے مجھے بھی بہت دُکھ ہوا دل میں آتا تھا کہ ان سے کہوں...... میرے بھائی جوتے تو مجھے آپ کے اُٹھانے چاہئیں تھے کہ آپ اس قدر عظیم مشن پر روانہ ہونے والے ہیں......اور آپ ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے چھپ جانے والے ہیں۔ لیکن میں کچھ بھی نہ کہہ سکی، برقعے کے اندر سے صرف ایک نظر اس عزیمت کے پیکر پر ڈالی جنت کی بہاریں اور حوریں جس کی منتظر تھیں۔

اس مشن پر راہ وفا کا عظیم مجاہد حیدر بھائیؒ، اسمبلی معرکے سے نکلنے والے بھائی راجہ، محمد بھائی اور دوسرے دو ساتھی جان قربان کر گئے۔ بھائی ارسلان عرف محمد کراچی کے رہنے والے تھے۔ غازی بابا کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ شہادت کے چند دن بعد انہوں نے محمد بھائی شہیدؒ کو خواب میں ایک حسین و جمیل عورت کے ساتھ دیکھا۔ انہوں نے پوچھا محمد بھائی یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ محمد بھائی شہیدؒ نے جواب دیا یہ میری بیوی ہے۔ بڑے جتن کرنے پڑے تب جا کر ہمارا نکاح ہو گیا۔ بے شک حور عینا کو پانے کے لیے انہیں بڑے جتن کرنے پڑے۔ سب سے پہلے کراچی کی پر آسائش زندگی کو لات ماری......پھر لائن آف کنٹرول کے مشکل سفر کی صعوبتیں جھیلیں......اور پھر نہ جانے کتنا عرصہ وادیٔ کشمیر کے کوہ و بیاباں میں کبھی بھوکے، پیاسے اور کبھی آبلہ پا چلتے رہے اس کے بعد اللہ نے انہیں اپنی جنت کا مہمان بنا کر حور عینا سے وصل کرایا۔ غازی بابا اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے ساتھیوں کو مشن پر روانہ کرتے تھے لیکن جدائی کا دُکھ ایک فطری بات ہے۔ ساتھیوں کی شہادت کے بعد وہ کئی دنوں تک افسردہ اور اُداس رہتے تھے۔

اسمبلی میں شہید ہونے والے بھائی عربیؒ کی شہادت کے بعد ترال میں کوٹ گھری جنگل میں شہداء کی یاد میں ایک محفل منعقد ہوئی تھی۔ اس ہائیڈ کا نام بھی عربی پوائنٹ تھا......محمد بھائی شہیدؒ پروگرام کی کمپیئرنگ کر رہے تھے انہوں نے اس موقع پر یہ اشعار پڑھے تھے۔

؎ میرے سامنے سے جو گذر گئے نظر بچا کے ابھی ابھی

وہ میرے ہی شہر کے لوگ تھے میرے گھر سے گھر ہے ملا ہوا

غازی بابا نے وہ کیسٹ ٹیپ میں لگائی تو عربی پوائنٹ پر ہونے والی پروانوں کی محفل کا ایک ایک لمحہ آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔ اس کے بعد حیدر بھائیؒ کی آواز میں یہ نظم چلی...... ''شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا'' اس نظم کے دوران حیدر بھائی شہیدؒ کی سسکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ایک شہید کی آواز میں یہ پیغام ''لہو ہمارا بھلا نہ دینا'' سن کر آنسوؤں کے بند کھل گئے...... غازی بابا خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے ساتھیو، دوستو! ہم تمہارے مشن سے وفا کرنے کا عزم اور عہد کرتے ہیں...... اور ہم تمہارے گرم خون کو کبھی نہیں بھولیں گے، آنسو ان کے چہرے کو تر کر رہے تھے اور وہ حیدر بھائی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ گنگنا رہے تھے۔ شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا...... لہو ہمارا بھلا نہ دینا......؟

بھارت کا اُسامہ

اس کارروائی کے بعد پوری وادی میں سکیورٹی سخت کر دی گئی۔ سرینگر میں ریڈ الرٹ نافذ کر دیا گیا، جگہ جگہ انڈین آرمی کے ناکے اور پکڑ دھکڑ تھی...... انڈیا کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر ایک ہی نام چھایا ہوا تھا۔ ان کے ہر دانشور اور تجزیہ نگار کی تان اس بات پر آ کر ٹوٹ جاتی تھی کہ دہلی حملے کا ماسٹر مائنڈ غازی بابا ہے...... ان حالات کے پیش نظر غازی بابا نے احتیاطاً کچھ دنوں کے لیے ترال کی طرف نکلنے کا فیصلہ کیا۔ ترال پہنچتے ہی برفباری ہو گئی لیکن زیادہ نہیں...... ایک دن ریڈیو پر یہ خبر آئی کہ غازی بابا پہلگام کے جنگلوں میں موجود ہے اور وہاں سے وہ پاکستان فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں...... فوج نے وسیع پیانے پر پہلگام کے جنگلوں کا آپریشن شروع کر دیا ہے۔ اس خبر سے ہمیں ہنسی آئی اور ہم نے کہا بیٹے تم غازی بابا کو پہلگام میں ڈھونڈتے رہو ہم تو سرینگر چلے تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتے بعد ہم واپس آ گئے...... ان ہی دنوں انڈیا پر ایک اور مصیبت پڑی کہ کوئی سرفروش دستہ بھارت کے پارلیمنٹ پر حملہ آور ہوا...... اس کارروائی نے بھارتی حکمرانوں کے چہروں پر کالک مل دی۔ انہوں نے اس حملے کا ذمہ دار جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا اور اس بات کی تصدیق نہ ہونے کے باوجود غازی بابا کو اس حملے کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا۔ اس سلسلے میں دہلی میں مقیم تین کشمیری نوجوان شوکت احمد گورو، محمد افضل گورو اور پروفیسر عبدالرحمٰن گیلانی کو شک کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا۔ دوسرے دو لوگوں کو رہا کر دیا گیا البتہ بھائی محمد افضل گورو گزشتہ آٹھ سالوں سے انڈیا کی مختلف جیلوں میں جرمِ بے گناہی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد رہائی نصیب فرمائے اور اپنے عزیز و اقارب سے ملا دے۔ (آمین)

بھارتی انٹیلی جنس نے کمپیوٹر کے ذریعے غازی بابا کا خاکہ تیار کیا اور وہ ہر اخبار میں شائع کرایا۔ وہ ایک بے ڈھنگی سی تصویر تھی جس کے نیچے یہ عبارت تحریر تھی...... ''غازی بابا...... بھارت کا اسامہ'' اس دہشت گرد کو پکڑنے والے کو کروڑوں انعام دیا جائے گا۔ غازی بابا کا نام بھارت کے منہ کا چھالا بنا ہوا تھا اور وہ سرینگر میں ان کے بیچ میں گھوم رہے تھے۔ سال 2001ء بھارت کو کئی گہرے زخم دے کر رخصت ہو گیا۔

ایثار وقربانی کی لازوال داستان

سرینگر میں ایک جگہ کا نام عیدگاہ ہے۔ وہاں شہداء کشمیر کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ ''بہشت شہداء'' نامی اس قبرستان میں ہزاروں جوان دائمی نیند سو رہے ہیں بہت پیاری اور پرسکون جگہ ہے وہاں جا کر دل سے دعاء نکلتی ہے کہ میرا آخری گھر بھی اسی جگہ بن جائے۔ مجاہدین اس جگہ کو میٹنگ پوائنٹ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

ایک دفعہ غازی بابا وہاں سے گذر رہے تھے۔ ان کی نظر چند مزدوروں پر پڑی جو اینٹیں اور پتھر اُٹھانے میں مصروف تھے۔ ایک آدمی پر نظر کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئی۔ دل میں آیا کہ اس شخص کو کہیں دیکھا ہے۔ پھر محض ایک خیال سمجھ کر آگے بڑھے۔ تھوڑا اُدور جا کر خیال آیا یہ مشتاق بھائی تو نہیں تھے۔ دو سال پہلے کے دلدوز سانحے کی یاد تازہ ہوگئی اور دل ودماغ نے گواہی دی کہ یہ مشتاق بھائی ہی ہیں۔ وہ واپس پلٹے اور مزدور کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ غریب مزدور نے سوچا کہ اس سوٹ بوٹ والے صاحب کو مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے، شاید میں نے غلط سمجھا وہ ایک بار پھر اپنے کام میں جت گیا۔ تجسس نے ایک دفعہ پھر نظر اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔ وہ شخص مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اسے بلا رہا تھا۔ اب کی بار وہ اپنے ہاتھوں سے کپڑوں پر لگی ہوئی مٹی جھاڑتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔ آپ مشتاق بھائی ہیں؟ وہ انہیں اچھی طرح پہچان چکے تھے لیکن مشتاق بھائی ابھی تک حیرانگی کے عالم میں انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ کیونکہ لمبے بالوں والا جہادی آج کسی اور روپ میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا مجھے نہیں پہچانا مشتاق بھائی......؟

اس مسکراہٹ کو وہ کیسے نہ پہچانتے۔ جہادی کی مسکراہٹ ان کی الگ پہچان تھی۔ مشتاق بھائی اُستاد جی کہتے ہوئے ان کے ساتھ بغلگیر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے اس دن کو یاد کر کے آنسو بہنے لگے۔ جوان کے اور ان کے اہل خانہ کے لیے قیامت بن کر آیا تھا۔

مشتاق بھائی کوئی مزدور نہیں تھا بلکہ راہِ حق کا لٹا ہوا ایک مسافر تھا۔ تحصیل گاندربل کے ایک خوبصورت گاؤں بادام پورہ میں ان کا اپنا گھر، زمین اور باغ تھے...... والدین نے نکاح کے بعد انہیں علیحدہ گھر بنا کر دیا۔ انہوں نے اپنے نئے گھر میں مجاہدین کے لیے خفیہ ہائیڈ بنا دی۔ ان کی نئی نویلی دلہن کو بھی اللہ نے مجاہدین کی خدمت کرنے کی سعادت اور توفیق عطاء کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ مجاہدین کے کچھ کام بھی کرتی تھیں۔ ایک دن غازی بابا نے ان سے کہا کہ ٹنگ مرگ سے سامان لانا ہے۔ بہن جی کے بھائی کے پاس کار تھی اور وہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ کام کرتے تھے...... دوسرے دن بہن جی اور ان کا بھائی ٹنگ مرگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دن ان کے گھر میں دو مجاہد زبیر بھائیؒ اور معاویہؒ موجود تھے۔ انہوں نے مشتاق بھائی کو بازار کچھ چیزیں لینے کے لیے بھیجا۔ ان کا گھر گاؤں سے ذرا فاصلے پر ایک باغ میں تھا۔ انہوں نے مجاہدین کو ہائیڈ میں جانے کا کہا اور خود بازار چلے گئے۔ ان کے واپس آنے سے پہلے آرمی نے علاقے کا محاصرہ کر کے گھر گھر تلاشی شروع کر دی۔ مشتاق بھائی کا بڑا بھائی باغ میں کچھ کام کر رہا تھا...... آرمی والوں نے ان سے پوچھا یہ کس کا گھر ہے۔ چونکہ وہ ان کے بھائی کا تھا اس لیے انہوں نے کہا میرا گھر ہے...... انہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے بھائی کے گھر میں ہائیڈ ہے اور وہاں اس وقت بھی مجاہدین موجود ہیں...... فوجی انہیں گھر کے اندر لے گئے اور کھدائی شروع کر دی۔ وہ ان کو کہتے رہے کہ ادھر کچھ بھی نہیں ہے آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ وہ گھر چونکہ بستی سے الگ تھلگ تھا اس لیے کھلی جگہوں پر آرمی والے ایمبش لگا رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی دنوں سے مجاہدین کو وہاں آتے جاتے دیکھا تھا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گھر میں خفیہ ہائیڈ ہے اس لیے وہ مکان کو جگہ جگہ سے کھود رہے تھے۔ ہائیڈ کے اندر مجاہدین خطرہ بھانپ گئے انہوں نے اندر سے ہی کئی برسٹ چلائے فوجی باہر بھاگ گئے...... پھر دوبارہ سے گھر کا محاصرہ کر لیا اور بستی کے نوجوانوں کو یرغمال بنا کر لایا گیا۔ مجاہد ہائیڈ سے باہر نکلے اور ڈٹ کر مقابلہ کیا...... بھائی مشتاق سمجھ گئے کہ یہ بجلی اسی کے آشیانے پر گری ہے۔ انہوں نے گھر کا رُخ کرنے کی بجائے کوئی اور راہ لی۔ دونوں مجاہدوں کی عمر 17-18 سال تھی۔ وہ گھر سے باہر نکل کر باغ میں پوزیشنیں لیکر لڑتے رہے اور کئی فوجیوں کو ہلاک کرنے

کے بعد عصر کے وقت جام شہادت نوش کر گئے...... بھارتی درندوں نے تین یرغمال کشمیریوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ شہید ہونے والوں میں مشتاق بھائی کے بڑے بھائی بھی تھے۔ ان کے دو چھوٹے بچے تھے...... اور وحشی درندوں نے ان بے گناہ افراد کے سرتن سے جدا کر دیئے...... اور گھر کو بارودی سرنگ سے اُڑا دیا۔

شام کے وقت بہن جی واپس آ رہی تھی۔ ان کے گاؤں کی طرف سے انڈین آرمی کا قافلہ خونی رقص کھیل کر دھول اُڑاتا ہوا واپس جا رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ان کے دل دہل گئے...... آرمی گاڑیاں گذرنے کے بعد انہوں نے ایک آدمی سے حالات دریافت کیے۔ اس نے جو کہانی سنائی اس نے دونوں بھائی بہن پر سکتہ طاری کر دیا۔ انہوں نے وہاں سے ہی گاڑی واپس موڑی اور کسی اور طرف نکل گئے۔ بہن جی کو کئی دنوں تک شوہر کا پتہ نہیں چلا دوسری طرف انڈین آرمی انہیں شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈ رہی تھی۔ کافی دنوں کے بعد میاں بیوی کی ملاقات ہو گئی اور وہ دونوں اپنے اُجڑے ہوئے آشیانے پر ایک حسرت بھری نظر ڈالے بغیر، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سرینگر چلے گئے۔ مشتاق بھائی کے پاس بیوی کو کھلانے کے لیے روٹی تھی نہ سر چھپانے کے لیے کوئی چھت میسر تھی...... ایک ماہ بعد ان کے ہاں پہلے بچے کی ولادت کا وقت آیا تو راہِ حق کے ستائے لوگ ہسپتال میں چلے گئے...... اللہ نے چاند جیسی بیٹی دے دی لیکن اس کا تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے میسر نہ تھے۔ مشتاق بھائی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی بیچ ڈالی مگر اس سے کب تک گذارہ چلنا تھا۔ ٹنگ مرگ جاتے وقت بہن جی نے اپنا سب سے قیمتی فیرن پہنا تھا...... اس کی وہی ایک قیمتی متاع ضائع ہونے سے بچ گئی تھی انہوں نے مجبوراً وہ شوہر کو بیچنے کے لیے دیا تھا...... مجبور آدمی نے کچھ دن اس کو بیچ کر گزارہ چلایا...... بہن جی کی طبیعت بہتر ہوئی تو مشتاق بھائی نے مزدوری شروع کر دی اور ایک عرصہ اس طرح اپنا اور بیوی بچی کا پیٹ پالتے رہے۔ اسی حالت میں دو سال بعد غازی بابا سے ملاقات ہو گئی۔ وہ رو رو کر ان سے شکوہ کر رہے تھے کہ آپ کہاں چلے گئے تھے، ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا پھر وہ انہیں کرائے کے ایک شکستہ حال کمرے میں لے گئے۔ جہاں ان کی اہلیہ اور لاڈلی بچی انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ ان کی خستہ حالی دیکھ کر جہادی کو بہت

دُکھ ہوا...... واپس آ کر انہوں نے مجھے ان لوگوں کی داستان سنائی...... اور کہا کہ ان کی ہمارے ساتھ بہت قربانیاں ہیں اور وہ قابل اعتماد لوگ ہیں...... یہ گھر کافی بڑا ہے انہیں میں ادھر ہی لے آتا ہوں۔ پھر ایک دن وہ انہیں لے آئے۔ میں نے بہن جی سے کہا کہ ہمارے ٹھکانے عارضی ہوتے ہیں اور ہم ہر وقت خطرے میں ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو کوئی تکلیف محسوس ہو تو برداشت کر لیجئے گا۔ اللہ پاک انہیں جزائے خیر دے۔ انہوں نے ایک بار لٹ کر ہمارا ساتھ آخری دَم تک نبھانے کا وعدہ کیا۔ پھر وہ کئی آزمائشوں سے گذر کر ہمارے ساتھ چلتے رہے۔ غازی بابا ایسے لوگوں کی قربانی اور ایثار دیکھ کر کہا کرتے تھے...... کہ یہ لوگ شہداء کا دامن پکڑ کر جنت میں چلے جائیں گے۔

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے

ہمارے نواب بازار میں پوائنٹ بنانے کے بعد اس علاقے میں کئی مرتبہ کریک ڈاؤن ہوئے......اور فوج کی موومنٹ میں غیر معمولی تیزی بھی آئی۔ ہمارے پڑوسی ہمارے لیے قدرتی رابطہ کار تھے۔ایک دن باتوں باتوں میں ان کی ایک عورت نے بتایا کہ آرمی والے کہتے تھے کہ اس علاقے میں کئی مجاہدوں کا ٹھکانہ ہے۔ہمیں اندازہ ہوگیا کہ دشمن ہمارے رابطے ٹریس کر کے چوکنا ہوگیا ہے۔ ہماری ہائیڈ کافی بڑی اور محفوظ تھی مگر اس میں اندر جانے کا راستہ بہت مشکل تھا۔غازی بابا جیسے صحت مند آدمی کے لیے زیادہ ہی مشکل تھا......اس لیے وہ زیادہ تر ہائیڈ سے باہر ہی رہتے تھے۔ میں دن رات کا بیشتر حصہ پہرہ دیا کرتی تھی......گھر کی پچھلی طرف گلی تھی بلکہ راستہ بھی اسی طرف تھا۔ میں دوسری منزل کی کھڑکی سے ان گلیوں پر نظر رکھتی تھی......اکثر آدھی نیند میں اسی کھڑکی پر بیٹھے بیٹھے کر لیتی تھی......اور کئی بار مجھے دشمن کا بروقت پتہ چلتا اور وہ ہائیڈ کے اندر چلے جاتے تھے۔جنوری 2002ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا......رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو منجمد کر دینے والی سردی نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔غازی بابا فیرن کے اندر کانگڑی رکھے آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔اچانک انہوں نے مجھے سامان تیار کرنے کا کہا۔اس دن ان کا کہیں نکلنے کا پروگرام نہ تھا۔ میں نے اچانک فیصلے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ طارق بھائی کپواڑہ اسلحہ لینے گئے ہوئے تھے۔انہیں وہاں سے نکلے آج دوسرا دن ہے۔لیکن وہ ابھی تک نہیں پہنچے ہوسکتا ہے وہ گرفتار ہوگئے ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس علاقے میں ہم نے کئی دفعہ ان سے سامان وصول کیا ہے۔ہمیں احتیاطاً یہ جگہ چھوڑ دینی ہوگی۔ آپ لوگ بھی یہاں سے نکلنے کی تیاری کرلو۔اس ٹھنڈے اور برفانی موسم میں کہیں جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔لیکن راہِ وفا کی کٹھنائیوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے تیاری پکڑ لی۔وہ ظہر کے بعد ہی بھائی کے ساتھ چلے گئے۔ہم لوگ بہن جی کے کرائے کے کمرے میں چلے گئے......بھارت

کا یوم جمہوریہ قریب آ رہا تھا۔ بھارتی فوجی ان دنوں ظلم وتشدد کی کارروائیوں میں تیزی لاتے اور پوری وادی میں کریک ڈاؤن، گرفتاریاں اور چھاپوں کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ چند ہی دن بعد طارق بھائی کی گرفتاری کی تصدیق ہوگئی......اور پھر ایک دن نواب بازار میں چھاپے کی بھی اطلاع ملی۔ یہ سب ایک ہفتے سے بھی کم وقت میں ہوا۔اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ہائیڈ کے اندر بڑا لاکھوں روپے مالیت کا اسلحہ محفوظ رہا۔ غازی بابا نے موقعہ غنیمت جان کر وقت ضائع کیے بغیر فوراً ہی ایک جانباز دستہ لیکر نواب بازار سے سامان نکالنے کا پلان بنایا۔ جب ہم نے دن دیہاڑے نواب بازار پر چھاپہ مارا تو ہمارے پڑوسی دنگ رہ گئے......ان کے لیے غازی بابا جموں کے پروفیسر''جاوید صاحب'' تھے۔انہیں اچانک اس روپ میں دیکھ کر وہ حیران ہو رہے تھے......گلیوں میں ہر طرف ساتھی کھڑے کر دیئے گئے تھے......اور ہم نے ہائیڈ سے ایک ایک چیز نکال کر اللہ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں ایک بڑے نقصان سے بچا لیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے صفا پورہ جانے کا ارادہ کیا۔ میری بے پناہ خواہش کے باوجود میں ان کے ساتھ جانے سے قاصر تھی...... وہ میرے گاؤں اور ان پیاری گلیوں میں جا رہے ہیں جنہیں دیکھے ہوئے ایک عرصہ گذر گیا تھا...... کاش! میں ان کے ساتھ جا سکتی لیکن میری اپنی مجبوریاں آڑے آ گئی تھیں...... مجھے وہ سب لوگ بہت یاد آنے لگے اور میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ جہادی کہنے لگے میں سب کو آپ کا سلام دوں گا اور جلدی واپس آؤں گا۔ میں نے آپ کے لیے ایک ایسی جگہ کا انتظام کیا ہے جہاں پر آپ کو تنہائی یا اُداسی کا احساس تک نہ ہوگا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے کہا، وہ ایک مجاہدہ بہن کا گھر ہے عبدالرحمٰن کے ان کے ساتھ گھریلو مراسم ہیں۔ وہ جہاد کا کام بھی کرتی ہیں۔ آپ کی ہم خیال ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ آپ کا دل لگا رہے گا۔ ہم نے اس کو عیدگاہ گراؤنڈ میں بلایا ہے تاکہ وہ آپ کو اپنے گھر لے جائے۔ ہم نے بہن جی سے اجازت لی اور صفا کدل کی گلیوں سے گذرتے ہوئے عیدگاہ پہنچے۔ نصرت ابھی نہیں آئی تھی ہم بہشت شہداء کے گرد گھومتے پھرتے وقت گذار رہے تھے، جہادی نے قبرستان کے بورڈ پر نظر ڈالتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری اور بولے...... بہشت شہداء...... شہیدوں کی جنت کتنا پیارا نام ہے اور کتنا پرسکون مقام ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان کی قبر وہیں بنتی

ہے جہاں کی مٹی سے اسے پیدا کیا گیا ہو۔ میری دلی خواہش ہے کہ میری مٹی اس جگہ کی ہو اور میں اس قبرستان میں دفن ہو جاؤں۔ میری خطرناک نظروں کو دیکھ کر وہ جلدی سے بولے میرا مطلب ہے، ہم دونوں کا آخری گھر اسی جگہ بنے۔

تھوڑی دیر بعد نصرت آ گئی۔ عبدالرحمٰن نے اس کو بتایا یہ میری بہن ہیں ان کا خاص خیال رکھنا۔ وہ لوگ وہاں سے ہی گاندربل کی طرف نکلے اور میں نصرت کے ساتھ...... راستہ بھر میں سوچتی رہی کہ یہ لڑکی نہ جانے کون ہے اور کیسی ہوگی۔ گھر پہنچ کر جب اس نے برقعہ اُٹھایا تو وہ شربتی آنکھوں والی پیاری سی لڑکی میرے دل میں اُتر گئی۔ اور وہ آج بھی میرے دل میں رہتی ہے۔ نصرت کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھر سے تھا۔ اپنی بیوہ ماں اور بھائی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس سیدھی سادھی اَن پڑھ لڑکی کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ وہ بے حد حسین ہے اور جس راستے پر وہ چل پڑی ہے اس کے ہر موڑ پر راہزنوں اور عزت کے لٹیروں کے ٹولے ہیں۔ وہ اَن پڑھ تھی لیکن انتہائی ذہین اور سمجھدار تھی۔ اُردو بھی اچھی بول لیتی تھی ان کے گھر کے قریب ہی اس کے ماموں رہتے تھے وہ لوگ بھی مجاہدین کے پکے حمایتی تھے۔ ماموں زاد بہن رابعہ، نصرت کے ساتھ جہاد کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتی تھی۔ نصرت اور رابعہ میری ہم عمر ہی تھیں۔ تھوڑے ہی وقت میں ہماری آپس میں گہری دوستی ہوگئی...... اس کے علاوہ جہاد کے کاموں میں بھی وہ میری مددگار بنیں...... ان دونوں بہنوں اور ان کی عظیم ماؤں کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں...... انہوں نے مجھے اپنوں کی طرح محبت دی...... اور ہر مشکل میں سہارا دیا...... اللہ تعالیٰ ان سب کی حفاظت فرمائے۔

نصرت کے گھر چند دن رہ کر یوں لگا گویا میں اپنے گھر میں آ گئی ہوں۔ اس کے بعد میں دوبارہ بہن جی کی طرف چلی گئی۔ برفباری ہو چکی تھی اور سڑکوں پر مشکل سے گاڑیاں چلتی تھیں...... غازی بابا نے مشتاق بھائی کے سپرد ایک کام کیا تھا اس کے حوالے سے معلومات کرنی تھی۔ میر اطوبیٰ کے ذریعے ان کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔ ان دنوں انڈیا نے مجاہدین کے خلاف ٹی وی پر ایک ڈرامہ چلایا تھا۔ جس میں ایک لڑکی کو مجاہدین کا رابطہ کار دکھایا گیا تھا...... وہ سیٹ کے

ذریعے مجاہدین کو دشمن کے نکلنے کی اطلاع دیتی ہے اور مجاہد راستے میں گھات لگا کر فوج پر حملہ کر دیتے ہیں...... فوجی عوام پر تشدد کر کے اس لڑکی کو حوالے کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں...... عین انہی دنوں کہیں میرا رابطہ ٹریس ہوا وہ آر۔آر کا بڑا کیمپ تھا۔ انہوں نے وہی ٹی وی والا انداز اپنا کر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور کہا یہاں جو لڑکی رابطہ کرتی ہے اس کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ سب کی شامت آئے گی...... آرمی نے مشکوک گھروں پر چھاپے مارے اور نئے آنے والوں کی تحقیق شروع کر دی۔ میں نے بہن جی سے کہا کہ میری وجہ سے آپ کے لئے بھی پریشانی بن جائے گی۔اس لیے میں یہاں سے چلی جاتی ہوں...... نصرت کا گھر میرے لیے تپتے صحراء میں ٹھنڈی چھاؤں کی مانند تھا اس لیے میں وہاں سیٹ بہت کم استعمال کرتی تھی تا کہ وہ جگہ محفوظ رہے۔اس وجہ سے میں نے وہاں کے بجائے تتلی پوائنٹ کا رُخ کیا۔ آفتاب بھائی کی ہمشیرہ کا گھر ہمارا میٹنگ پوائنٹ تھا۔ لیکن بوقت ضرورت ایک آدھ دن ٹھہرا بھی جا سکتا تھا۔ آفتاب بھائی کی وجہ سے وہ لوگ غازی بابا کو پہچانتے تھے۔ کشمیر میں جہاں لوگ غازی بابا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بیتاب رہتے تھے وہیں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ان سے جن بھوت کی طرح ڈرتے تھے۔ وجہ تھی بھارتی فوج کی سنگین دھمکیاں۔ پے در پے خوفناک کارروائیوں کے بعد انڈیا کو مجاہدین کی ہر کارروائی کے پیچھے غازی بابا کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ یہ نام ان کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔ اخبارات میں اور سرینگر کے گلی کوچوں میں جگہ جگہ یہ دھمکی آمیز اشتہارات چسپاں کر دیئے گئے تھے...... کہ غازی بابا کو پناہ دینے والوں کو اہل و عیال سمیت زندہ جلا دیا جائے گا...... تتلی پوائنٹ پر پہنچتے ہی میں نے دن کے ایک بجے ان سے رابطہ کیا...... اور تمام حالات میٹرکس کے ذریعے بتا دیئے۔ انہوں نے مجھے پیغام دیا کہ میں اسی جگہ ان کا انتظار کروں وہ رات کسی بھی وقت وہاں پہنچ آئیں گے۔ بہن صاحبہ نے میرا پر جوش استقبال کیا۔ بہنوئی صاحب کو بھی میری موجودگی پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن غازی بابا کی آمد کا سن کر وہ گھر سے باہر چلے گئے...... کشمیری بیچارے بھی کیا کریں انڈین آرمی کے ظلم نے انہیں اس قدر خوفزدہ کر دیا ہے کہ بعض لوگ ڈر کے مارے مجاہدین کا ساتھ نہیں دیتے۔

عصر کے وقت بارش ہونے لگی اور موسم برفباری کا موڈ بنا رہا تھا...... بارش کا موسم تو میرا

پسندیدہ موسم ہے..... میں اکثر بارش ہونے کی دُعاء مانگا کرتی تھی اور غازی بابا مجھے منع کرتے رہتے تھے..... کہ جانے ساتھی کہاں کہاں سفر میں ہوں گے ہمیشہ بہتری کی دعاء کیا کرو۔ اس شام مجھے بارش کا ہونا انتہائی ناگوار گذر رہا تھا..... اور میں سوچ رہی تھی کہ واقعی بلا سوچے سمجھے کوئی دُعاء نہیں کرنی چاہیے..... میں گرم کمبل میں کانگڑی لئے آرام سے بیٹھی ہوئی ہوں، وہ اور نہ جانے کتنے مجاہدین سفر میں ہوں گے..... مجھے اس پر ندامت کا احساس ہو رہا تھا..... انتظار کے لمحات اکثر طویل ہو جاتے ہیں..... میں نے اپنی ڈائری نکالی اور انتظار کا صبر آزما وقت اس کے ساتھ گذارنے لگی..... اس دن میں نے ڈائری کے صفحے پر یہ شعر لکھا تھا۔

؎ اے ابرِ کرم تھم تھم کے برس اتنا نہ برس کہ وہ آنہ سکیں

جب آ جائیں تو جم کے برس پھر اتنا برس کہ وہ جا نہ سکیں

عشاء کے بعد وہ اسی حالت میں پہنچے کہ سر سے لیکر پاؤں تک بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کی جیکٹ لے لی اور ان کے جوتوں کے تسمے کھولنے لگی..... یہ کام ہمیشہ میں ہی کرتی تھی۔ بہن جی مجھے حیرت سے دیکھنے لگی..... انہیں کیا معلوم تھا کہ میرے دل میں غازی بابا کا کیا مقام ہے..... اور بیوی پر شوہر کی خدمت فرض بھی ہے اور اَجر و ثواب کا باعث بھی...... اکثر دنیاوی عورتیں شوہر کے ساتھ برابری والا معاملہ رکھتی ہیں اس لیے انہیں وہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا..... غازی بابا کے ساتھ تو میرا رشتہ ہی کچھ اور تھا۔ ہاں ان کے ساتھ پہلے عقیدت و احترام کا رشتہ تھا پھر خلوص و محبت کا..... وہ میرے شوہر ہی نہیں، میرے اُستاد اور میرے امیر بھی تھے..... ان کے ساتھ میرے کئی رشتے تھے..... اور وہ مجھے دُنیا کی ہر شے اور ہر رشتے سے عزیز تر تھے..... ان کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مجھ سے دور جاتے تو ان کی ایک ایک چیز کو سنبھالتے ہوئے میں اس کو بوسہ دے دیتی تھی..... اور اسلحے سے لیکر جوتے تک بھی..... کیونکہ ان سے منسوب ہر چیز سے مجھے محبت تھی..... ان کی زندگی میں یہ خیال مجھے پہروں رُلا دیا کرتا تھا کہ کبھی مجھے ان کے بغیر جینا پڑا تو کیا ہوگا..... اللہ جانے یہ وسوسہ میرے دل میں کیوں آتا تھا۔ کئی بار ان کی غیر موجودگی میں ان سے بچھڑنے کے تصور نے بے طرح رُلا دیا۔ جب انہیں اس

بات کا پتہ چلا تو ہنس پڑے اور بولے عجیب پاگل پن ہے۔ میں ٹھیک ٹھاک ہوں اور تم رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ انہیں معلوم تھا کہ جہاد سے رشتہ جوڑنے اور غازی بابا کی رفاقت کے بعد تمام دُنیاوی رشتوں سے میں دُور ہوگئی ہوں...... اور اب میری ساری نسبتیں انہی سے ہیں۔

پھر وہ محبت سے کہنے لگے...... تم پریشان نہ ہو میں ہر وقت اللہ سے دُعاء کرتا ہوں کہ وہ تمہیں میرے حوالے سے کبھی نہ آزمائے...... تم بھی اس دُعاء کو معمول بناؤ کہ اللہ ہمیں ایک ساتھ شہادت نصیب فرمائے۔

رات ہم نے تتلی پوائنٹ پر بسر کی۔ اگلے دن عرفہ تھا بہن صاحبہ اور بچوں کا اصرار تھا کہ ہم عید ان کے ساتھ کریں۔ لیکن بھائی صاحب کا فرار پریشانی کا باعث تھا۔ دوسرا وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب بھی نہ تھا...... نو، دس بجے کے قریب ہم وہاں سے نکل گئے اس دن ابورہ آلودہ ہی تھا۔ ہمارے نکلتے ہی برفباری شروع ہوگئی، جہادی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکل گئے اور مجھے بہن جی کے گھر پہنچنے کا کہا...... انکا گھر چھتہ بل میں تھا اور چھانہ پورے سے کافی فاصلے پر بھی...... وہاں پہنچنے تک برفباری میں شدت آگئی...... سڑکوں پر فوراً ہی برف جمع ہوگئی...... بہن جی والے گھر میں موجود نہیں تھے اور جہادی بھی نہیں پہنچے تھے...... میں ان کے انتظار میں برف میں گھومتے پھرتے وقت گزار رہی تھی...... پاؤں سردی سے اکڑ گئے اور برف اتنی موٹی موٹی گر رہی تھی کہ اگر میں ساتھ ساتھ برقعہ جھاڑتی نہ رہتی تو برف کا تودا نظر آتی...... اسی حالت میں ایک گلی میں جہادی مجھ سے آملے میں نے انہیں بتایا کہ وہ لوگ گھر میں نہیں ہیں۔ ہم ادھر سے ہی واپس ہوئے...... میری خواہش تھی ہم عید اکٹھے گذاریں لیکن قسمت ساتھ نہیں دے رہی تھی...... سرینگر میں ہمارے کئی مضبوط اور محفوظ ٹھکانے موجود تھے۔ لیکن ایک ساتھی کو تمام ٹھکانوں پر نہیں لے جایا جاتا تھا تاکہ اگر خدانخواستہ وہ گرفتار ہو جائے تو ساری ہائیڈیں غیر محفوظ نہ ہو جائیں...... میں غازی بابا کے سب سے قریب تھی اس کے باوجود مجھے ان کے تمام ٹھکانوں کا علم نہیں تھا...... بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ میں نصرت کے گھر جا کر عید گذاروں اور وہ ساتھیوں کے پاس گذاریں گے...... میں نے نصرت کو فون کر کے عیدگاہ آنے کا کہا......

اس کے آنے تک ہم نور باغ صفا کدل کی گلیوں میں گھومتے رہے یہ علاقہ اس وقت بالکل پاک صاف یعنی بنکروں سے آزاد تھا..... اس طرف دو کانیں بھی نہ ہونے کے برابر تھیں..... شدید سردی اور برفباری کی وجہ سے لوگ گھروں کے اندر دبکے بیٹھے تھے..... ہم دونوں ان سنسان اور ویران گلیوں میں پھر رہے تھے..... جہادی کے پاس ایک ''لنگڑی'' چھتری تھی..... وہ مجھے بچانے کی کوشش میں خود بھیگ جاتے اور میں ان کے بجائے خود بھیگنا پسند کرتی تھی..... اس ایثار و قربانی والے جذبے نے ہم دونوں کو ہی بھگو کے رکھ دیا۔ ہم اپنی حالت پر خوب ہنسے اور اس بات پر بھی کہ ابھی تک ہم نے چھتری کیوں نہیں خریدی..... قریب سے ایک دکان تلاش کر کے ہم نے چھتری خریدی..... جہادی نے پرانی چھتری خود رکھی اور نئی مجھے دے دی..... وہ دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا ہم صبح سے ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں اور برفباری میں پیدل چل رہے تھے..... اور سرتاپا بھیگ چکے تھے..... لیکن ان کی موجودگی سے نہ مجھے سردی کا احساس تھا اور نہ تھکاوٹ کا..... ہم ایک مرتبہ پھر عیدگاہ گراؤنڈ میں کھڑے تھے..... اور سوچ رہے تھے کہ کسی دن ہم بھی ان خوش نصیب روحوں کے درمیان بہشت شہداء میں مزے سے سو رہے ہوں گے..... تب یہ ساری پریشانیاں بھول جائیں گے۔ جہادی میری طرف دیکھ کر مسکرائے کیونکہ میں جیسے ڈل جھیل سے غوطہ لگا کر نکلی تھی..... پھر وہ مسکراتے ہوئے یہ نظم گنگنانے لگے۔

راہ وفا میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

نصرت میری حالت دیکھ کر ششدر رہ گئی ان دنوں میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ مجھ پر برس پڑی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ کو اپنا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ پھر دھکے سے مجھے رکشے میں بٹھایا گھر پہنچ کر کئی کمبلوں کے نیچے دبا کر چاروں طرف کانگڑیاں رکھ دیں..... اگلے دن عیدالاضحیٰ تھی جہادی کے بغیر عید کی خوشیاں ادھوری تھیں..... پھر بھی میں نے اپنے چہرے پر مسکراہٹیں سجا کر رکھیں۔ کیونکہ غازی بابا عید کے پیغام میں ساتھیوں کو خوش دلی سے عید

منانے کی تلقین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مجاہدین اپنے گھروں سے دُور رہ کر غمگین اور پریشان رہتے ہیں۔ ہم اللہ کے راستے میں اور اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے ساتھ عید منا رہے ہیں...... یقیناً اس سعادت پر ہمیں خوش ہونا چاہیے''۔ دوپہر کے وقت رابعہ کے گھر ان کا فون آیا...... میں نے ان کو عید کی مبارکباد دے کر پوچھا آپ نے کھانا کھایا؟ وہ بولے نہیں...... کیا عید گاہ میں لے آؤں؟ وہ ہنس پڑے اور بولے دراصل ابھی ہم نے قربانی نہیں کی اس لیے کھانا نہیں کھایا، میں سمجھ گئی کہ کسی بھارتی فوجی کی شامت آ چکی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ مجاہدین نے عید گاہ کے قریب برار یہہ پورہ میں ایک فوجی کو ہلاک کیا اور اس کی سروس رائفل بھی لے گئے...... عید کے آٹھویں روز ہماری ملاقات ہوئی اور میری عید ہوئی۔

ہر مشکل کے بعد آسانی

راہ جہاد میں جب کبھی مشکلات پیش آتی تھیں تو غازی بابا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''ان مع العسر یسرا'' سنا کر ہمیں حوصلہ دیتے تھے۔ جس طرح ہر اندھیری شب کے بعد ایک روشن صبح نمودار ہوتی ہے اسی طرح ہر مشکل کے بعد آسانی کا دور بھی آجاتا ہے۔ اسی طرح جب کچھ وقت آرام وسکون کے ساتھ بنا کسی ٹینشن کے گزرتا تو وہ ہمیں خوب استغفار کرنے کا کہتے...... مشکل حالات انہیں پریشان نہیں کرتے لیکن جب آسانی کا دَور آتا تو وہ بہت فکرمند ہوجاتے اور کہتے تھے کہ اس آرام وسکون کے بعد کوئی بڑی آزمائش نہ آئے...... نواب بازار والی ہائیڈ ایکسپوز ہونے کے بعد ہم نے دوتین ماہ تنگی میں ہی گذارے۔ پھر اللہ نے آسانیاں پیدا فرمادیں اور شہیدوں کے پڑوس عیدگاہ کے ساتھ ہی ہماری ایک ہائیڈ بن گئی...... آفتاب بھائی نے نواب بازار والے مکان سے ہمارا حصہ واپس کردیا ادھر مشتاق بھائی نے گاؤں سے کچھ زمین بیچ کر سرینگر میں گھر لینے کا فیصلہ کرلیا اور سکہ ڈافر میں دو کمروں کا چھوٹا سا گھر لے لیا گھر کے اندر ہائیڈ بنانے کا موقعہ نہ تھا اس لئے ہم نے صحن میں باتھ روم تعمیر کر کے اس کے اندر ہائیڈ بنادی۔ اس وقت وہ علاقہ کچھ پرسکون ہی تھا۔ اس لیے ہائیڈ میں جانے کی نوبت کم ہی آتی تھی...... عیدگاہ قریب ہونیکی وجہ سے اور بھی کئی فوائد تھے...... مثلاً سامان وصول کرنا یا سپلائی کرنا اور ساتھیوں کو آنے جانے میں بھی آسانی تھی۔

ان دنوں غازی بابا انڈیا کے اندر ایک کارروائی کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس کام کے لیے بانڈی پورہ کے ذمہ دار ساتھی احمد بھائی ہمارے پاس آئے...... انہوں نے دہلی جاکر ٹارگٹ کا انتخاب وغیرہ کرنا تھا...... اور سب کام فائنل کر کے مزید ساتھی روانہ کرنے کے بعد کارروائی کرنی تھی...... احمد بھائیؒ چند دن ہمارے مہمان رہے۔ ان کے پاس میلے کپڑوں کا ایک بیگ

بھرا ہوا تھا۔ میں نے وہ سب کپڑے دھو کر اور استری کر کے ان کا بیگ تیار کیا......اور وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

ہمارے تمام ٹھکانوں کے کوڈ نام ہوتے تھے۔ جو بوقت ضرورت سیٹ پر استعمال کیے جاتے تھے......اس جگہ کا نام ''مائک ڈیلٹا (M.D)'' تھا۔

ایس ٹی ایف کا مسکن شعلوں کی زد میں

فدائی حملہ

ایک دن دو ساتھیوں نے ایس ٹی ایف کی رہائشی کالونی پر فدائی حملہ کرنا تھا۔غازی بابا دن کے وقت ایک جگہ ساتھیوں کو کچھ ہدایات دے رہے تھے...... وہ قمر وادی چوک میں کھڑے تھے اور آرمی اچانک ان کے سر پر آ گئی...... فدائین ساتھی دیکھنے میں بالکل کشمیری نہیں لگ رہے تھے...... آرمی خواہ مخواہ پوچھ تاچھ کرنے نہ بیٹھ جائے غازی بابا نے موقع محل دیکھ کر خالص بہاریوں والا انداز اپنا کر کہا''۔ ارے تیرے کو بولا تھا نا آج سلیب ڈالنی ہے۔ یہ راجو کدھر مر گیا ہے سالا...... میں مزدور لیکر گھوم رہا ہوں میرا سارا دیہاڑی خراب کر دیا''۔فوجی انہیں انڈیا سے آئے مزدور سمجھ کر نظر انداز کر کے آگے بڑھے......اور غازی بابا نے اپنے شاہینوں کو ہدف کی طرف روانہ کر دیا۔خود وہ M.D پوائنٹ پر آ گئے...... عصر کے وقت ساتھی بلڈنگ میں داخل ہو گئے۔بمنہ کا علاقہ ہمارے M.D پوائنٹ کے بالکل سامنے پڑتا تھا۔ زوردار دھماکوں کی آواز کے علاوہ اپنے مکان کی چھت سے بلڈنگ سے اُٹھنے والے دھویں کے بادل ہمیں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ہم سب نے نوافل پڑھ کر مجاہدین کے لئے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں۔اس کارروائی میں بھائی صلاح الدینؒ اور سہیل بھائیؒ شامل تھے...... یہ معرکہ تمام رات جاری رہا، سہیل بھائی اس معرکے میں جام شہادت نوش فرما گئے......اور بھائی صلاح الدین نے موقعہ پا کر نکلنے کا ارادہ کیا اس وقت اندر افراتفری کا عالم تھا۔وہ رات کے اندھیرے میں ایک درخت پر چڑھ کر خاموشی سے بیٹھے رہے اور فجر کے وقت انہیں موقعہ ملا اور وہ بحفاظت نکل آئے...... اس کارروائی میں کئی ایس ٹی ایف اہلکار ہلاک ہو گئے۔

دو خواب......

غازی بابا دوسرے معاملات کی طرح خوابوں کے معاملے میں بھی احتیاط سے کام لیتے تھے...... ہمارا فجر کے بعد خواب سننے سنانے کا معمول بھی تھا۔ اگر خواب اچھا معلوم نہ ہوتا تو نوافل پڑھ کر خوب استغفار اور دعائیں کی جاتی تھیں...... ہر خواب کی تعبیر نہیں ہوتی لیکن بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں......اور بعض دفعہ ہمیں محض خواب کی وجہ سے خطرے کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ بہر حال جو بات تقدیر میں لکھی ہوتی ہے وہ ہو کر ہی رہتی ہے۔

اپریل 2002ء کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ سرینگر میں بھارتی فوج کی گردن مجاہدین کے ہاتھوں میں یوں جکڑی ہوئی تھی جیسے چوہے دان کے اندر چوہا جکڑا جاتا ہے۔ مجاہدین کے لئے ہر کام پر اللہ کی نصرتیں اُتر رہی تھیں اور بہت خوب کام ہو رہا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ غازی بابا کے بازو میں دو گولیاں لگی ہوئی ہیں، زخم سے تھوڑا تھوڑا خون بہہ رہا ہے اور وہ کافی پریشان نظر آ رہے ہیں۔ وہ کسی حد تک خوابوں کی تعبیر بتانا بھی جانتے تھے لیکن میرا خواب سننے کے بعد انہوں نے کہا اللہ رحم فرمائے گا آپ نفل پڑھ کر خصوصی دعاء کرنا۔ چند ہی دنوں کے بعد میں نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک باغ کے اندر سرخ رنگ کے بڑے بڑے گلاب ہیں۔ پھولوں کی دلکشی مجھے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے...... جب میں باغ کے قریب جاتی ہوں تو اس کے ہر طرف خاردار تار لگی ہوتی ہے اور اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ دل میں ایک پھول حاصل کرنے کی خواہش مچل رہی ہوتی ہے اور میں تار کو اُوپر نیچے کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتی ہوں...... تھوڑی سی تگ و دو کے بعد میں اندر داخل ہو جاتی ہوں لیکن خاردار تار مجھے زخمی کر دیتی ہے۔ زخم سے خون بہنے لگا اور میں اس کی پرواہ کیے بغیر ایک پھول توڑ کر اسی جگہ سے واپس نکل آتی ہوں اور واپسی کے دوران بھی مجھے گہرا زخم لگ جاتا ہے...... لیکن ایک خوبصورت پھول میرے ہاتھ میں ہے۔

ہماری بیٹی سیرت فاطمہ کی ولادت سے ایک ہفتہ پہلے ڈاکٹر نے مجھے ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ گوریلا جنگ میں ہر کام رازداری کے ساتھ کرنا پڑتا ہے اس لیے میں نے ڈاکٹر کو کبھی نہیں بتایا تھا کہ میرا تعلق مجاہدین سے ہے، اس نے مجھے سرینگر کے ایک مشہور و معروف ہسپتال میں جانے کا مشورہ دیا۔ کشمیر کا ہر چھوٹا بڑا ہسپتال، ہسپتال سے زیادہ فوجی کیمپ دکھائی دیتا ہے۔ ہر ہسپتال کے گیٹ پر بنکر بنے ہوتے ہیں اور آنے جانے والا ان کی نظروں میں رہتا ہے۔ میرا وہاں رہنا مشکل تھا۔ اس نے مجھے خوب ڈرایا کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ خون کا گروپ بھی O.Neg ہے اس لیے آپ لازمی داخل ہو جائیں۔ میں نے اسے حقیقت سے ملتی جلتی ایک کہانی سنائی کہ میرا شوہر مجاہد ہے۔ ہم ترال کے رہنے والے ہیں گھر پر روزانہ چھاپے پڑ رہے ہیں اس لیے ہم روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کئی مجبوریوں کے سبب میں اس ہسپتال میں داخل نہیں ہوسکتی وہ ڈاکٹر ضرور تھی مگر اس کے علاوہ کشمیری بھی تھی۔ یہ کہانی سن کر اسے میرے ساتھ ہمدردی ہوگئی، پھر اس نے مجھے کہا کہ آپ میرے فلاں ہسپتال میں آ جائیں...... وہاں آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میں آپ کا بھرپور خیال رکھوں گی...... میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی طرح بھی جان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے اس لیے کہا ٹھیک ہے میں گھر سے کچھ ضروری سامان وغیرہ لے آؤں...... اس نے مسکرا کر مجھے رخصت کیا اور کہا کہ کل شام وہ مجھے اسی ہسپتال میں ملے گی...... وہاں سے میں سیدھا مائک ڈیلٹا (M.D) پوائنٹ پر چلی گئی اور غازی بابا کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ سب سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ میں نے ان سے کہا آپ پریشان نہ ہوں ان ڈاکٹروں کا کام ہی یہی ہے ورنہ ان کا کاروبار کیسے چلے گا۔ وہ کہنے لگے سعدی! میرے خیال میں آپ بہن جی کو ساتھ لیکر چلی ہی جاؤ۔ میں شروع ہی سے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں سے خائف رہتی تھی بلکہ مجھے ہسپتالوں سے نفرت تھی۔ ان کی بات نے مجھے پریشان کر دیا...... مجھے پریشان دیکھ کر وہ بولے ایک ساتھی نے خواب میں میرا بستر جلتے ہوئے دیکھا ہے اس خواب کی تعبیر نے مجھے پریشان کر دیا ہے......اور تمہارا خواب بھی پریشان کن ہے...... میرے دماغ میں ایک دھماکہ سا ہوا وہ خواب تو میں بھول ہی گئی تھی۔ ایک پھول

کے حصول کے لیے زخمی ہو جانا۔ میری سمجھ میں بھی کچھ کچھ آ رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے ہسپتال نہ جانے کی ضد پکڑ لی۔

ڈھائی سالہ دور رفاقت میں بس یہی ایک موقعہ تھا جب میں نے ان کی بات ٹال دی۔ وہ چاہتے تو اپنی بات منوا بھی سکتے تھے لیکن انہوں نے بھی اس پر اصرار نہ کیا...... دراصل اللہ پاک کی طرف سے ایک بڑی آزمائش کا فیصلہ ہو چکا تھا...... اور اس کے لیے راہ ہموار ہو رہی تھی...... پھر یہ طے ہوا کہ اگلے دن میں نصرت کے گھر چلی جاؤں گی۔ دوسرے دن جب میں جانے کی تیاری کر رہی تھی تو کئی وسوسے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں غیر معینہ مدت کے لیے جہادی سے دُور جا رہی تھی۔ ان سے دُور جا کر مجھے سب سے زیادہ اس بات کی فکر ہوتی تھی کہ انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ جبکہ ساتھ رہ کر یہ اطمینان ہوگا کہ جو کچھ بھی ہوگا اکٹھے ہی ہوگا۔ بوقت جدائی دل تو میرا بھی اُداس تھا لیکن ان کے چہرے پر چھائے حزن و ملال کے سائے کچھ زیادہ ہی گہرے تھے۔ ان کی پریشانی کی سب سے بڑی وجہ میرا غیر مسلح ہونا تھا...... حالات کے تقاضے کے مطابق انہوں نے مجھ سے پسٹل اور گرنیڈ بھی لے لیا۔ سیٹ پہلے ہی سے بند تھا اس لیے وہ بھی ساتھ نہیں تھا۔ یہ تینوں چیزیں کہیں بھی جاتے وقت برقعے کے اندر میری کمر کے ساتھ بندھی ہوتی تھیں۔ مجاہد کا شہید ہونا سعادت ہے لیکن گرفتار ہو جانا بہت بڑی آزمائش ہوتا ہے۔ انہوں نے مجھے کچھ نصیحت کی اور دعاؤں کے سائے میں رخصت کر دیا۔

میں غمگین دل لیے نصرت کے گھر چلی گئی...... وہاں پہنچ کر اماں جی کی بے لوث محبت اور نصرت کی مسکراہٹوں نے میرے دل کو کافی سہارا دیا۔ وہ رابعہ کے گھر فون کر کے میری خیریت دریافت کرتے رہتے تھے کیونکہ نصرت کے گھر میں فون نہیں تھا۔ فون پر وہ اپنا نام مشتاق بتاتے اور خالص کشمیری میں مختصر سی بات کر کے فون بند کر دیتے تھے۔ 12/اپریل ہفتے کا دن تھا۔ اس دن شام سات بجے انہوں نے مجھے فون پر بلایا تھا۔ عصر کے بعد میں نصرت کے ساتھ رابعہ کے گھر چلی گی۔ ان کا بھائی سخت بیمار تھا اور کئی دنوں سے ہسپتال میں داخل تھا۔ رابعہ بڑے بھائی کے ہمراہ ہسپتال جا رہی تھی۔ گاڑی اپنی ہی تھی نصرت کہنے لگی کہ میں بھی ہو آتی ہوں واپسی پر

گھر چلیں گے۔ سات بجنے سے کچھ دیر قبل فون کی گھنٹی بج اُٹھی...... میں سوچنے لگی کہ آج خلافِ عادت انہوں نے وقت سے پہلے فون کیا۔ کیونکہ جہادی وقت کے پابند تھے۔ چھوٹی بہن نازو نے فون اُٹھایا اور مختصر سی بات کر کے فون بند کیا...... میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ تیمور بھائی تھے۔ دیدی اور نصرت آپی کا پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا وہ گھر پر نہیں ہیں وہ بہت پریشان لگ رہے تھے۔ اللہ جانے کیا بات ہے۔

تیمور ایک مقامی ساتھی تھا اور زیادہ تر بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہوتا تھا۔ نصرت اور رابعہ عبدالرحمٰن کے ذریعے ہی جہاد کا کام کرتی تھیں اور بھائی اکثر تیمور کو کسی کام سے ان کے گھر بھیج دیتے تھے۔ میں نے اس فون کال کو اسی سلسلے کی کڑی سمجھ لیا۔ ٹھیک سات بجے جہادی کا فون آیا...... اور حال احوال پوچھنے کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔ نصرت وغیرہ واپس آئے تو ہم سب نے ''نون چائے'' پی۔ آنٹی کے ہاتھ کی بنی نون چائے غضب کی ہوتی تھی۔ چائے کے دوران گپ شپ بھی ہو رہی تھی۔ میں نے رابعہ سے بھائی کا حال احوال پوچھا۔ ہسپتال کا ذکر چلا تو وہ کہنے لگیں آج ہسپتال میں ہر طرف فوج ہی فوج تھی وہ کسی زخمی مجاہد کو ڈھونڈ رہے تھے اور ایک ایک مریض کو چیک کر رہے تھے۔ اس وقت ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس زخمی کے ساتھ ہمارا کتنا گہرا تعلق ہے اور کل کا سورج ایک بڑی آزمائش کا پیغام لیکر طلوع ہو گا۔ صبح آٹھ بجے رابعہ اس حال میں میرے پاس آئی کہ اس کے چہرے پر صحیح معنوں میں ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں...... میں نے اس کے بھائی کی خیریت پوچھی کیونکہ وہ ان دنوں اس کے حوالے سے سخت پریشان تھے۔ وہ بیٹھی بیٹھی آواز میں بولی عرفان تو ٹھیک ہے۔ تیمور کا فون آیا تھا اس نے آپ کو قمر وادی گراؤنڈ میں بلایا ہے۔ اس کی بات پر میں حیران ہوئی کیونکہ میرا تیمور سے کوئی رابطہ تھا اور نہ ہی میں نے اس کو کبھی دیکھا تھا۔ میں اس کو صرف نام کی حد تک جانتی تھی۔ اسے مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ وہ کہہ رہا تھا کہ بھیا (عبدالرحمٰن) شدید زخمی ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے آپ کا پتہ بتایا اور آپ آنے میں بالکل تاخیر نہ کریں۔ اس بات نے مجھے سخت پریشان کر دیا۔ میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ کہیں جہادی کسی مشکل میں تو نہیں ہیں اور یہ لوگ مجھے

بھیا کا بتا رہے ہیں یہ خیال آتے ہی میں نے تمام مصلحتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے برقعہ سنبھالا۔ دونوں بہنیں بھی تیار ہو گئیں۔ اماں جی کہنے لگیں میں آپ کو اس حالت میں نہیں جانے دوں گی۔ نصرت اور رابعہ جا کر پتہ کر آئیں گی۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے ان سے التجا کی کہ وہ مجھے نہ روکیں کیونکہ ان سب کو میری مجبوریوں کا علم ہے بھیا مجھے بلاوجہ نہیں بلاتے۔ ضرور کوئی خاص واقعہ ہوا ہے۔ اماں جی معاملے کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے خاموش ہو گئیں اور ہمیں دعائیں دیکر رخصت کیا۔ تیمور نے ہمیں قمر وادی پارک میں بلایا تھا وہاں تک کم وبیش ہمیں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس وقت ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ وقت کتنا قیمتی ہے ان چند لمحوں کے ساتھ کسی کی زندگی اور آزادی وابستہ ہے۔ تیمور پارک میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا ہمیں دیکھ کر وہ تیزی سے ہمارے قریب آیا۔ اس کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ گویا وہ تمام رات روتا رہا ہو۔ نصرت نے اس کی خستہ حالی کا سبب پوچھا تو وہ سچ مچ رو پڑا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ مرد اور مجاہد ہو کر روتا ہے۔ کس قدر چھوٹے دل کا مالک ہے یہ...... لیکن اس نے جو کہانی سنائی اس نے میرے خیالات کو یکسر غلط ثابت کر دیا اس کا دل ہرگز چھوٹا نہ تھا بلکہ وہ افتاد ہی اتنی بڑی تھی جس نے پوری تنظیم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

B.S.F کیمپ پر حملہ اور قندھاری کی گرفتاری

عبدالرحمٰن قندھاری کا پیچھے تھوڑا بہت تعارف ہو چکا ہے جو میرے خیال میں ناکافی ہے۔ کیونکہ وہ ایسا مجاہد تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں اپنا خوبصورت مستقبل چھوڑ کر راہ جہاد کا انتخاب کیا۔ وہ انتہائی زیرک، بہادر اور جنگجو انسان تھے۔ انڈین آرمی کو شدت سے ان کی تلاش تھی لیکن اپنی بہترین عسکری حکمت عملی کے سبب وہ سرینگر کی گلیوں میں یوں بے خوف وخطر پھر رہے تھے جس طرح کوئی اپنے گھر کے صحن میں بے فکری سے گھومتا ہے۔ وہ ایک الگ طبیعت رکھتے تھے انتہائی سخت مزاج اور شدت پسند ہونے کی وجہ سے کوئی کوئی ساتھی ہی ان کے ساتھ رہنا پسند کرتا تھا۔ اسلحے کو ایک لمحے کے لیے بھی خود سے الگ نہیں کرتے تھے بلکہ اس بات پر غازی بابا کو بھی تنبیہ کرتے تھے کہ واش روم میں بھی پسٹل ساتھ رکھنا چاہیے...... غازی بابا کو ایسی سخت گیر پالیسی رکھنے والے لوگ بہت پسند تھے وہ کہتے تھے مجاہد کو ایسا ہی ہونا چاہیے بالکل ہوشیار اور چاق وچوبند...... بھائی عبدالرحمٰن کو بھی ہر وقت دشمن پر حملہ کرنے کی دھن سوار رہتی تھی۔ وہ ایک ہی دن میں کئی کیمپوں پر اکیلے ہی چڑھائی کر دیتے تھے البتہ تیمور کو ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ جوان کا اسلحہ وغیرہ اُٹھایا کرتا تھا...... تیمور نے ہمیں جو کہانی سنائی وہ کچھ اس طرح تھی۔

12 اپریل بروز ہفتہ بھائی عبدالرحمٰن نے نوشہرہ مل والے کیمپ پر فائرنگ اور شیلنگ کی۔ وہاں سے نکل کر وہ صورہ پہنچے اور سی آر پی ایف کے کیمپ پر حملہ آور ہوئے۔ ایک تھیلے میں شیل تھے جسے تیمور نے پکڑا ہوا تھا۔ بھائی ایک ایک شیل اُٹھا کر G-I (گرنیڈ لانچر) میں ڈالتے اور دشمن کے کیمپ پر مارتے تھے۔ دشمن کا کیمپ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ گولی چلاتے وقت مجاہد کے دل سے ہر قسم کا خوف وڈر نکل جاتا ہے اور وہ ہر طرف سے بے خبر ہو کر ہدف پر نظر رکھتا ہے۔ بھائی عبدالرحمٰن جہادی ولولے اور جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر انڈین آرمی پر قہر برسا رہے تھے۔

ان کی عقابی نگاہیں اپنے شکار کو تڑپتا اور پھڑکتا دیکھ کر مسرور ہو رہی تھیں۔ تیمور شیل پکڑائے جا رہا تھا اور وہ دیکھے بنا اسے جی ایل میں ڈال کر فائر کر رہے تھے۔ تیمور کے بقول انہوں نے ایک شیل اُلٹا ڈال دیا میں نے فوراً خبردار بھی کیا لیکن اس وقت تک تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ شیل اگر اُلٹا ڈالا جائے تو وہ فائر ہی نہیں ہوتا بہر حال کوئی خرابی یا وجہ ضرور تھی کہ شیل جی ایل کے اندر ہی بلاسٹ ہوا اور اسلام کے اس عظیم مجاہد کا بایاں ہاتھ کٹ کر کلائی کے ساتھ لٹک گیا لیکن باقی جسم پر خراش تک نہ آئی۔ انہوں نے اپنا زخمی ہاتھ فیرن کے اندر چھپا لیا اور جہادی گھوڑے پر سوار ہو کر تیمور کو اسے برق رفتاری سے بھگانے کا حکم دیا۔ واپس نوشہرہ پہنچنے تک ان کے کپڑے خون سے تر ہو گئے تھے وہ ایک پوائنٹ پر چلے گئے۔ تیمور نے دن رات مسلح رہنے والے مجاہد کا بیلٹ جب اُتارا تو ان کی آنکھوں سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔ ہر انسان کی زندگی میں کوئی وقت ایسا ضرور آتا ہے جب حالات اسے بے بس کر دیتے ہیں۔ بھائی عبدالرحمٰن کے لیے وہ لمحات شاید انتہائی بے بسی کے تھے لیکن انہوں نے صبر وضبط کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ دونوں ایک قریبی کلینک پر فرسٹ ایڈ لینے کی غرض سے گئے۔ ڈاکٹر نے ان کی خطرناک حالت دیکھ کر کہا کہ فوراً آپریشن کر کے ہاتھ کاٹنا پڑے گا ورنہ سارے جسم میں زہر پھیل جائے گا اور ساتھ ہی بیہوش کرنے کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے آپریشن کرنے سے معذرت ظاہر کی۔ بھائی نے اس موقع پر مومنانہ اور مجاہدانہ جواب دیتے ہوئے کہا ڈاکٹر صاحب! آپ بغیر بے ہوش کیے ہاتھ کاٹ لیں۔ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے لیکن ڈاکٹر یہ رسک لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ بھائی عبدالرحمٰن نے ڈاکٹر پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ لوگ خاموشی سے کسی دوسرے کلینک کی تلاش میں نکل گئے۔ ان کا خون پہلے ہی کافی بہہ چکا تھا۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ زیادہ دیر اپنے ہوش وحواس پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔

جائے وقوعہ پر ان کی ایک انگلی بھی کٹ کر گر گئی تھی جس سے دشمن کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حملہ آور زخمی ہے اور وہ اسے ہسپتالوں میں ضرور تلاش کریں گے ان کا خیال بالکل درست تھا کیونکہ رات جس زخمی مجاہد کو آرمی ہسپتال میں تلاش کر رہی تھی وہ عبدالرحمٰن ہی تھے۔ اس چیز کو مدنظر رکھ

کر انہوں نے تیمور کو تاکیداً کہا کہ مجھے کسی ہسپتال میں ہرگز نہ لے جانا بلکہ کسی پوائنٹ پر پہنچا کر دیدی یعنی مجھے اطلاع دے دینا باقی کام وہ کرلیں گی۔ تیمور کے پاس سیٹ نہیں تھا وہ زیادہ تر اسلحہ اُٹھانے کا کام ہی کرتا تھا۔ اس کے لیے کسی ساتھی کو اس سانحے کی اطلاع دینا ممکن نہ تھا۔ عبدالرحمٰن تھوڑی دیر کے بعد بیہوش ہو گئے۔ تیمور کو ان کی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا انہیں اس حالت میں دیکھ کر وہ سخت گھبرایا اور انہیں سیدھا برزلہ سرینگر میں واقع ہڈیوں کے ہسپتال میں پہنچا دیا۔ وہاں ان کا ایمرجنسی آپریشن ہوا اور تیمور نے انہیں ایک بوتل خون کی بھی دے دی۔ بھائی عبدالرحمٰن ایک ہاتھ سے محروم تو ہو گئے البتہ سانسیں ابھی باقی تھیں۔ زندگی کے ایک کڑے امتحان سے گذرنے کے لئے اور انڈین آرمی کے بہیمانہ تشدد کو سہنے کے لیے روح سے سانسوں کا رشتہ قائم تھا۔ وہ ان سب باتوں سے بے خبر ہسپتال کے ایک بیڈ پر بے سدھ پڑے تھے۔ تیمور ہمیں اطلاع دینا چاہتا تھا تاکہ ہم بروقت انہیں ہسپتال سے نکال لائیں۔ نازو چھوٹی تھی اس لیے ہم جہاد کے کاموں سے اسے بے خبر ہی رکھتے تھے۔ تیمور اگر اسے تھوڑا سا بھی اشارہ دیتا تو معاملہ اتنا نہ بگڑتا کیونکہ اس کے فون کے ٹھیک دس منٹ بعد غازی بابا کا فون آیا تھا۔ وہ قندھاری کے لیے جان کی بازی تک لگانے سے گریز نہ کرتے۔ ہمارے پاس گاڑی بھی تھی اور وقت بھی۔ رابعہ کی امی ایسے کاموں میں ماہر تھیں۔ انہوں نے کئی مرتبہ انڈین آرمی کی گاڑی سے مجاہدین کو بچالیا تھا۔ جب بھی فوج کسی نوجوان کو گرفتار کرتی تو آنٹی اکیلی ان کے خلاف کھڑی ہو جاتی تھیں۔ اس طرح اس بہادر خاتون نے کئی مجاہدین کو بچایا تھا۔ وہ پورے علاقے میں مشہور تھیں۔ عبدالرحمٰن کو وہ اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے بہرحال اللہ کی طرف سے یہ تقدیر میں لکھا جا چکا تھا اس لیے یہ ایسے ہی ہونا تھا۔

یہ ساری داستان سنا کر تیمور نے ہمیں بتایا کہ وہ ابھی برزلہ سے آیا ہے۔ بھائی تا حال بے ہوش ہیں لیکن دشمن ابھی ان تک نہیں پہنچا۔ آپ جلدی جا کر انہیں نکال لائیں۔ یہ کہانی سن کر ہم پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا۔ برزلہ وہاں سے آدھے پونے گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ ہم نے فوراً رکشہ پکڑا دل کرتا تھا اس کے پر لگ جائیں اور ہم پلک جھپکنے کی دیر میں وہاں پہنچ

جائیں۔ایک جگہ سے ہم نے رابعہ کے ہاتھ پر فرضی پٹی چڑھائی تا کہ اس طرح ہم مشکوک نہ لگیں۔گیٹ پر بنکر کے اِردگرد معمول کے مطابق کچھ فوجی کھڑے تھے۔ ہم لوگ سیدھا آؤٹ ڈور ڈیپارٹمنٹ کی طرف گئے۔ادھر تین چار فوجی گاڑیاں اور کافی تعداد میں فوج دیکھ کر ایک لمحے کے لیے دل دہل گئے۔دوسرے لمحے ہم نے دماغ سے تمام وسوسے جھٹک کر اندر کا رُخ کیا۔

اتوار کا دن تھا ہسپتال میں زیادہ رش بھی نہ تھا۔اندر جا کر یوں لگ رہا تھا جیسے ماحول پر کوئی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی ہے ہم نے ایک ڈاکٹر کو رابعہ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے بات کرنے کی کوشش کی اس نے انتہائی بے رُخی سے جواب دیا جائیں، جائیں آج اتوار ہے کل آ جانا۔ پٹی تو فرضی تھی ہم اس سے بھیا کے بارے میں معلومات کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے رویے سے لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی جن بھوت دیکھ لیا ہو۔ہم نے دوبارہ بات کرنے کی کوشش کی اس نے پھر اسی انداز میں جھٹک دیا۔ ہمارے پاس وقت بہت کم تھا مجھے اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ میں نے اس کو سخت لہجے میں کہا ڈاکٹر ہمیں ایک زخمی کی تلاش ہے۔ یہ بتائیں وہ کدھر ہیں۔زخمی کا نام سن کر وہ ایکدم چونک پڑا اور چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔وہ ایک سائیڈ پر میز کے قریب جا کر رُک گیا اور رابعہ کے ہاتھ پر لگی پٹی کو کھولتے ہوئے غمگین لہجے میں بولا۔میری بہنو! آپ نے آنے میں دیر کر دی کاش آپ ایک گھنٹہ پہلے آتیں، وہ نوجوان گرفتار ہو چکا ہے، یہ اِردگرد جو سول کپڑوں میں ملبوس آدمی نظر آ رہے ہیں یہ سب فوجی ہیں یہ بھیس بدل کر اسی لیے یہاں کھڑے ہیں کہ اس کا کوئی ساتھی اس سے ملنے یا یہاں سے نکالنے کی کوشش کرے تو یہ اسے بھی گرفتار کریں۔ڈاکٹر کی بات سن کر میرے جسم سے جان ہی نکل گئی۔نصرت نے اس سے پوچھا کہ کیا ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں؟ وہ بولا وہ دروازے کے ساتھ جو کمرہ ہے وہ اس میں ابھی تک بے ہوش پڑے ہیں۔دروازے پر کھڑے دونوں آرمی فوجی ہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ اس طرف دیکھے بغیر یہاں سے فوراً نکل جائیں ایسا نہ ہو کہ انہیں آپ لوگوں پر شک پڑے۔اس کا مشورہ بالکل صحیح تھا، اب ہم کچھ بھی

نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں سے واپس نکلتے ہوئے میرے پاؤں من من کے بھاری ہو رہے تھے۔ ہم اس دروازے سے سر جھکائے گزر گئے جس کے اندر ہمارا بھائی بے یارومددگار پڑا تھا۔ کتنی بے بسی کا عالم تھا انہیں یہ خبر تک نہ تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمن کی قید میں ہیں۔ راستہ بھر میں روتی رہی، کبھی بھائی کی بے بسی پر رونا آ رہا تھا اور کبھی تیمور کی بے وقوفی پر غصہ...... کاش! وہ رات کو ہمیں پیغام پہنچا تا یا! کاش بھائی گرفتار ہونے کی بجائے شہید ہوئے ہوتے۔

تیمور اس وقت بھی عید گاہ گراؤنڈ میں رو رہا تھا۔ ہم نے اس کو بتا دیا کہ ہم سے پہلے ان تک دشمن پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا بھائی کا اسلحہ نوشہرہ میں پڑا ہوا ہے آپ اسے لے جائیں۔ میں نے نصرت کو اس کے ساتھ بھیجا اور خود رابعہ کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔ بھائی کی گرفتاری کا سن کر نصرت کے گھر والے بہت پریشان ہو گئے۔ کئی مسائل ہوتے ہیں گوشت پوست کے انسان نے اگر تشدد برداشت نہ کیا تو کئی لوگوں کے لیے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ نصرت کے پاس اس وقت بھی بھائی عبدالرحمٰن کا رکھا ہوا اسلحہ اور بارود موجود تھا۔ میں غازی بابا کو اس المناک واقعے کی فوراً اطلاع دینا چاہتی تھی لیکن میرے پاس سیٹ بھی نہیں تھا، میں سخت پریشان ہو رہی تھی کہ نہ جانے وہ دوبارہ کب فون کریں گے؟ ایسا نہ ہو دشمن عبدالرحمٰن سے کوئی بات اگلوانے میں کامیاب ہو جائے اور خدانخواستہ کوئی بڑا نقصان ہو جائے۔ میں انہی پریشانیوں میں گم تھی اسی دوران نصرت اسلحہ لیکر آ گئی یہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اس میں ایک عدد وائرلیس سیٹ بھی شامل ہے۔ مجھے چند ایک فریکوئنسی نمبر یاد تھے۔ تلاش بسیار کے بعد ایک نمبر پر طوبیٰ کی آواز سنائی دی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے فوراً کہا...... طوبیٰ طوبیٰ وہ میری آواز اور رابطے کا انداز سمجھتے تھے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا۔ حاضر سیف اللہ بھائی، تمام ساتھی ویٹ کریں جب بھی میں رابطہ کرتی طوبیٰ باقی ساتھیوں کو انتظار کرنے کا کہتے اور سب سے پہلے میرا پیغام سن لیتے تھے۔ اس وقت میرا کوڈ سیف اللہ اور غازی بابا کا گرین زیرو تھا۔ میں نے سلام دعا کے بعد پوچھا طوبیٰ کیا گرین زیرو لائن پر ہیں؟ سیف اللہ بھائی گرین زیرو لائن پر نہیں ہیں ڈیڑھ بجے والی شفٹ پر آئیں گے۔ انشاء اللہ...... کوئی پیغام ہے تو لکھوا دیں...... میں نے کہا ٹھیک ہے پھر میں بھی دو بجے آؤں گا۔ ڈیڑھ بجنے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا، میں ایک ہال نما

کمرے میں ٹہل رہی تھی اس دوران میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ میٹرکس کے بغیر میں انہیں اس واقعے کی اطلاع کن الفاظ میں دوں، عبدالرحمٰن قندھاری کوئی عام مجاہد نہیں ہے ہو سکتا ہے دشمن ان کی اصلیت جاننے میں کامیاب نہ ہوا ہو اس لیے مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ غازی بابا رازداری کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ چونکہ دشمن ہمارے رابطے سن رہا ہوتا ہے اس لیے انہیں سیٹ پر ''بونگی'' مارنے والے پر سخت غصہ آتا تھا اور اس دن تک بلکہ سیٹ کے معاملے میں انہیں مجھ سے کبھی شکایت نہ ہوئی۔ انہی خیالوں میں ڈیڑھ ہو گیا...... میں نے سیٹ کھولا تو طوبیٰ نے مجھے ان کی موجودگی کا بتا دیا۔ جہادی کی آواز مجھے صاف نہیں سنائی دے رہی تھی اس لیے طوبیٰ نے رابطہ کروایا۔ گرین زیرو، سیف اللہ بھائی آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ سلام کا جواب دینے کے بعد انہوں نے پوچھا کون سیف اللہ؟ کیونکہ میری طرف سے انہیں رابطے کی اُمید نہ تھی اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کون ساتھی ہیں۔ گرین زیرو وہ نعیم بھائی اور الفاسیون والے طوبیٰ نے انہیں سمجھانے کے لیے میرے پچھلے سیٹ کوڈ دہرائے تو انہوں نے حیرت سے سوال کیا طوبیٰ ان سے کہو آپ کے پاس ڈبہ (سیٹ) کہاں سے آ گیا۔ عبدالرحمٰن کا سیٹ کوڈ شاہ زیب تھا اور زخمی ہونے کو ہم عسکری زبان میں وردی پھٹنا بھی کہتے تھے۔ میں نے طوبیٰ سے کہا ان سے کہیں شاہ زیب بھائی کی وردی پھٹ گئی۔ ان کا قریبی (تیمور) انہیں درزی (ڈاکٹر) کے پاس لے گیا۔ وہاں ان کی ملاقات انکل جی (فوج) سے ہوگئی۔ وہ شاہ زیب کو اپنے گھر لے گئے۔ قریبی کے ذریعے ڈبہ اور دوسری چیزیں میرے پاس آ گئی ہیں۔ طوبیٰ نے پیغام دہرایا۔ ان کا پریشان ہونا لازمی بات تھی۔ انہوں نے برہم ہو کر کہا۔ طوبیٰ ان سے کہو آپ کا دماغ ٹھیک تو ہے یہ کیا کہہ رہے ہو۔ طوبیٰ یہ جملہ دہراتے وقت تذبذب میں پڑ گیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے! سیف اللہ بھائی آپ گرین زیرو کو سن رہے ہیں؟ جی جی سن رہا ہوں۔ ان سے کہیں کہ براہِ کرم مائک (ملاقات) کریں۔ پھر آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔ طوبیٰ نے یہ پیغام انہیں سنایا۔ وہ فکرمند لہجے میں بولے طوبیٰ ان سے کہو کہیں آپ خود انکل جی کے پاس تو نہیں ہیں؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ کہیں میں گرفتار تو نہیں ہوئی اور یہ رابطہ دشمن مجھ سے غازی بابا کو پھنسانے کے لیے کروا رہا ہے۔ میں نے ان کی بات

کا برا نہ مانا کیونکہ میدان جنگ میں ایک مجاہد کو اپنے سائے کو بھی شک کی نظر سے دیکھنا پڑتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں عبدالرحمٰن سے بہت محبت ہے۔ وہ ان کے لیے ایک بازو کا درجہ رکھتا تھا۔ ان کے بارے میں اس قدر اندوہناک خبر سن کر ان کے اوپر کیا گذر رہی ہوگی۔ میں نے کہا ''اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو "MD" پوائنٹ پر مائک کریں، میں آپ کا انتظار کروں گا''۔ انہوں نے کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ضرور آئیں گے میں نے سیٹ بند کرتے ہی دوبارہ تیاری پکڑی۔ اماں جی نے مجھے خوب سنائی۔ لیکن میں نے کہا میری طبیعت سے بلکہ میری جان سے یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس لیے میرا جانا ضروری ہے۔ اس وقت میں اکیلی ہی جا رہی تھی کیونکہ نصرت کو ہمارے خاص ٹھکانوں کا پتہ نہ تھا۔ عصر کی اذانوں کے ساتھ میں بھی وہاں پہنچی۔ گھر میں داخل ہونے کی دیر تھی پیچھے جہادی بھی پہنچ آئے۔ انہیں دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بولے سعدی! تم ٹھیک تو ہو نا۔ عبدالرحمٰن کو کیا ہوا ہے وہ کدھر ہے؟ میں نے انہیں بٹھا کر تمام رودادِ الم سنائی۔ ان کی پریشانی بجا تھی۔ کیونکہ ساتھی کی گرفتاری سے بہت زیادہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ احتیاطاً وہ تمام پناہ گاہیں بدلنی پڑتی ہیں۔ جن کا گرفتار مجاہد کو علم ہو۔ تاکہ اگر مجاہد سے تشدد برداشت نہ ہو سکا تو کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے...... یہ معاملہ بہت نازک تھا کیونکہ بھائی عبدالرحمٰن سرینگر کا ڈسٹرکٹ کمانڈر تھا...... اور وہاں کا تمام سیٹ اَپ انہیں معلوم تھا۔ غازی بابا کے لیے دوہری پریشانی تھی ایک طرف فوراً احتیاطی تدابیر کرنی تھی۔ دوسری طرف ایک مخلص دوست اور مایۂ ناز کمانڈر کی جدائی کا صدمہ بھی برداشت کرنا تھا۔ محاذِ جنگ میں مجاہدین میں باہمی خلوص ومحبت اور اخوت کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ ساتھی ایک دوسرے کا دُکھ تکلیف اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں اور غازی بابا تو امیر ہونے کے ناطے ساتھیوں پر اولاد جیسی شفقت رکھتے تھے۔ عبدالرحمٰن جیسے جنگجو فطرت کے انسان کی مظلومانہ گرفتاری پر کئی بار ان کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ راہِ جہاد میں دُکھ اور پریشانی میں گذاری گئی کئی راتوں میں ایک ایسی ہی وہ رات بھی تھی جو ہم نے جاگتی آنکھوں میں ہی کاٹی۔ وہ تمام رات عبدالرحمٰن کو چھڑانے کے منصوبے بناتے رہے۔ وہ کہنے لگے اگر ہم کسی اہم شخصیت کو اغواء کرلیں تو اس کے بدلے

عبدالرحمٰن کی رہائی کا مطالبہ کریں گے اور بھی کئی منصوبے تیار کئے گئے پھر وہ مجھ سے بولے سعدی! یہ تمہارے خواب کی تعبیر ہے بے شک عبدالرحمٰن میرا بازو تھا جو آج زخمی ہو گیا۔

صبح مجھے واپس نصرت کی طرف جانا تھا ان کی اُداس اور مغموم صورت دیکھ کر دل کرتا تھا کہ انہیں چھوڑ کر نہ جاؤں۔ وہ اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے میرے دو دوست ہیں ایک آپ اور دوسرا عبدالرحمٰن...... امیر ہونے کے ناطے مجھے ہر وقت اپنے چہرے پر سنجیدگی کا خول چڑھائے رکھنا پڑتا ہے اور آپ دونوں کے ساتھ میں بالکل ویسا ہی بن کر رہتا ہوں جیسا کہ میں حقیقت میں ہوں...... ہمارا آپس میں دوستوں کی طرح ہنسی مذاق ہوتا رہتا تھا۔ میرے دل کو صدمہ ہو رہا تھا کہ آج وہ ایک دوست کی جدائی میں پریشان ہیں اور میں ان کے دُکھ میں شریک نہیں ہوسکتی اور نجانے حالات اب کیا رُخ اختیار کریں گے۔ میں ایک طرح سے ان کی باڈی گارڈ تھی۔ میں رات کو کئی مرتبہ نیند سے اُٹھ کر گلیوں پر نظر رکھتی۔ اور وہ آرام سے سو جاتے تھے...... بہر حال مجھے ہر حال میں جانا تھا۔ بوقت رخصت انہوں نے مجھے کہا۔ سعدی! اپنا خیال رکھنا اور میرے لیے خوشیاں لیکر جلدی واپس آنا۔ میں نے کہا ''اگر ہم لوٹ آئے تو بہاریں ساتھ لائیں گے''۔ لیکن اگر نہ لوٹ سکے تو ہمیں بخش دیجئے گا۔ میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں...... انہوں نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا اور کہا ایسی باتیں کر کے میری پریشانیوں میں اضافہ مت کرو۔ اپنے آپ کو خطرے میں ہرگز نہ ڈالنا اگر ضرورت پڑی تو ہسپتال چلی جانا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کریں گے اور میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر میں وہاں سے روانہ ہو گئی اور دوسرے خواب کی تعبیر میری منتظر تھی۔

دوسرے خواب کی تعبیر

17 اپریل بدھ کا دن تھا۔ انہوں نے صبح سویرے رابعہ کے گھر فون کیا۔ آنٹی نے انہیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے کہہ کر مطمئن کر دیا لیکن اس دن سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ ہم ایک اور آزمائش سے گذرنے والے تھے۔ انسان جو سوچتا ہے کبھی کبھی تقدیر میں بالکل اس کے برعکس لکھا ہوتا ہے۔ مغرب کا وقت گذر چکا تھا جب ہماری گاڑی ہسپتال کے مین گیٹ پر رُک گئی تو بنکر پر نظر پڑتے ہی میرے دل سے آہ نکلی...... یا اللہ تیرے فیصلے بھی بڑے نرالے ہیں جس کا سوچا بھی نہ تھا آج تقدیر اسی جگہ لے آئی ہے۔ داخلی فارم پر ہم نے ترال کے ایک دور دراز گاؤں کا نام پتہ لکھوایا۔ لیڈی ڈاکٹر نے میری تشویشناک حالت دیکھی تو اماں جی پر برس پڑی۔ آپ کس جنگل سے اُتر کر آئے ہیں کیا ترال میں کوئی گاڑی نہ تھی جو اتنی دیر لگا دی۔ انہیں فوراً آپریشن تھیٹر لے جاؤ، دونوں میں سے ہم ایک جان کو ہی بچا سکیں گے۔ وہ بہت کچھ بولے جا رہی تھی۔ اماں جی والے خاص شہر کے رہنے والے تھے اور نصرت کبھی اُدھار رکھنے والی نہ تھی لیکن ڈاکٹر کے آخری جملے نے انہیں پریشان کر دیا اس لیے وہ خاموش رہی۔ اماں جی اس کی منتیں کرنے لگیں ڈاکٹر صاحبہ! خدا کے لیے میری بیٹی کی جان بچا لیں لیکن ڈاکٹر صاحبہ مجھے مُردوں کی لسٹ میں شامل کرنے پر تلی ہوئی تھی اور مجھے انتہائی سیریس قرار دے رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو بالکل پرسکون اور مطمئن کر رکھا تھا۔ اماں جی پریشانی کے عالم میں بولیں بیٹا اگر آپ ضد نہ کرتی تو ہم بروقت ہسپتال پہنچ جاتے بالآخر ہمیں اِدھر ہی آنا پڑا۔ خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوا تو ہم انہیں (غازی بابا) کیا جواب دیں گے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر مجھے بہت ندامت کا احساس ہوا۔ میں نے کہا اماں جی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اس نے خواہ مخواہ آپ کو پریشان کر دیا ہے۔ بہرحال اگر ایسا کچھ ہوا بھی تو آپ ان سے کہنا کہ ہسپتال آنے میں تاخیر میری وجہ سے ہوئی اس بات پر انہیں یقین آ جائے گا۔ نرسیں بھاگ بھاگ کر آپریشن کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ انتہائی عجلت میں میرے

ضروری ٹیسٹ لیے گئے اور اسی عجلت میں تھیٹر کی طرف لے جایا گیا۔ اماں جی اور میری دونوں عزیز بہنیں سٹریچر کے ساتھ بھاگ رہی تھیں۔ تھیٹر کے دروازے پر انہیں روک لیا گیا۔ انہوں نے پرنم آنکھوں سے میرے ہاتھوں کے بوسے لیے۔ وہ سچ مچ میری زندگی سے ناامید ہو چکی تھیں، اس وقت ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ابھی مجھے کئی امتحانوں سے گذرنے کے لیے زندہ رہنا ہے۔ ابھی میری زندگی کے دامن میں جہادی کی بے لوث محبت اور مسرتوں کے پھول مہک رہے ہیں ابھی تو مجھے خزاں کا دور دیکھنا ہے زندگی کے کئی دکھوں سے آشنا ہونا ہے۔ اس لیے موت کے فرشتے کو میری روح کے دروازے پر دستک دینے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے۔

جانے کتنی دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ آنکھیں کھولنے کے ساتھ ہی مجھے اپنے وجود سے درد کی ٹیسیں محسوس ہونے لگیں۔ زبان سے پانی پانی کی فریاد جاری تھی۔ لیکن ڈاکٹر صاحبہ پانی پینے پر پابندی لگا کر گئی تھی۔ اماں جی نے محبت سے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور مجھے ماں جیسے بلند مرتبے پر فائز ہونے پر مبارکباد دی۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ محبت اور ہمدردی کے جذبات دیکھ کر میری آنکھوں سے تشکر کے آنسو اُمڈ آئے کہ میں اللہ کے راستے میں اپنی ماں کے آنچل کی ٹھنڈی چھاؤں سے دُور تو ہوں لیکن میرے مہربان رَب نے مجھے ماں جیسی محبت سے محروم نہیں رکھا ہے۔ میرے دل ودماغ میں کئی یادیں ہل چل مچا رہی تھیں۔ اماں جی نے اپنے دوپٹے سے نرمی سے میرے آنسو صاف کیے اور بولیں پریشان کیوں ہو رہی ہیں دیکھنا یہ زخم چند دنوں میں بھر جائیں گے اور ہم سب ہیں نا تمہارے ساتھ...... مجھے آپ میں اور نصرت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے خود کو اکیلا مت سمجھو...... آنٹی بھی کافی دیر سے آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے غازی بابا کی لاڈلی بیٹی کو گود میں اُٹھا رکھا تھا۔ وہ بولیں یہ دیکھو اللہ نے کتنی پیاری بیٹی دی ہے آپ کو...... میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا وہ سرخ گلابی رنگ کی ایک پیاری سی گڑیا تھی۔ میری دلی خواہش کے مطابق اس کے خدوخال بالکل اپنے بابا کی طرح تھے۔ میں اس وقت زخموں سے نڈھال پڑی ہوئی تھی اس لیے چاہتے ہوئے بھی اس ننھی سی گڑیا کو محبت کا ایک بوسہ بھی نہ دے سکی۔ میں بہت کم بیمار ہوتی تھی اس لیے بچپن میں میری خواہش ہوتی تھی کہ مجھے بھی کبھی بخار آئے اور گھر والے میری خدمت کریں۔ یہ آپریشن میری زندگی کی پہلی بڑی تکلیف تھی اور

ہسپتال میں رہنا اس سے بھی بڑھ کر پریشانی کا باعث تھا۔ وہ رات جیسے کانٹوں پر گذری۔ ساری رات زخم سے نا قابل برداشت ٹیسیں اُٹھتی رہیں۔ صبح پانی پینے کی پابندی ختم ہوئی تو اللہ کا شکرادا کیا۔لیکن خلاف توقع تکلیف میں کوئی کمی نہ آئی۔اسی حال میں شام ہوگئی۔نصرت باہر نکلی ہوئی تھی وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی میرے پاس آئی کہ میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ مشتاق بھائی کے ساتھ جہادی بھی آرہے ہیں۔میں حیران رہ گئی کہ وہ کیسے اِدھر آگئے اگر گیٹ پر انہیں فوجی روک لیتے تو کیا ہوتا یہ سوچ کر مجھے جھرجھری آگئی۔نصرت انہیں وصول کرنے نچلی منزل میں چلی گئی......اور میں کہیں دُور کھوگئی۔ڈیڑھ سال پہلے کا ایک دن تھا جب ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ پاک نے ہمیں بیٹا دیا تو ہم اسے اللہ کے دین کے لیے وقف کردیں گے اور مجاہد بنائیں گے۔ جہادی اکثر کہا کرتے تھے کہ جب میرا بیٹا ہوگا تو آپ اس کو اُٹھا کر میری گود میں دینا، پھر میں اس کا نام اپنے ایک شہید ساتھی کے نام پر ''بدر'' رکھوں گا۔کبھی کہتے تھے گھٹی کی جگہ اس کی زبان پر 9.volt لائن بیٹری کا کرنٹ دوں گا۔تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے محاذ جنگ پر ایک مجاہد کے ہاں آنکھ کھولی ہے۔میں اسے اپنے ہاتھوں سے تربیت دوں گا اس کے بازوؤں میں بجلیاں بھردوں گا۔میں اسے ایسا شیر بناؤں گا جو اکیلا سو کافروں سے مقابلہ کرنے والا ہو۔ جہادی کے خواب اور ارمان یاد آکر دل پر اُداسی چھاگئی۔وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے جانے کب میرے پاس بیٹھے اور میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر حال پوچھا۔گو کہ اس وقت بھی تکلیف برابر ہورہی تھی۔لیکن ان کی قربت نے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔انہوں نے مجھے وعدہ یاد دلایا میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ''بدر تو نہیں ہے وعدہ کیسے نبھاؤں''۔انہوں نے مجھے ٹوکا اور کہا ارے پگلی تم نے یہ بات دل پر لے لی ہے۔بیٹی تو رحمت ہوتی ہے میں بہت خوش ہوں کہ اللہ نے ہمیں اس رحمت سے نوازا۔بچی جب ان کی گود میں آئی تو آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرادی۔اس کا مسکرانا جہادی کو ہمیشہ یاد رہتا تھا۔وہ کہنے لگے اس نے خون کی کشش سے محسوس کرلیا ہے کہ مجھے کسی اپنے نے اُٹھایا ہے۔اس وقت تک میں نے بھی اس کو گود میں نہیں اُٹھایا تھا اور ہم دونوں کے علاوہ اس کا کوئی تھا بھی نہیں۔

انہوں نے کہا میری امی جان نے فون پر اس کا نام فاطمہ رکھنے کا کہا ہے۔سیٹلائٹ فون

آنے کے بعد میں بھی ان سے بات کر لیتی تھی۔ اس سے پہلے جہادی سیٹ کے ذریعے کبھی کبھی ان سے بات کر لیتے تھے۔ ہم نے اپنی طرف سے سیرت کا اضافہ کر لیا۔ یوں اس کا نام سیرت فاطمہ رکھا گیا۔ مجھے ان کے حوالے سے اطمینان نہ تھا اس لیے انہیں بار بار جانے کا کہہ رہی تھی۔ جب وہ چلے گئے تو میرا رُواں رُواں ان کی وفاؤں کو سلام کر رہا تھا مجھے ان کی محبت پر فخر ہو رہا تھا کہ وہ صرف میرے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر وہاں تک چلے آئے تھے۔

اس دن ہسپتال میں ہمارا چوتھا دن تھا۔ نصرت دوائیاں لینے کے لیے باہر گئی ہوئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ انتہائی عجلت میں میری طرف آئی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے...... ہمیں وہاں ہر وقت دشمن کا دھڑکا لگا رہتا تھا میں دل ہی دل میں اللہ سے خیر مانگنے لگی۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا اس نے بتایا ہسپتال کا کریک ڈاؤن ہوا ہے اور تمام تیمار داروں کو صحن میں جمع کیا جا رہا ہے۔ نیچے والی منزل میں تلاشی ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے ہماری مخبری ہوگئی ہے۔ نصرت کا اندازہ درست تھا۔ کیونکہ وہ ہسپتال صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں پر دشمن کے آنے کی کوئی دوسری وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ نہ میں وہاں سے بھاگ سکتی تھی اور نہ ہی چھپ سکتی تھی۔ میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور نصرت سے کہا آپ بچی کو لیکر باہر نکل جاؤ اگر میرے ساتھ کوئی مسئلہ بنا تو آپ بالکل سامنے نہ آنا۔ رابعہ بھی ان دنوں میرے ساتھ ہی تھی وہ ایک سکول میں پڑھاتی تھی اور وہاں سے سیدھا ہسپتال آ جاتی تھی اس دن وہ سکول چلی گئی تھی۔ نصرت مجھے اس مشکل گھڑی میں اکیلا چھوڑنے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ وہ ایک خوبصورت اور پیارے دل کی مالک تھی کسی کا دکھ اور تکلیف وہ برداشت نہیں کرتی تھی...... اور ہم دونوں کے درمیان تو بہت گہرا رشتہ تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے اس کو اس بات کے لیے قائل کر لیا۔ میں نے اس کو کہا پیاری بہنا! جہاد میں انسان کو اپنے پیاروں کی لاشیں چھوڑ کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اگر واقعی آرمی کو ہماری تلاش ہے تو سب کے سب پھنس جانے سے یہ اچھا نہیں کہ آپ دونوں نکل جاؤ۔ اتنے میں ہمارے وارڈ میں اعلان ہوا کہ مریضوں کے علاوہ اندر کوئی موجود نہ رہے سب لوگ نیچے گراؤنڈ میں جمع ہو جائیں۔ نصرت بچی کو سینے سے لگائے بوجھل

قدم اُٹھاتے ہوئے باہر نکل گئی اور میں اللہ سے اپنی حفاظت کا سوال کرنے لگی۔ کمانڈر زاہد شہیدؒ کی اہلیہ کا اشکوں سے تر چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا...... اور میں ایک انجانے خوف سے لرز کر رہ گئی۔ یا اللہ میں دو قدم چلنے سے بھی معذور ہوں، اللہ! تو اس مشکل گھڑی میں مجھے تنہا مت چھوڑنا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سورت یٰسین کی آیت مبارکہ کا ورد کرنے لگی۔ میں نے خود کو سر سے لیکر پاؤں تک اس انداز سے چادر میں ڈھانپ لیا جیسے کوئی گہری نیند سو رہا ہو۔ اچانک وارڈ میں سناٹا چھا گیا۔ درد اور تکلیف سے کراہتے اور تڑپتے مریض ایک دم خاموش ہو گئے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ فوجی اندر آ گئے ہیں۔ جوں جوں وہ میرے بیڈ کے قریب آتے جا رہے تھے دل اتنا ہی تیزی سے دھڑکنے لگتا تھا۔ وہ صرف مریضوں کے کاغذات چیک کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ مجھے میرے اصلی نام پتہ سے تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے بیڈ کے پاس تھوڑی دیر کے لیے کھڑے ہوئے اور ٹیبل پر پڑی فائل اور پرچیاں اُلٹ پلٹ کر دیکھیں۔ اس کے بعد آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ذلیل وخوار ہو کر چلے گئے۔ نصرت نے واپس آ کر کہا سب لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ چھاپہ کس وجہ سے پڑا۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے کیا پتہ یہ پھر آ جائیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اب ہم وہاں کسی طرح بھی محفوظ نہیں تھے۔ جہادی بھی کہہ گئے تھے کہ یہاں سے جلدی نکلنے کی کوشش کرو اور ٹانکے نکلوانے دوبارہ آ جانا۔ میں ادھر ایک منٹ رہنے کے لیے تیار نہ تھی لیکن قسمت نامہربان ہو رہی تھی۔ چار دن گذرنے کے باوجود میرے زخم میں شدید درد رہتا تھا، جن مریضوں کا میرے ساتھ آپریشن ہوا تھا وہ کافی بہتر تھے اور چل پھر لیتے تھے۔ میرا یہ حال تھا کہ کسی کروٹ لیٹا نہیں جا رہا تھا اور دن رات بخار میں جلتی رہتی تھی۔ مجھے وہ رات کبھی نہیں بھولتی جب میں درد سے تڑپ رہی تھی۔ میرے پاس کوئی اپنا نہ تھا، ہاں رابعہ اور نصرت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں ان کے احسانات کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتی کیونکہ میری وہ پیاری بہنیں مجھ سے بہت دور ہیں اور یہ داستان تحریر کرتے ہوئے اور کئی لوگوں کے ساتھ ساتھ ان کی یادیں بھی مجھے گھیر لیتی ہیں...... اور میں قلم دانتوں میں دبا کر دیر تک سوچوں میں گم ہو جاتی ہوں۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان کو مشکل وقت میں اپنے یاد آ جاتے ہیں۔ اس رات مجھے شدید

بخار تھا زخم پر بھی نا قابل برداشت درد ہو رہا تھا۔اس تکلیف دہ گھڑی میں جہادی اور گھر والوں کی کمی کا شدید احساس ہو رہا تھا۔آنکھوں سے خود بخود آنسو نکل رہے تھے اور ہر پانچ منٹ بعد پیاس لگتی تھی۔آپریشن کے مریضوں کو ابلا ہوا پانی پینا پڑتا تھا۔نصرت دوسرے مریضوں سے ساری رات پانی مانگ مانگ کر لاتی رہی اور مجھے پلاتی رہی۔نرس آکر پین کلر کا ٹیکہ لگاتی تھی جس سے وقتی طور پر آرام آجاتا تھا تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی تکلیف اور اذیت کا مرحلہ شروع ہو جاتا تھا۔اگلے دن ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے نصرت نے انہیں تمام صورتحال بتا دی انہوں نے فوراً الٹرا ساؤنڈ کرایا اس کے بعد مجھے ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کر دیا۔ہم نے الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ مانگی تو انہوں نے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ معمولی سا انفیکشن ہوا ہے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔بہن جی روزانہ کھانا وغیرہ لیکر آتیں میں نے ان کو کہا کہ آپ غازی بابا کو ان حالات کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔خصوصاً چھاپے کا ذکر بھی نہ کرنا۔وہ پہلے ہی پریشان ہیں۔بہن جی بولی کہ وہ زیادہ تر باہر ہی رہتے ہیں۔جب گھر میں ہوتے ہیں تو مسلسل نفل اور تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔مجھے معلوم تھا کہ ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ان کی دو عزیز ہستیوں کو ان کی دعاؤں کی اشد ضرورت تھی۔

ایمرجنسی وارڈ میں مجھے مسلسل بوتلیں اور ٹیکے لگتے رہے۔کوئی رگ ایسی نہ بچی جہاں پر سوئی نہ لگی ہو۔اس کے بعد تکلیف میں کمی آتی گئی۔ساتویں دن ہم نے ٹانکے نکلوائے اور ڈسچارج سرٹیفکیٹ بنوایا۔عصر کے وقت ہم گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔عصر اور مغرب کا درمیانی وقت مجھے بے حد پسند ہے میں بہت خوش تھی کہ تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے جاؤں گی اور جہادی کی مسکراہٹیں میرا استقبال کریں گی۔نکاح کے موقع پر انہوں نے جو شال مجھے ہدیہ کی تھی اسے میں ان کی نشانی سمجھ کر سنبھال کر رکھتی تھی۔ان کے دیئے ہوئے تحفوں کی تعداد کم نہ تھی لیکن وہ چادر میرے لیے بہت خاص تھی۔اس لیے میں نے وہ چادر منگوا کر اوڑھ لی تھی۔عصر کے بعد بہن جی والے گاڑی لیکر آگئے۔میری پیاری بہنا نصرت ادھر ہی سے اپنے گھر چلی گئی کیونکہ ہمارا پوائنٹ خفیہ تھا۔جب ہم گاڑی سے اُترے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔سکہ ڈفر کی ان گلیوں سے گذرتے ہوئے مجھے عجیب

طرح کا سکون مل رہا تھا۔ سرینگر خوبصورتی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ شہر ہے لیکن عیدگاہ، صفا کدل کا علاقہ مجھے بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ گھر میں داخل ہو کر معلوم ہوا کہ جہادی موجود نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سیرت فاطمہ کے لیے کئی تحفے اور میرے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لیکر آ گئے۔

وہ عبدالرحمٰن قندھاری کے لیے کافی بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ انڈین آرمی ان کی اصلیت معلوم کرنے میں ابھی تک ناکام رہی تھی اس لیے ان کی رہائی کا کچھ امکان نظر آ رہا تھا۔ بزرگوں کا حکم تھا کہ عبدالرحمٰن کی رہائی کے عوض اگر اس کے وزن کے برابر پیسے خرچ کرنے پڑیں تو کر گزریں۔ انہیں ابتدائی تشدد کے بعد سنٹرل جیل سرینگر منتقل کر دیا گیا تھا۔ غازی بابا نے ابتدائی تعاون کے طور پر نصرت کے ذریعے انہیں کچھ پیسے، کپڑے اور دیگر ضروری چیزیں بھجوائیں۔ نصرت جب ان سے ملی تو بھائی عبدالرحمٰن نے اس کو کہا بابا کو بیٹی ہونے پر مبارکباد دینا۔ نصرت حیران ہو گئی کہ انہیں جیل میں کس طرح خبر ہوئی جبکہ اس بات کو صرف دس دن ہوئے تھے۔ بھائی نے اسے بتایا کہ یہ بات مجھے فوجیوں نے بتائی کہ غازی بابا کی بیٹی ہوئی ہے۔ اس کی بیوی فلاں ہسپتال میں تھی وہاں ہم نے چھاپہ مارا لیکن ان کی قسمت اچھی تھی وہ اس وقت تک وہاں سے نکل گئے تھے۔ نصرت نے انہیں بتایا کہ ہم ادھر ہی تھے لیکن اللہ پاک نے ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ میرے گھر والوں کو اس بات کی اطلاع دینے والے بھی بھارتی فوجی ہی تھے...... اور میری پیاری ماں اور بھابی جان نے تین دن اس ہسپتال کی تینوں منزلیں چھان ماری تھیں لیکن اس وقت تک ہم واقعی ادھر سے نکل گئے تھے۔ بھائی عبدالرحمٰن نے نصرت کو بتایا کہ دشمن کا جاسوسی کا نظام بہت طاقتور ہے انہیں سب کچھ معلوم ہے اس لیے بہت احتیاط کرنا۔

مجھے ہسپتال سے واپس آئے ایک ہفتہ گزرا تھا۔ جہادی وہاں دن کو کم ٹھہرتے تھے لیکن ہر تیسرے دن شام کو آ کر میرے زخم کی پٹی کرتے اور رات کے آخری پہر چلے جاتے تھے۔ شام کو میں صحن میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ اچانک میں نے اپنے پہلو میں درد محسوس کیا۔ وہی درد جس نے ہسپتال میں مجھے بے قرار کر رکھا تھا۔ میں بہت پریشان ہوئی لیکن جہادی کے آنے پر میں

نے انہیں کچھ بھی نہ بتایا۔ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا بڑی مشکل سے میں نے کھانے کے چند نوالے حلق سے اُتارے لیکن ذرا سی دیر میں مجھے اُلٹی ہوگئی پھر کوشش کے باوجود میں اپنی تکلیف چھپا نہ سکی۔ وہ میری معمولی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان سے یہ بات چھپانے پر انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور بولے مجھ سے چھپاؤ گی تو کس کو بتاؤ گی۔ آپ بھی تو اللہ کے راستے میں سب کو پیچھے چھوڑ کر آئی ہو۔ میرے بغیر آپ کا کون ہے۔ جس کو اپنے دُکھ درد میں شریک کرو گی۔ میری حالت دیکھ کر بہن جی سیرت فاطمہ کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ میں کسی کروٹ پر لیٹ نہیں سکتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پیٹ کے اندر کسی نے دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ رات کو جاتے ہوئے انہوں نے گھر والوں کو مجھے ڈاکٹر سے چیک کرانے کا کہا۔ ساری رات آنکھوں میں بسر ہوئی تھی فجر سے پہلے کہیں آنکھ لگ گئی۔ صبح نو دس بجے کے قریب نا قابل برداشت درد کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں زمین و آسمان کے درمیان میں پسی جا رہی ہوں۔ میں اُٹھ کر بیٹھنا چاہتی تھی لیکن ذرا سی حرکت تکلیف میں اضافہ کر دیتی تھی۔ میرے سرہانے لگی الماری کے پٹ کھلے تھے میں نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں تھام لیا اور کئی بار اُٹھنے کی کوشش کی لیکن میں بے سدھ ہو کر بستر پر گر پڑتی تھی۔ اس وقت آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہنے لگے، میں سوچ رہی تھی کہ کاش جہادی نہ گئے ہوتے وہ مجھے سہارا دے کر اُٹھاتے اور مجھے پانی پلاتے۔ بہن جی کو میں نے کئی بار بلایا لیکن نقاہت کی وجہ سے آواز کمرے سے باہر جاتی ہی نہ تھی۔ کافی دیر کے بعد وہ کمرے میں آگئیں اور میری حالت زار دیکھ کر سخت پریشان ہوئیں۔ وہ کہنے لگیں آپ کو سویا ہوا دیکھ کر میں سمجھی شاید آرام آ گیا ہے اس لیے وہ (مشتاق بھائی) کام پر چلے گئے اگر آپ چل سکیں گی تو دونوں بچیوں کو میں خود اُٹھا لوں گی ہم ہسپتال چلتے ہیں۔ میرے لیے بغیر سہارے کے ایک قدم چلنا محال تھا۔ سارا دن تڑپ تڑپ کر گزر گیا۔ شام سات بجے میں نے سرہانے کے نیچے رکھا وائرلیس سیٹ نکالا اسے آن کیا تو جہادی کی آواز کانوں میں گونجنے لگی نعیم، نعیم، نعیم...... انہیں اس دن نہیں آنا تھا اور میں سوچ رہی تھی انہیں کیا کہوں یہ کہ مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے یا یہ کہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ آنکھوں کے کناروں سے آنسو ڈھلک ڈھلک کر گر رہے تھے۔ میری طرف سے صرف پریسنگ

ہو رہی تھی اور جہادی مسلسل کہہ رہے تھے نعیم کیا تم مجھے سن رہے ہو بالآخر میں نے کہہ دیا جی سن رہا ہوں آپ جلدی سے میرے پاس آ جائیں۔ میں جانتی تھی کہ وہ کس قدر مصروف ہیں لیکن بہت مجبور ہو کر میں نے انہیں بلالیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ میرے پاس پہنچ آئے......اور ہسپتال نہ جانے پر برہمی کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ معاملہ بنا تھا۔ وہ رات ایک امتحان سے کم نہ تھی جہادی پریشان ہو رہے تھے کہ اس ناقابل برداشت درد کی وجہ کیا ہے مجھے لگ رہا تھا کہ میں تھوڑی دیر کی مہمان ہوں۔ انہیں بھی میرے بچنے کی اُمید ہی نہیں رہی تھی۔ صبح چار بجے میں نے ان سے کہا اب آپ چلے جائیں صبح ہوتے ہی ہم ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں گے...... اور اگر میں نہ رہی کبھی اگر مجھ سے دل دکھا ہو تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔ انہوں نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا جب میں کل شام کو آؤں گا آپ بالکل ٹھیک ہو کر آ گئی ہوں گی۔ جاتے ہوئے انہوں نے تکیے پر پڑی چھوٹی گن (سکارپین) کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر رُک کر میری طرف دیکھنے لگے میں ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی اور ان کی گن کو بوسہ دے کر انہیں پکڑا دی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ واپس مڑے اور مجھ سے ایک عجیب سوال کیا، ان کی آنکھوں میں رات جاگتے رہنے سے سرخ ذرے چمک رہے تھے اور ان کے علاوہ آنسوؤں کی نمی بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان کو شہیدوں کی یاد میں روتے تو دیکھا تھا لیکن اس کے علاوہ کسی بڑی پریشانی پر بھی ان کی آنکھوں کو نمناک نہیں دیکھا۔ مجھے آج بھی ان کی جھیل جیسی آنکھوں میں وہ تیرتے آنسو یاد ہیں اور وہ سوال بھی کہ سعدی مجھے قیامت کے دن پکڑو گی تو نہیں؟ میں اس عجیب سوال پر حیرت سے انہیں تکے جا رہی تھی۔ میری آنکھوں میں چھپے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے وہ بولے میں شوہر ہونے کا حق ادا نہیں کر سکا۔ آپ اس قدر بیمار ہو اور میں آپ کے ساتھ رہنے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کہو گی تو میں ہسپتال ساتھ چلتا ہوں، جو ہوگا دیکھ لیں گے۔ اس وقت میری جو حالت تھی اس کی وجہ سے میرا دل کرتا تھا کہ وہ ایک پل کے لیے بھی میری نظروں سے دُور نہ ہوں لیکن میں نے ہمت و حوصلے کا دامن تھام کر انہیں کہا...... مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے میں راہِ جہاد کی آزمائش سمجھ کر اس چیز پر صبر کر لوں گی۔ مجھے آپ کی زندگی عزیز ہے۔ آپ صرف اپنا خیال رکھنا میرے لیے یہی کافی ہے۔

صبح سویرے، ہم لوگ اسی لیڈی ڈاکٹر کے کلینک پر چلے گئے جس نے مجھے ہسپتال میں داخل ہونے کا کہا تھا۔ وہ قدرے ناراضگی سے بولی میں نے آپ کو بروقت خبردار کیا تھا آپ نے اپنے لیے خود مسائل پیدا کر دیئے ہیں...... اور میں آپ کو کئی روز تک اس جگہ تلاش کرتی رہی۔ اس نے الٹرا ساؤنڈ کیا اور رپورٹ دیکھ کر اس کے چہرے پر شکنیں اُبھر آئیں۔ پھر ہمیں سرینگر کے مشہور اور بڑے ہسپتال S.M.H جانے کا کہا اور یہ بھی کہا کہ اب میرا علاج وہیں ہوسکتا ہے اور کسی پرائیویٹ کلینک پر نہیں...... میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے آخر کیا مسئلہ ہے اس نے ہمدردی سے مجھے گلے لگایا اور بولیں کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اس کے رویے سے میں نے محسوس کر لیا کہ یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔ چارو ناچار ہم کاکہ سرائے سرینگر میں واقع ہسپتال S.M.H میں چلے گئے۔ یہ چاروں طرف سے بنکروں میں گھرا ہوا ہے۔ ڈاکٹروں نے رپورٹ دیکھ کر کہا کہ پیٹ کے اندر پیپ پڑی ہوئی ہے۔ پھر مجھے کافی دیر تک ایک اذیت ناک مرحلے سے گذرنا پڑا۔ میرے پہلو میں موٹے سرنج داخل کر کے وہ دیکھتے رہے کہ اندر پیپ ہے کہ نہیں...... ایک زندہ پر بار بار یہ تجربات، میرے لیے وہ انتہائی صبر آزما لمحات تھے۔ بالآخر ایک سرنج میں پیپ نکل آئی اور ڈاکٹر نے فوراً آپریشن لکھ دیا۔ اس دن تاریخ 2رمئی تھی اور پہلے آپریشن کو صرف پندرہ دن ہوئے تھے۔ دوسرے آپریشن کا سن کر میرے پاؤں سے زمین نکل گئی لیکن صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آزمائشیں میرے مقدر میں لکھ دی تھیں۔ مجھے اپنا خواب یاد آ گیا ایک پھول کے پیچھے دوبار زخمی ہونا۔ ابھی ایک زخم باقی ہے یہ سوچ کر میں نے خود کو تیار کر لیا۔ ڈاکٹروں نے ایک درجن ٹیسٹ لکھ کر دیئے اور فوراً آپریشن کی تیاری کرنے کا کہا...... مشتاق بھائی اَن پڑھ تھے...... اور مجھے خود ہی بورڈ پڑھتے ہوئے لیبارٹریاں تلاش کرنی پڑیں۔

دونوں بچیوں کو مشتاق بھائی نے سنبھالا ہوا تھا۔ ان کی بچی امبر فاطمہ اس وقت دو سال کی تھی۔ وہ بھی ساتھ ہی تھی۔ میں بہن جی کا سہارا لیکر گرتے پڑتے کبھی اُوپر اور کبھی نیچے پھر رہی تھی۔ اس دن کو میں کبھی بھلا نہیں سکتی، دُکھ اور بیماری ہر انسان پر آتی ہے لیکن ایسے مشکل

حالات میں جب انسان تنہا ہو تو بے بسی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے میں ہسپتال کی گیلریوں میں چلتے چلتے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتی تھی اور بہن جی دو گھونٹ پانی پلا کر مجھے پھر سے اُٹھنے کے لیے حوصلہ دیتی تھی۔

میرے ہاتھ پر بوتل لگی ہوئی تھی اور سیرت فاطمہ بہن جی کی گود میں بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ڈاکٹر آپریشن کے لیے جلدی مچا رہے تھے میں نے آخری خواہش کے طور پر اس کو دودھ پلایا۔ آخری ملاقات سمجھ کر اس کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور ایک بار پھر ذبح ہونے کے لیے تھیٹر کی طرف چل پڑی۔ یہ بہت سیریس قسم کا آپریشن تھا، ڈاکٹروں نے ضد پکڑی کہ شوہر کی اجازت یا دستخط کے بغیر ہم آپریشن نہیں کر سکتے، پہلے انہیں بلا لو۔ ہم انہیں یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ہم کون ہیں۔ بڑی مشکل سے ہم نے انہیں آمادہ کیا۔ شام چار بجے آپریشن شروع ہوا اور رات آٹھ بجے مجھے نیم مردہ حالت میں تھیٹر سے نکالا گیا۔ بہن جی نے رابعہ اور نصرت کو فون کر کے بلایا وہاں سے ان کا گھر قریب ہی تھا۔ انہیں میرے پاس چھوڑ کر وہ خود بچوں کو لیکر گھر چلی گئی۔ انکے گھر پہنچنے تک جہادی دو چکر لگا گئے تھے۔ دروازے پر تالا دیکھ کر انہیں شک پڑا تھا کہ سعدیہ کسی مشکل میں ہے ورنہ اس وقت تک انہیں واپس آ جانا چاہیے تھا۔ انہوں نے رابعہ کے گھر فون کیا تو آنٹی نے انہیں میرے دوسرے آپریشن کا بتایا۔ بعد میں جہادی نے مجھے بتایا کہ یہ خبر سن کر گویا مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑا میں سرینگر کی گلیوں میں آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر تمہاری زندگی کا سوال کرتا رہا۔ ایک بار پھر بہن جی کے گھر کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھلا دیکھ کر دل میں اُمید کی کرن پیدا ہو گئی۔ اندر جب گیا تو سیرت فاطمہ جھولے میں پڑی رو رہی تھی۔ میں اسے چھوڑ کر کمرے کی طرف گیا لیکن وہاں آپ کا خالی بستر اور ویران کمرہ دیکھ کر میں بجھ سا گیا۔ واپس آ کر سیرت کو سینے سے لگا کر پیار کیا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ایک سوال تھا بابا جانی! میری ماں کدھر ہیں......؟ اس بات پر میرا دل تڑپ رہا تھا کہ یہ ننھی سی بچی ماں کے بغیر کیسے رہے گی۔ پھر میں نے تمہاری تندرستی کے لیے ہزاروں سجدے کیے۔

گھر والوں نے انہیں بتایا کہ پیٹ کے اندر پیپ پڑی تھی جو آپریشن کے ذریعے نکال لی

گئی۔ چند دن تک وہ واپس آ جائیں گی وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ سعدیہ اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ میرا سارا پیٹ کٹا ہوا تھا...... اور پیٹ کے اندر تین پائپ داخل کئے گئے تھے جن کے ذریعے سے باقی ماندہ پیپ نکل رہی تھی۔ میرے قریب رہنے والوں کو انفیکشن کا خطرہ تھا اس لیے ڈاکٹر نے بچی کو مجھ سے دُور رکھنے کی سخت تاکید کی تھی۔ بہن جی کو دونوں بچیوں کے ساتھ ساتھ ہسپتال میں کھانا پہنچانے کی ذمہ داری اور گھر کا خیال بھی رکھنا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے غازی بابا سے کہا کہ اتنی ساری مصروفیات کی وجہ سے وہ بچی کے فیڈر کا خیال نہیں رکھ پاتی اور وہ بچی کو اپنا دُودھ پلانا چاہتی ہیں۔ ان کے پاس اجازت دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح وہ سیرت فاطمہ کی رضاعی ماں بن گئی۔

چار دن مجھ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی۔ بہن جی والے ہر روز جہادی کو میری طرف سے سلام و پیغام دیتے رہے انہوں نے جہادی کو میری حالت کی بھنک بھی نہ پڑنے دی۔ ایک دن ڈاکٹروں نے آنٹی سے کہا کہ آپ کا مریض بہت سیریس ہے آپ کچھ صدقہ خیرات کرلیں تو اچھا ہے۔ میرے پیٹ سے جو مواد نکالا گیا تھا وہ ٹیسٹ کے لیے میڈیکل کالج بھیج دیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں کو خدشہ تھا کہ خدانخواستہ کینسر کا مرض لاحق نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے آنٹی سے یہ کہا۔ دوسرے دن ہسپتال میں ایک دنبہ صدقہ کیا گیا۔ نصرت کے گھر والوں نے سجدوں میں غائبانہ دعا کرائی...... اور بھی کئی مخلصین کی دعائیں تھیں کہ پانچویں روز میں موت کے دروازے سے واپس آگئی۔ مجھے یاد ہے جب مجھے ہوش آیا تھا تو ڈاکٹر نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہم آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ اب آپ خطرے سے باہر ہیں۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ کیونکہ کھڑا ہونے سے جسم کے اندر باقی ماندہ پیپ پائپ کے ذریعے نکل جاتی تھی میری حالت بہت خراب تھی۔ کھڑے ہوتے ہی میں بے ہوش ہو جاتی تھی۔ وارڈ کے تمام لوگ صبح اُٹھ کر نصرت سے پوچھتے تھے کہ کیا ابھی ہے۔ مجھے خود یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس بیڈ سے اب میرا جنازہ ہی اُٹھے گا۔ پھر ایک دن مجھے جہادی کا خط ملا انہوں نے لکھا تھا کہ ''اتنے دن گذر گئے آپ واپس کب آئیں گی اور بھی بہت کچھ......'' میں نے آخری ملاقات سمجھ کر انہیں

پیغام بھیجا کہ شاید اب ہم نہیں ملیں گے۔انہیں پیغام سے اندازہ ہوگیا کہ میری حالت ٹھیک نہیں ہے رات کے وقت وہ ایک بار پھر جان جوکھوں میں ڈال کر میرے پاس آگئے۔ہسپتال میں اس وقت ایس ٹی ایف اور بی ایس ایف کے کئی اہلکار زیر علاج تھے......اور فوجی اکثر انہیں جوق در جوق دیکھنے آتے تھے۔ان حالات میں جہادی کو اِدھر پا کر میں پریشان ہوگئی۔وہ بس مجھے دیکھتے ہی رہ گئے، میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی۔انہوں نے حیران ہوکر مجھے کہا......سعدیہ اُٹھ کر بیٹھو یہ تمہارا کیا حال ہوا ہے پھر انہیں معلوم ہوا کہ میں کن مراحل سے گزری اور انہیں جو پیغام ملتے رہے وہ صرف ان کی تسلی کے لئے تھے 11 مئی کو ہمیں چھٹی مل گئی......اور ہم ایک بار پھر سکہ ڈافر کی گلیوں میں پہنچ گئے۔اس دن دل کو جیسے کوئی خوشی نہ تھی۔بہن جی نے مجھے سہارا دے کر گھر کے اندر داخل کیا۔جہادی گھر میں موجود ہی تھے۔

اگلے دن وہ کسی خاص کام کے لیے باہر جا رہے تھے۔میں نیم بیہوشی کی کیفیت میں بستر پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی......انہوں نے مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا اور پوچھا میں کون سے کپڑے پہنوں۔اتنے دنوں کے بعد آپ آئی ہیں میرے ساتھ باتیں کرو۔میرا سر بری طرح چکرایا اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔پندرہ دنوں میں دو بڑے آپریشن کوئی معمولی بات نہ تھی۔میں اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ ایک بار جب میں نے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھا تو صحیح معنوں میں مجھے وحشت ہوگئی۔انہوں نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا سعدی! اپنے آپ کو سنبھالو۔مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ آپ میرے سامنے زندہ سلامت ہو۔اس رات آپ کی حالت دیکھ کر میں آپ کو دوبارہ دیکھنے کی اُمید کھو بیٹھا تھا۔میں اس بات سے دل کو تسلی دیتا رہا کہ میری سعدیہ بہادر ہے مجاہدہ ہے وہ اس بیماری سے لڑ کر اور جیت کر میرے پاس آئے گی۔میں نے کہا مجھے صرف اس بات کی فکر ہے کہ کیا میں دوبارہ ویسے ہی پہاڑوں پر بھاگا کروں گی؟ ہمارا راستہ تو بہت کٹھن ہے کیا میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔انشاء اللہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے سے بھی اچھی صحت دے گا۔

جب ہم ہسپتال سے آ رہے تھے تو ڈاکٹر نے نصرت سے کہا تھا کہ اپنے بہنوئی صاحب کو

بلا لیں ان سے کہیں کہ اس کو پہلگام اور گلمرگ جیسے پرفضا مقام کی سیر کرائیں۔ ماحول کی تبدیلی سے ان کی طبیعت میں بہتری آ جائے گی۔ (ہم نے ان سے کہا تھا کہ میرے شوہر لداخ میں ڈیوٹی پر ہیں اور انہیں چھٹی نہیں مل سکی) کیونکہ وہ روزانہ ان کا پوچھتے تھے۔

بہر حال میں نے بیماری کا وہ طویل عرصہ MD پوائنٹ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں تنہا گذارا۔ جہادی میری تنہائیوں کو دیکھ کر کبھی دن کو ٹھہر جاتے تھے اور مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا میں دن بھر اکیلی رہ کر پریشان ہو جاتی ہوں؟ اور کیا ان حالات میں گھر والوں کی کمی محسوس ہوتی ہے؟ میرا جواب ہمیشہ نہیں، ہوتا تھا لیکن میری آنکھیں انہیں بہت کچھ بتاتی تھیں...... ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ ماں جی کو کچھ دنوں کے لیے بلا لیتے ہیں۔ میں نے کہا جب میں ٹھیک ہو جاؤں تو پھر کسی جگہ بلائیں گے کیونکہ ہمارا وہ ٹھکانہ اہم بھی تھا اور ان کے پیچھے بھی آرمی کے جاسوس لگے ہوتے تھے۔ میرا دل تو بہت کرتا تھا کہ میری پیاری ماں آ کر میرے سر پر ہاتھ رکھے۔ لیکن فقط اس لیے اپنی اس خواہش کا گلہ گھونٹ دیا کہ کہیں اس چیز سے کوئی نقصان نہ ہو۔ میرے زخموں کو بھرنے میں ایک ڈیڑھ ماہ لگ گیا اور مکمل ٹھیک ہونے میں کافی وقت لگ گیا...... ایک دن جہادی نے مجھ سے کہا...... سعدیہ! آپ نے اتنی بڑی آزمائش کا دور قید تنہائی میں صبر سے گزارا۔ اس بات سے میرے دل میں آپ کی محبت اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور مجھے آپ پر فخر ہے۔ میں نے کہا یہ دوسرے خواب کی تعبیر پوری ہو چکی ہے۔ آزمائش کا دور گذر گیا اور اب انشاء اللہ آسانیاں آئیں گی۔

حزب المجاہدین کے کمانڈر انچیف سے ملاقات

انہوں نے میری پسند کے مطابق کپڑے پہنے اور ظہر کے بعد روانہ ہوئے، جاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے خصوصی دعاء کرنے کا کہا۔ اس دن یعنی ۲۱ مئی ۲۰۰۲ء کو انکی حزب المجاہدین کے کمانڈر انچیف بھائی سیف الاسلام کشمیری شہیدؒ کے ساتھ ایک اہم مشاورت تھی۔ حزب کے ساتھیوں نے یہ انوکھی شرط رکھی کہ غازی بابا بالکل اکیلے آئیں کیونکہ ہماری تنظیم کے اعلیٰ ذمہ داران اس میٹنگ میں شرکت کر رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں مشاورت ہونی ہے وہ ہمارا بہت خاص اور اہم پوائنٹ ہے۔ یہ کافی مشکل شرط تھی، انڈیا غازی بابا کے پیچھے اپنی تمام خفیہ ایجنسیوں کو لگا چکا تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر ساتھیوں نے انہیں تن تنہا جانے سے منع کیا۔ غازی بابا نے اپنے جانثار ساتھیوں سے کہا: ساتھیو! جب حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم جرنیل تن تنہا دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ہم بھی انہی کے نام لیوا ہیں اور پھر حزب والے تو ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ان پر کیوں نہیں اعتماد کر سکتے۔ آپ فکر نہ کرو میں اکیلا جانے کے لیے تیار ہوں۔ اس وقت صادق آباد کے رہنے والے بھائی سیف الرحمٰن باجوہ شہیدؒ حزب کے ملٹری ایڈوائزر تھے۔ وہ غازی بابا کے محلے دار تھے اور وادی میں دونوں کے درمیان بہت اچھے تعلقات تھے۔ بھائی سیف الرحمٰن باجوہ شہیدؒ اس مشاورت میں شرکت کر رہے تھے۔ غازی بابا نے انکے ساتھ رابطہ کر کے ایک پوائنٹ طے کر لیا۔ وہاں تک ساتھی ان کے ساتھ گئے اور آگے بھائی سیف الرحمٰن نے انہیں وصول کیا۔ جب وہ دونوں مقررہ جگہ پہنچے تو حزب المجاہدین کے کمانڈر بھائی سیف الاسلام شہیدؒ جو عمر رسیدہ اور بزرگ انسان تھے نے بھائی سیف الرحمٰن شہیدؒ سے کہا کہ ہم نے تو غازی بابا کو ملاقات کی دعوت دی تھی یہ آپ کس کو لے کر آئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا حضرت یہ ہی غازی بابا ہیں۔ انکے ذہن میں شاید یہ تھا کہ بھارت کی نیندیں اُڑانے والا اور سرینگر کی گلیوں

میں دن دیہاڑے بھارت کے غرور کی دھجیاں اُڑانے والا غازی بابا کوئی عمر رسیدہ شخص ہوگا لیکن اپنے تصورات سے برعکس اپنے سامنے ستائیس سال کے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر انکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اس نوجوان جرنیل کے استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے اور اِنہیں گلے سے لگالیا۔ یہ معانقہ انکے لیے ایک اور حیرت کا باعث بنا کیونکہ غازی بابا اسلحہ کے زیور سے مزین تھے جبکہ دیگر عام مجاہدین سرینگر میں غیر مسلح حالت میں رہتے تھے۔ وہ اِس بات سے بے حد متاثر ہوئے کہ ایک ایسا شخص جسکے سر کی کروڑوں روپے قیمت لگادی گئی ہے۔ جس نے ہندوستان کو ایسا زخم دیا کہ وہ اسے بھارت کا اُسامہ کہنے پر مجبور ہوگیا وہ اِس طرح مسلح حالت میں دشمن کے بیچ میں نہ صرف گھوم رہا ہے بلکہ کامیاب کارروائیاں بھی کررہا ہے۔

میٹنگ کا ایجنڈہ

اس مشاورت کے سبھی مقاصد تو معلوم نہ ہو سکے البتہ جن باتوں کا علم ہوا ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

1. دشمن کے بارے میں موجود معلومات کا تبادلہ، مثلاً دشمن کے پاس موجود جدید ساز و سامان اور ہتھیاروں کے بارے میں ایک دوسرے کو معلومات فراہم کرنا اور ان سے نمٹنے اور بچنے کی تدبیروں پر اظہارِ خیال کرنا۔
2. دشمن کے خلاف کارروائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں ہتھیاروں، افراد اور معلومات کے ذریعے تعاون کرنا۔
3. جموں اور سرینگر کی جیلوں میں موجود اسیر مجاہدین کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔ اس حوالے سے حزب کے ساتھی بھائی عبدالرحمٰن قندھاری کی رہائی کے حوالے سے کچھ اہم کام اپنے ذمے لینے کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن بعد میں بھائی عبدالرحمٰن نے غازی بابا کو پیغام بھیجا کہ آپ فی الحال میرے حوالے سے کوئی کام نہ کریں کیونکہ دشمن کو ابھی تک میری اصلیت معلوم نہیں ہو سکی ہے اور آپ کی کوششوں سے انہیں میری اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا جو میرے لیے بہتر نہیں ہوگا۔ اِسکے علاوہ باہمی رابطوں کو بہتر بنانا اور عسکری حکمتِ عملی اور پالیسیوں پر تبادلہ خیال کرنا بھی مشاورت میں شامل تھا۔ مشاورت سے فارغ ہونے کے بعد بھائی سیف الرحمٰن باجوہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اسی جگہ ساتھیوں کے حوالے کر دیا جہاں سے وصول کیا تھا۔ جہادی جب واپس آئے تو بہت خوش تھے۔ اُنہوں نے خوشی سے مجھے مشاورت کے احوال سنائے اور بولے الحمدللہ ہم ہر لحاظ سے مضبوط اور خود کفیل ہیں۔ اسلحہ، کارروائیوں اور حکمت عملی غرض ہر لحاظ سے ہماری تنظیم قابل رشک اور قابل تقلید ہے انھوں نے اس بات پر اللہ کا شُکر ادا کیا۔

جُہدِ مسلسل

غازی بابا کا مزاج ہر وقت دشمن پر کارروائیاں جاری رکھنے کا تھا۔ وہ اس چیز کے قائل نہ تھے کہ صرف انتظامات اور فیلڈ بنانے میں ہی وقت صرف ہوتا رہے۔ یعنی میرے پاس محفوظ حفاظتی ٹھکانے ہوں ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد اِرد گرد جمع ہو تو پھر دشمن پر حملے کیے جائیں بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مشکلات اور افراد کی قلت کے باوجود دشمن کے خلاف حملے جاری رکھیں گے تو اللہ رب العزت کی نصرت اُترے گی اور کام میں برکت ہوگی۔ ہمارے تابڑ توڑ حملوں سے دشمن اپنے دفاع پر زیادہ توجہ دے گا اور ہمارے خلاف جارحانہ سازشوں میں واضح کمی آئے گی۔

چونکہ سرینگر شہر بھائی عبدالرحمٰن قندہاری کی فیلڈ تھا اسلئے وہاں کے تمام ٹھکانوں کا بھی ان ہی کو علم تھا۔ جہادی ان کے خاص ٹھکانوں پر رہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ بھائی عبدالرحمٰن ابتدائی انٹروگیشن کے مراحل سے صبر واستقامت سے گذر چکے تھے لیکن وہ تا حال زیرِ تفتیش ہی تھے۔ سرینگر میں فوری طور پر متبادل ٹھکانے بنانا انتہائی مشکل کام تھا اور وہاں رہنے والے ساتھیوں کے پاس الگ الگ ٹھکانا ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ مجاہدین دن کے وقت دشمن کے درجنوں بنکروں، کیمپوں اور ہزاروں فوجیوں کے درمیان ہی سے گذرتے اور کارروائیاں بھی کرتے تھے۔ مجاہدین نے اپنے ساتھ اس انداز سے اسلحہ لگایا ہوتا تھا کہ شہر کے اندر فوجیوں اور عوام الناس کے درمیان گھومتے پھرتے وہ سامان نہ نظر آئے اور بوقت ضرورت آسانی سے استعمال کر کے دوبارہ چھپا دیا جا سکے۔ ان حالات کے پیشِ نظر کسی بھی مجاہد کی گرفتاری کے امکانات موجود رہتے تھے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر ساتھیوں کو الگ الگ جگہوں پر رکھا جاتا تھا۔

بھائی عبدالرحمٰن قندہاری کی گرفتاری غازی بابا کے لیے ایک بڑی آزمائش تھی۔ وہ

انتہائی با صلاحیت ہونے کے علاوہ سرینگر کے ہر گلی کوچے سے واقف تھے۔ غازی بابا کو سرینگر کے چپے چپے سے متعارف کرانے والے بھی قندہاری ہی تھے اور دونوں دشمن پر حملے بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن کی اچانک گرفتاری نے غازی بابا کو جیسے تنہا کر دیا۔ ٹھکانوں کی کمی کے باعث ساتھیوں کی تعداد میں فوری طور پر اضافہ کرنا ممکن نہ تھا۔ ابتدائی طور پر انھوں نے صفاپورہ کی فیلڈ سے عثمان بھائی کو سرینگر بلالیا اور سرینگر میں دوبارہ کارروائیوں کا آغاز کر دیا کیونکہ انفرادی کارروائی میں دو ساتھیوں کا ہونا لازم تھا کیونکہ دوسرے ساتھی کا حملے کے وقت کور فائر دینے کے لیے موجود ہونا ضروری تھا۔ اسکے علاوہ کچھ مقامی ساتھی بھی بوقت ضرورت ساتھ ہوتے تھے۔ وہ کام سے فارغ ہوکر اپنے گھر چلے جاتے اور غیر مسلح ہو جاتے تھے۔ اس طرح ایک عرصہ تک یہ دو افراد ہی دشمن کے خلاف برسرپیکار رہے۔ ۱۸ مئی کو یہ دونوں سرفروش کارروائی کے لیے جارہے تھے۔ جہادی نے مجھ سے کہا کہ بیمار کی دعاء جلد قبول ہوتی ہے اسلئے آپ بہت دعائیں کرنا۔ بٹہ مالو بس اڈہ اور بمنہ کے درمیان میں ٹٹو گراؤنڈ کے نام سے بڑا فوجی کیمپ تھا۔ غازی بابا نے اس پر شیلنگ کا پلان بنایا تھا۔ انھوں نے ایک بیگ میں گرنیڈ لانچر ڈالا اور اپنے جسم پر مخصوص اسلحے کا بیلٹ باندھ لیا۔ جی۔ ایل کو کلاشنکوف کے بیرل کے ساتھ فٹ کر کے شیلنگ آسانی سے کی جاتی تھی لیکن سرینگر شہر میں کلاشن لیکر چلنا پھر حملہ کرنے سے پہلے اسکے ساتھ جی۔ ایل فٹ کرنا اور پھر دوبارہ کھولنا ایک مشکل کام تھا۔ اسلئے جیش کے مجاہدین بلکہ عبدالرحمٰن قندہاری نے یہ طریقہ نکالا تھا کہ بغیر کلاشن کے جی ایل کی شیلنگ کی جاتی تھی۔ غازی بابا نے اس فدائی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے دوپہر کے بعد ٹٹو گراؤنڈ فوجی چھاؤنی پر شیلنگ کی۔ اسکے بعد وہاں سے نکل کر سرینگر کے دوسرے سرے پر واقع نوشہرہ میں ایک فوجی کیمپ پر حملہ کیا۔ ایک دن میں دو کیمپوں پر حملے ہوئے اس پر بھارتی فوجی سخت خوف زدہ ہوگئے وہ سمجھ رہے تھے کہ سرینگر شہر میں مجاہدین کی ایک بڑی تعداد داخل ہوگئی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد کٹھ پتلی وزیرِ اعلیٰ فاروق عبداللہ نے اپنے فرزند عمر عبداللہ کو نیشنل کانفرنس کی سربراہی سونپنے کا اعلان کیا۔ اسکے لیے ایک بڑے جلسے کا انعقاد کیا گیا۔ یہ جلسہ

بادامی باغ کیمپ کے قریب واقع پولو گراؤنڈ میں ہو رہا تھا۔ اس موقع پر حزب المجاہدین والے کارروائی کا اِرادہ رکھتے تھے لیکن کسی نامعلوم وجہ سے کارروائی کا پلان نہیں بنا سکے۔ انھوں نے غازی بابا سے کارروائی کرنے کی اپیل کی۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ اسکے باوجود انھوں نے ہنگامی بنیادوں پر پلان ترتیب دیا اور عثمان بھائی کے ساتھ ایک اور کشمیری ساتھی کو اس کام کے لیے تیار کر لیا گیا۔ جلسہ شروع ہونے سے ایک دن قبل جلسہ گاہ کے چاروں طرف تین کلومیٹر کے علاقے میں بہت سخت سیکیورٹی انتظامات کر دیئے گئے مگر جیش کے شاہین انڈیا آرمی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جلسہ گاہ سے صرف چار کلومیٹر دور ایک ہسپتال میں داخل ہو کر ایک اونچی جگہ مورچہ سنبھال بیٹھے اور پھر عین اِسی وقت جلسہ گاہ پر مارٹر شیلنگ کی گئی جب وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا فرزند ارجمند عمر عبداللہ نیشنل کانفرنس کی صدارت ملنے پر تقریب سے خطاب کر رہا تھا اور مجاہدین کو ختم کرنے کے دھماکے دار دعوے کر رہا تھا۔ مارٹر شیلنگ سے جلسہ گاہ میں افراتفری پھیل گئی اور غدارِ ملت وقوم کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں بھاگے پھر رہے تھے۔

۲۵ مئی کو غازی بابا اور عثمان بھائی کاکہ سرائے میں شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک موٹا تازہ مگر کالا سیاہ بھارتی فوجی دھوپ میں کھڑا اونگھ رہا تھا۔ غازی بابا نے ساتھی کو اسکی طرف بھیجا اور خود کور فائر کے لیے دور کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی ایک پی۔سی۔او تھا۔ ساتھی اس کے اندر داخل ہوا۔ لال موہن اپنی ہی دنیا میں مگن کھڑا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اسکی ماتا جی نے نہ جانے کیا سوچ کر اِس کالے بھوت کا نام لال موہن رکھدیا تھا بہرحال عثمان بھائی نے دوکان کے اندر سے اس کا بھرپور جائزہ لیا پھر یکا یک دوکان سے باہر آئے اور لال موہن کی کھوپڑی میں ایک گولی ماری لال موہن واقعی ہی لال موہن بن گیا۔ اسکے سر سے خون کا فوارہ اُبل پڑا اور کسی بے جان بُت کی طرح گر پڑا۔ مجاہدین جہادی گھوڑے پر سوار ہو کر قمروادی چوک میں پہنچے وہاں پر ایس۔ٹی۔ایف کی ایک گاڑی کھڑی تھی فرنٹ سیٹ پر کچھ اہلکار بیٹھے تھے اور پچھلا حصہ خالی تھا۔ انھوں نے گاڑی کے اندر ایک گرینیڈ پھینکا اور گاڑی کے پرخچے اُڑ گئے۔ مئی کے آخر میں انھوں نے لال چوک کے ایک اہم علاقے

ماسٹیمہ میں ایک فوجی کے سر میں گولی مار کر نرگ (جہنم) میں پہنچا دیا۔

سرینگر کافی بڑا شہر ہے جس کے چپے چپے پر بھارتی پہرہ دے رہے ہیں اہم جگہوں اور بڑے بڑے چوکوں میں ظہر سے شام تک فوجی حفاظتی نقطہ نظر سے فوجی گاڑیاں کھڑی ہو جاتی تھیں۔ایک ہی جگہ پر کھڑے فوجیوں کی تعداد دس سے بارہ ہوتی تھی۔اسکے علاوہ سڑک کے دونوں طرف ایک ایک فوجی کھڑا ہوا کرتا تھا۔ان کے درمیان بھی زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔مجاہدین دن بھر پورے شہر میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔جوں ہی کوئی فوجی اپنی پوزیشن سے تھوڑا بہت ہٹ جاتا یا کچھ خریدنے کے لیے دیگر فوجیوں سے ذرا دور ہو جاتا تو وہ مجاہدین کا نشانہ بن جاتا تھا۔ایک دن غازی بابا کاکہ سرائے سے بٹہ مالو اور وہاں سے لال چوک، ہری سنگھ ہائی سٹریٹ تک کا علاقہ گھوم کر آ گئے مگر کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا۔واپسی پر جب وہ بٹہ مالو میں داخل ہوئے تو بی۔ایس۔ایف کے ایک دستے کو دیکھ کر رُک گئے۔ایک فوجی ایسی جگہ پر کھڑا تھا جہاں سڑک سے ایک چھوٹا راستہ پیچھے کی طرف گزر رہا تھا۔گلی کے اس موڑ سے فوجی کو با آسانی نشانہ بنا کر نکلا جا سکتا تھا لیکن اِس فوجی کی مخالف سمت میں ایک دوسرا فوجی کھڑا تھا اسکی نظر اس گلی کی طرف تھی۔غازی بابا نے عثمان بھائی سے کہا: یار رِسک نہ لو چھڈ دو انوں۔۔۔۔۔انھوں نے مزاحاً کہا نہیں اُستاد جی، اَج اِنوں نئیں چھڈنا۔اسی دوران لال چوک سے بٹہ مالو کی طرف ایک بس آ گئی جب گاڑی سڑک کے دونوں اطراف کھڑے فوجیوں کے درمیان حائل ہو گئی اتنے میں عثمان بھائی نے پیچھے سے ایک فوجی کو کھٹکا دیا بس گذر گئی تو بی ایس ایف والا خاک وخون میں لت پت آخری سانس لے رہا تھا۔باقی فوجیوں کو سمجھ ہی نہ آئی کہ یہ سب کیا ہوا اور مجاہدین بحفاظت وہاں سے نکل گئے تھے۔

راہِ جہاد کے تمغے

اگست کا مہینہ تھا میرے زخم مندمل ہو چکے تھے لیکن پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن غازی بابا عیدگاہ میں سامان وصول کرنے گئے تھے۔اُس دن ان کے پاس موٹر سائیکل تھی۔شام کو وہ M.D پوائنٹ پر آئے۔کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے مسکراتے ہونٹوں سے سلام کیا۔میں نے محسوس کیا کہ چہرے کا رنگ فق ہے۔اسلئے میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا خیریت ہے۔انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا ٹھیک ٹھاک اور سامنے رکھے ہوئے صندوق پر بیٹھ گئے۔انھوں نے مجھے کمرے کا دروازہ بند کرنے کو کہا۔امبر فاطمہ (مشتاق بھائی کی بیٹی) ان کے آتے ہی ماموں ماموں کا نعرہ لگاتے ہوئے کمرے میں آجاتی تھی۔اسکے سامنے وہ اسلحہ نہیں کھولتے تھے۔میں نے دروازہ بند کر دیا اور انکے جوتے اُتارنے لگی۔انکی پنڈلی کے ساتھ نی کیپ (انگلیٹ) لگا ہوا تھا جس کے اندر گولیوں سے بھری ہوئی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔وہ اتنا سخت ہوتا تھا کہ ایک ایک گولی کا نشان اِن کی پنڈلیوں پر چھپ چکا تھا اور کمر کے ساتھ بندھے ہوئے پانچوں گرنیڈوں کے نشان بھی انکی کمر پر ثبت ہو جاتے تھے۔کیونکہ وہ سارا دن عوام الناس کے درمیان گھومتے پھرتے تھے اس لیے یہ چیزیں اتنی سختی سے باندھی ہوتی تھی تا کہ کبھی اچانک گر نہ جائیں میں ان کا سامان احتیاط سے بیگ میں رکھ رہی تھی اور اُنکی طرف دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ ضرور آج کوئی بات ہے۔جہادی دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر کے اسی صندوق پر بیٹھے ہوئے تھے اور کپڑے بھی تبدیل نہیں کر رہے تھے۔ساتھی خیریت سے ہیں؟ میرے پوچھنے پر اُنہوں نے جواب دیا ساتھی ٹھیک ہیں ایک بات بتاؤں آپ پریشان نہ ہونا مجھے چھوٹا سا زخم لگا ہے۔پھر وہ صندوق سے اُٹھ کر زمین پر بیٹھ گئے۔میری نظر جب اِن کی کمر پر پڑی تو اِنکے کپڑے خون سے تَر تھے۔اِنکی قمیص پر گولیوں کے جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے۔یہ سب کچھ دیکھ کر میں تڑپ

اُٹھی، میں نے پہلی مرتبہ انہیں اپنے سامنے اِتنا لہولہان دیکھا تھا۔ اُنھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا سعدیہ! میں بالکل ٹھیک ہوں اور تمہارے پاس چل کر آیا ہوں۔ اس لیے پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔

انکی کمر میں گولی لگی تھی اور بازو میں ایک چھرا لگا ہوا تھا۔ میرے پاس فرسٹ ایڈ کا سامان موجود تھا میں اِن کا زخم صاف کرنے لگی انھوں نے مجھ سے کہا کہ زخم کے اندر گولی موجود ہے آپ اِسکو نکالنے کی کوشش کرو۔ گولی ہڈی کے قریب جا کر رُک گئی تھی اور یہ سوچ کر میں لرز کر رہ گئی کہ اگر یہ کلاشنکوف کی گولی ادھر نہ رُک جاتی تو یقیناً اِنکا سینہ چیر کر نکل جاتی۔ میں اِنکے زخم کو کرید رہی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ جب انہیں زیادہ تکلیف ہوتی تو وہ دانتوں کو بھینچ دیتے مگر زبان سے اُف بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ ساری تکلیف میرے دل پر محسوس ہو رہی تھی۔ کسی زندہ اِنسان کو چیرنا، وہ بھی ایسی محبوب ہستی کو جس کی معمولی سی تکلیف بھی مجھے گوارا نہ تھی میرے لیے اِنتہائی صبر آزما کام تھا۔ میں نے اِن سے کہا کہ گولی کافی اندر ہے آسانی سے نہیں نکل سکے گی جہادی تو اِستقامت کا پہاڑ تھے بولے ذرا سا چیرا لگا دو۔ میں نے تھوڑی دیر مزید کوشش کی اِنکی تکلیف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اِن سے درخواست کی کہ کسی ساتھی کو بلائیں تاکہ آپ کے علاج کا کچھ اِنتظام کیا جا سکے اِس طرح آپ کو خوامخواہ تکلیف ہوگی اور گولی بھی نہیں نکلے گی۔ وہ بولے چلو رات گزرنے دو صبح دیکھ لیں گے آپ فی الحال پٹی کر دو۔ میں نے زخم صاف کر کے پٹی کر دی بازو پر صرف زخم ہی تھا ادھر بھی پٹی کر دی۔ پھر وہ وضو کرنے گئے اور مجھ سے کہا گھر والوں کو اس حوالے سے کچھ نہ بتاؤں۔ وہ ریاکاری سے بہت ڈرتے تھے اسلئے ایسے کاموں میں احتیاط کرتے تھے۔

وضو کرنے کے بعد وہ کچھ دیر مشتاق بھائی کے پاس بیٹھے رہے اور انہیں شبہ تک نہ ہونے دیا تب تک میں اِن کے لیے کھانا لے کر آ گئی تھی۔ اِس دن گھر میں وہی ساگ پکا تھا جسے جہادی گھاس کہا کرتے تھے اسکے علاوہ گھر میں کوئی اور چیز نہ تھی۔ مجھے آج بھی سوچ کر دُکھ ہوتا ہے کہ اِتنا سارا خون بہنے کے باوجود وہ اِس دن کھانا بھی ٹھیک سے نہ کھا سکے تھے۔ میں نے بہت کہا

کہ مشتاق بھائی کو بازار بھیجتے ہیں تاکہ کچھ پھل اور دودھ لے کر آئیں پر اُنھوں نے منع کیا۔ پھر تمام رات وہ تکلیف سے سو نہ پائے تھے۔

زخمی ہونے کا واقعہ کچھ اِس طرح ہوا تھا کہ وہ عیدگاہ کے نزدیک کچھ سامان وصول کرنے جا رہے تھے۔ اچانک مخالف سمت سے ایک فوجی گاڑی اِن کے پاس آ کے رُک گئی اور فوجی چھلانگیں لگاتے ہوئے گاڑی سے اُتر آئے اور رُکنے کا اشارہ کیا۔ اس ملاقات کی شاید کوئی مخبری ہوئی تھی یا کوئی اور وجہ، بہرحال فوجیوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یہ سب اچانک نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی طرف جا رہے تھے جس طرف سے گاڑی آ گئی۔ اُنھوں نے پیچھے پلٹنا مناسب نہ سمجھا اور موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ کر کے گاڑی کی طرف چلے گئے۔ فوجی سمجھے کہ یہ اب رُکنے والا ہے جب وہ گاڑی کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی اور آگے نکل گئے۔ فوجیوں نے رُکو، پکڑو کا شور مچایا اسکے ساتھ ہی ان پر کلاشنکوفوں سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ جہادی کہتے تھے کہ میرے اُوپر بارش کی طرح گولیاں برس رہی تھیں۔ تو میں نے کہا کہ جہادی آج تیرا کام ہو گیا تھوڑا آگے جا کر انھوں نے موٹر سائیکل کھڑی کر دی اور پیدل چلتے ہوئے M.D پوائنٹ پر آ گئے۔ وہ رات انھوں نے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری۔ صبح سویرے میں نے بہن جی کو پیسے دے کر کہا بھائی سے گوشت منگوائیں۔ وہ بولی ابھی تو بہت سویرا ہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے کہا کہ وہ زخمی ہیں اور رات بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔ مشتاق بھائی نے جلدی سے گوشت لا کر دیا اور انھیں رات نہ بتانے پر شکوہ کرنے لگے۔ وہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور میں نے گوشت پکانے کے لیے ککر میں ڈالا ہی تھا کہ انھوں نے مجھے اندر بلا لیا۔ جب میں اندر گئی تو وہ اندر ٹہل رہے تھے۔ کہنے لگے کہ موٹر سائیکل کی وجہ سے چھاپہ پڑنے کا خطرہ ہے کیونکہ مشتاق بھائی چند دن پہلے اِس کا کچھ کام کروا کر لائے تھے۔ اور دوکان کے کاغذات اسی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے ہمیں احتیاطاً یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ انھوں نے ساتھی کو بلایا اور اسکے ساتھ نکل گئے۔ میں نصرت کی طرف چلی گئی ان دنوں غازی بابا نے مجھے ایک جگہ کی ریکی کرنے کا کہا تھا۔ یہ جگہ زیرو برج راج باغ کے قریب نوائے صبح نام کا ایک کمپلیکس تھا جہاں بڑے بڑے سیاسی

لیڈروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ہم تینوں نے مل کر دوبارہ اس جگہ کی ریکی کی اور تقریباً ایک ہفتہ گزرنے کے بعد میری اُن سے دوبارہ ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے گولی کے متعلق پوچھا تو وہ بولے کہ اس کے لیے بھی آپریشن اور بیہوشی کے مراحل سے گزرنا تھا اس لیے میں نے نہیں نکلوائی۔ یہ دوسری گولی تھی جوان کے جسم میں ہی رہ گئی تھی۔ وہ گولیاں انہیں سردیوں میں بہت تکلیف دیتی تھیں اور جب کبھی بھولے سے انکی کہنی یا کمر پر وزن پڑ جاتا تب انہیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ کشمیر کے محاذ پر ایک منٹ بھی بیہوش ہونے کا رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان جا کر ہی آپریشن کراؤں گا۔ لیکن پھر پاکستان آنا ان کے مقدر میں ہی نہیں لکھا تھا اور وہ راہِ حق کے حسین تمغے لے کر اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ وہ سر سے لے کر پاؤں تک راہِ جہاد کے تمغوں سے مزین تھے۔ آٹھ بڑے زخموں کے نشان مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب مجھ سے پوچھیں گے کہ اب بتا جوانی کہاں اور کن کاموں میں صرف کی تو میں اپنے زخم دکھا کر کہوں گا اے میرے رب! تیرے دین کی سربلندی کے لیے محاذوں پر گذاری۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے زخموں کو نور سے بھر دیں گے۔ پھر وہ مجھے چھیڑتے ہوئے کہتے تھے۔ سعدی! آپ کے پاس کیا ہے آپ اللہ کو کیا دکھاؤ گی۔ میں صحیح معنوں میں پریشان ہو جاتی اور اللہ سے دل ہی دل میں دعاء کرتی تھی اے اللہ راہِ جہاد کے یہ تمغے مجھے بھی عطاء فرما۔ مجھے خاموش دیکھ کر وہ کہتے تھے۔ فکر نہ کرو آپ کے جو آپریشن ہوئے یہ زخم بھی آپ کو جہاد میں آ کر لگے ہیں یہ بھی انہی زخموں میں شمار ہونگے۔ بہر حال یہ مقدر کی بات ہے ورنہ اسلحہ لے کر آتے جاتے وقت کئی بار میرا دشمن سے آمنا سامنا ہوتا تھا اور مجھے یقین ہو جاتا تھا کہ آج میرا شہید ہونا لازمی ہے لیکن اللہ پاک نے میری ہر جگہ مدد فرمائی۔ ان ہی دنوں ایک بار میں گاندربل کی طرف سے اسلحہ لے کر آ رہی تھی۔ اس دن عیدگاہ کے قریبی علاقہ گندء پورہ میں خلاف معمول انڈین آرمی گاڑیوں کی تلاشی لے رہی تھی۔ جس بس پر میں تھی وہ دور دراز گاؤں گنگن سے آئی تھی اور گاؤں سے آنے والی گاڑیوں کی زیادہ سخت تلاشی لی جاتی تھی۔ آرمی نے مردوں کو گاڑی سے نیچے اُتارا۔ ایک فوجی عورتوں اور سامان کی تلاشی لینے کے لیے اُوپر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ڈیٹکٹر تھا یہ وہ آلہ تھا جو لوہے کی

ہر چیز کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے انڈین آرمی کو معلوم تھا کہ اسلحہ سپلائی کرنے کا کام عورتیں بھی کرتی ہیں اور عورتوں کی وہ جامہ تلاشی نہیں لے سکتے تھے اس لیے وہ ڈیٹکڑ عورتوں کے ساتھ لگاتے اور اگر ان کے پاس کوئی لوہے کی چیز موجود ہوتی تو پتہ چل جاتا تھا یہاں تک کہ سکے اور چابیاں تک نکال کر دکھانی پڑتی تھیں۔ میں بالکل سامنے والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر میں پچھلے دروازے سے بس سے اتر جاؤں تو اس کو شک پڑ سکتا ہے میرے ساتھ بچی بھی نہ تھی ورنہ اگر وہ ہوتی تو بچے کو پیشاب کرانے کے بہانے بندہ کھسک بھی سکتا تھا۔ میں سورت یٰسین کی آیت کا مسلسل ورد کیے جا رہی تھی فوجی دروازے میں کھڑا تھا وہ بولا سب لوگ برقع اوپر کر دو۔ بھارتی فوجی ہر جگہ اسی طرح بسوں میں چڑھ کر مسلمان عورتوں کے برقعے اُٹھوا کر انکی تذلیل کرتے تھے۔ جو عورت انکار کرے اسے ملی ٹینٹ قرار دے کر افسر کے پاس لے جایا جاتا تھا اور معاملہ زیادہ بگڑ جاتا تھا اس لیے مظلوم کشمیری مائیں اور بہنیں خاموشی سے اپنا نقاب اٹھا لیتی ہیں۔ فوجی کوئی مسخرہ سا تھا وہ گپ شپ لگانے کے انداز میں بولا کتنا گولہ بارود ساتھ لائی ہو۔ اس پر سب عورتیں خاموش رہیں۔ پھر بولا کہ میں آپ کی تلاشی لوں نہ لوں؟ عورتوں نے کہا تمہاری مرضی ہے۔ بنیا بولا چلو میں آپ لوگوں کو ویسے ہی جانے دوں گا لیکن سچ بتاؤ گولہ بارود تو نہیں لائی ہو؟ سب نے کہا نہیں لائے ہیں۔ اس کے بعد وہ مسخرہ گاڑی سے اُتر گیا۔ میں اس کے بالکل سامنے تھی اگر وہ ڈیٹکڑ غلطی سے بھی میرے ساتھ لگتا تو پتہ نہیں کیا ہونا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ میں لام سے سامان لے کر آ رہی تھی۔ ڈار گنائی گنڈ سے تھوڑا فاصلے پر وہاں کا کیمپ تھا اور وہ لوگ تقریباً روزانہ گاڑیوں کی تلاشی لیتے تھے۔ اس کیمپ سے بچنے کے لیے ہم لوگ پہاڑ کی طرف کا متبادل پیدل راستہ اختیار کرتے تھے اور پھر لمبا چکر کاٹ کر بڑی سڑک پر چڑھتے تھے۔ لام زیز بل سے سامان وصول کر کے میں ایک ہمدرد اماں جی کے گھر ٹھہری۔ انکی بیٹی نے صبح میرے ساتھ ترال تک جانا تھا اور وہاں سے میں نے اکیلے سرینگر جانا تھا۔ رات کو بارش شروع ہوئی اور صبح بھی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں نے اسلحہ لے کر ان کے گھر بھی رہنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا میرے پاس کچھ آر۔ سی اور ڈیٹونیٹر تھے

ایک آر جس گرنیڈ صرف اسلئے ساتھ رکھا تھا اگر کوئی مسئلہ بنا تو بلاسٹ کر کے شہید ہو جاؤں گی۔اماں جی مجھ سے بہت محبت کرتی تھی انھوں نے اپنی بیٹی کو میرے ساتھ کر دیا۔لٹرو کیمپ کے پاس آرمی نے گاڑی روکی اور تلاشی شروع کر دی۔میرے پرس میں مجاہدین کے کچھ پیسے بھی تھے وہ میں نے اس بہنا کے حوالے کر کے پچھلی سیٹ پر جانے کو کہا اور کہہ دیا کہ اگر میں شہید ہوئی تو یہ ساتھیوں کو دے دینا۔فوجی جب تلاشی لینے کے لیے آیا تو میں نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔اسکی قسمت اچھی تھی کہ وہ آدھی بس کی تلاشی لے کر اُتر گیا ورنہ میرے ساتھ وہ بھی چلا جاتا دراصل زیز بل میں ساتھی میرے لیے دعاء گو تھے اس لیے اللہ نے اس کافر کے ہاتھ موڑ دیئے۔

ایک اور موقع پر میں ترال سے لام کی طرف جا رہی تھی۔اس دن ترال میں کچھ مجاہدین شہید ہو گئے تھے۔اس لیے وہاں زبردست ہڑتال تھی۔ہر طرف مظاہرے اور توڑ پھوڑ ہو رہی تھی۔کسی بھی گاڑی کو نقل و حرکت کی اجازت نہیں تھی۔اسی دوران میری نظر ایک ساتھی پر پڑی وہ اس صورتحال سے پریشان ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔میں نے انکو سلام کر کے اِدھر کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی میں برقعے میں تھی وہ مجھے پہچان نہیں سکتے تھے۔پھر میں نے انہیں ساتھیوں کا تھوڑا سا حوالہ دے کر مطمئن کر لیا۔وہ لام جا رہے تھے اور گاڑی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھے میں نے ان سے کہا کہ میں بھی ادھر ہی جا رہی ہوں آپ میرے ساتھ چلیں شاید اس طرح سے آپ کو آسانی ہو۔وہ مسلح حالت میں تھے مجھے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔میں نے انہیں یہ کہہ کر قائل کر لیا کہ اگر کوئی مسئلہ ہوا تو دونوں بہن بھائی لڑیں گے اور شہید ہو جائیں گے۔ہمارا ارادہ کیمپ آنے سے پہلے اُترنے کا تھا۔راستے میں اس دن بھی بارش شروع ہو گئی اور بارش کے باوجود انڈین فوجی کیمپ سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپے بیٹھے تھے۔فوجی جھاڑیوں سے نکل کر اچانک سامنے آئے اور گاڑی روک لی۔اس نے ڈرائیور سے کارڈ مانگا اور مسلسل ہماری طرف دیکھ رہا تھا پھر ہم سے پوچھا: کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا سرینگر سے آئے ہیں اور ڈار میں شادی میں شرکت کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔اس نے ضرار بھائی سے کارڈ مانگا اور ان کا کارڈ ہاتھ میں لے کر وہ کارڈ کی بجائے ان کے چہرے کی طرف دیکھے جا

رہا تھا۔ ہمیں لگ رہا تھا کہ اس کو شک ہو گیا ہے اور اب وہ ہمیں نیچے اُترنے کا کہے گا۔ ہم اس بات کے لیے بالکل تیار ہو گئے تھے کہ اگر اس نے تلاشی لینے کی کوشش کی تو ہمیں کیا کرنا ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ آرمی والے کسی مرد کی تلاشی لئے بغیر چھوڑ دیں لیکن وہ کافر مبہوت سا کھڑا ہو کر ہماری طرف دیکھتا رہا پھر سر کے اشارے سے جانے کا کہہ دیا۔

اس طرح کے کئی واقعات ہیں جن سے اس بات پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے کہ موت میدان جنگ میں نہیں ہے بلکہ اس کا وقت مقرر ہے۔ غازی بابا کی شہادت کے بعد میں نے اس معاملے میں کبھی احتیاط نہیں کی بلکہ یوں کہوں کہ میں موت کے پیچھے بھاگتی رہی لیکن موت مجھ سے دور بھاگتی رہی کیونکہ موت میدان جنگ میں نہیں ہے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کا یہ قول کہ تمام دنیا کے بزدلوں سے کہہ دو کہ اگر موت میدانِ جنگ میں ہوتی تو سب سے پہلے خالدؓ مر جاتا۔ ہمارا اس چیز پر ایمان بڑھ رہا ہے۔

پیاری ماں

مجھے گھر سے آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ گذر گیا تھا۔اس دوران میری گھر والوں میں سے کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ ہم خفیہ رہتے تھے۔اسلئے ہم تک پہنچنا انکے لیے ممکن نہ تھا۔انکی طرف سے خط آتے رہتے تھے وہ کافی دیر سے مجھے مل جاتے تھے۔میرے آپریشن کا سُن کر وہ مجھ سے ملنے کے لیے بہت اِصرار کر رہے تھے۔جب میری طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو ہم نے انہیں ملاقات کا وقت دیا۔

میں عید گاہ گراونڈ میں بہشت شہداء کے ساتھ ٹیک لگائے ان کا انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ایک سال کے بعد مجھے اپنے سامنے دیکھ کر میری ماں کے کیا جذبات ہونگے۔ ہر ماں کو اولاد کے ساتھ بہت محبت ہوتی ہے چاہے اولاد جیسی کیسی بھی ہو۔میری ماں کو بھی مجھ سے بہت محبت تھی اور اس دن انکے سایۂ شفقت میں گزارا ہوا ہر لمحہ مجھے یاد آ رہا تھا۔ہاں کائنات کی سب سے عظیم ہستی ،جسکے دل میں ہر بچے کے لیے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔جہاد میں آنے کے بعد میری ان سے فون پر ایک مرتبہ بات ہوئی انہیں اپنے لیے اُداس پا کر میں نے ان سے کہہ دیا۔ماں جی! آپ کے پاس میرے دوسرے بہن بھائی موجود ہیں۔آپ میرے لیے کیوں پریشان ہو رہی ہیں انھوں نے جواب دیا کہ گلاب کے پودے کو پھول کبھی بھاری نہیں لگتے چاہے زیادہ کیوں نہ ہوں۔ ہر پھول اپنی جگہ پر اچھا لگتا ہے آپ نہیں ہو مجھے یوں لگتا ہے جیسے سارا گھر ویران ہو گیا۔اس وقت چونکہ میں خود بھی ماں تھی اس لیے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ایک ماں کے دل میں اولاد کے لیے کتنی محبت ہوتی ہے۔

میری پیاری ماں! مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب آپ دودھ کی بالائی دوسرے بھائی بہنوں سے صرف میرے لیے چھپا کر رکھتی تھیں تو دیدی آپ سے شکوہ کرتی تھی کہ آپ ہم دونوں میں امتیازی سلوک کرتی ہیں اور آپ محبت سے جواب دیتیں کہ ماں کے لیے سب بچے برابر ہوتے

ہیں لیکن شانو ذرا کمزور ہے اس لیے یہ اسکے لیے رہنے دو اور مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب میں نے مجاہدین کے لیے خون کی منت مانی تھی۔ایک بار جب میں دیدی کے ساتھ سرینگر کے ہسپتال ایس ایم ایچ میں گئی تو وہاں ایک غریب مریض کو O Neg خون کی اشد ضرورت تھی تو میں نے منت پوری کرنے کا بہترین موقع جان کر اس مریض کو خون کی بوتل دے دی اور جب گھر آ کر دیدی نے آپ کو بتایا آپ کتنا پریشان ہوئی تھیں۔ پھر آپ نے اپنا کھانا بھی آدھا کر لیا اور جو آپ کے لئے پھل فروٹ آتا تھا۔آپ سب سے چھپ چھپا کر مجھے کھلا دیتی تھیں۔ پیاری ماں! وہ دن بھی میں کبھی نہیں بھلا سکتی جب ہمارا علاقہ ایک وبائی مرض کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ میں اور آپ دونوں اس کی لپیٹ میں آ گئی تھیں۔ میری بیماری میں آپ میرا دن رات خیال رکھتی اور میری تندرستی کے لیے آپ دُعاء گو رہتی تھیں۔ پھر جب میری طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو اس مرض نے آپ کو گھیر لیا۔ جب آپ کو انتہائی تشویشناک حالت میں سرینگر ہسپتال لے جانے کے لیے گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا تو اس وقت بھی آپ گھر والوں کو میرا خیال رکھنے کو کہہ رہی تھیں۔ اور ہسپتال میں نیم بیہوشی کی حالت میں بھی آپ میرے متعلق بھائی جان سے پوچھ رہی تھیں۔

اے میری پیاری ماں...... اے اخلاص و محبت کی پیکر...... آج مجھے آپ سے دور ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں...... نہ جانے جدائی کے اس زمانے میں...... آپ نے مجھے کتنا یاد کیا ہو گا...... میرے لیے کتنے آنسو بہائے ہونگے اور مجھے دیکھنے کے لیے کتنی دعائیں مانگی ہونگی...... پیاری ماں! میں جانتی ہوں کہ وطن سے دور میرا دیارِ غیر میں رہنا آپ کو ہر وقت بے کل کیے رکھتا ہے...... لیکن سچ یہ ہے کہ...... میں یہاں تنہا تو نہیں ہوں لیکن تمہارے بعد کوئی ایسا سہارا نہ ملا...... ہاں تم جیسا کوئی ہمدرد اور غمگسار نہ ملا......

اے میری ماں...... اے محبت و ایثار کی پیکر...... مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب آپ نے اپنا سارا پیار اور محبت مجھے ایک رومال میں سمیٹ کر بھیجا تھا...... اور کہا تھا کہ اپنی ماں کی یہ نشانی رکھ لے اور مجھے اپنی کوئی نشانی بھیج دے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر یہ رومال اپنے چہرے پر پھیر کر

مجھے بھیج دینا۔ ماما کی خوشبو میں مہکتا ہوا وہ رومال میں نے سنبھال رکھا اور میں جب اسکو دیکھتی ہوں مجھے آپ کی بہت یاد آتی ہے۔

اور عید گاہ میں ہونے والی وہ ملاقات بھی اب یاد ماضی بن کر رہ گئی ہے۔ مجھے دیکھ کر آپ کو آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ ماں مجھے یاد ہے سب یاد ہے......اور کاش! مجھے بھولنے کی عادت ہوتی......تو میں ان کی یادوں کو......باتوں کو سب کو بھلا دیتی......اس دن آپ میری کلائیاں اپنے ہاتھوں میں لے لے کر......ناپ رہی تھیں......اور برقعے کے اندر سے دیکھ رہی تھیں کہ میری بیٹی نے کیسے کپڑے پہنے ہیں۔ آپ کو میرے آپریشن کا کس قدر ملال تھا حالانکہ اس وقت آپ کے خلوص اور جہادی کی محبت نے......ان زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا......اور وہ زخم بہت جلد بھر گئے تھے......لیکن اس کے بعد جو زخم ملے وہ بہت گہرے تھے......اور اس پر مرہم رکھنے کے لیے نہ میری زندگی میں......جہادی جیسا رفیق موجود تھا......اور نہ ہی آپ جیسی ہمدرد اور مہربان ہستی......میری پیاری ماں......مجھے معلوم ہے کہ......میری جدائی آپ پر کس قدر......گراں گزر رہی ہے......میری نس نس تمہاری عظمت کو سلام کرتی ہے۔ کاش! خدا آپ کو......میری زندگی بھی عطاء کر دے......مجھے معلوم ہے کہ آپ کے بوڑھے اور لرزتے ہاتھ ہر وقت میرے لیے دعاء کے لیے اُٹھتے ہونگے......اے ماں! میرے دل میں یہ حسرت ہے کہ جیتے جی تیرا ایک بار دیدار کر لوں......تیرے لرزتے ہاتھوں کا بوسہ دوں......اور تیرے قدموں میں سر رکھ کر فقط اتنا کہوں کہ......اے ماں......اے رحمتوں کی کہکشاں......مجھے معاف کرنا میں تمہاری کوئی خدمت نہ کر سکی جب میں آپ کے پاس تھی تو مجھے اس چیز کا شعور ہی کب تھا......اور جب مجھے تیری عظمت کا احساس ہوا......تب تک میں تجھ سے بہت دور ہو گئی تھی......ماں مجھے معاف کرنا......کہ میں نے آپ کے دُکھ لینے کی بجائے......آپ کو دُکھ ہی دیئے......مگر اے ماں......میری آنکھوں کی ٹھنڈک......تو غم نہ کرنا ہماری جُدائی اللہ کے راستے میں ہے......اسی ذات کے لیے جس کی عدالت میں ذرا برابر نیکی اور ذرا برابر بدی کا بدلہ دیا جائے گا......اور وہ ہر شے پر قادر ہے......اگر ہم یہاں نہ مل سکے تو میرا انتظار وہاں

کرنا...... جہاں ہمیشہ رہنے والا امن اور سکون ہے......اور جہاں جدائی نہیں ہے......

اے میری ماں تو مجھے یاد تو کرتی ہو گی
تیری ہر رات دعاؤں میں گزرتی ہو گی
دودھ کا جام میرے واسطے بھرتی ہو گی
پھر سر شام تو دروازے کو تکتی ہو گی

مشکل کے بعد آسانی

رفتہ رفتہ سرینگر میں ٹھکانوں کی قلت کا مسئلہ حل ہو گیا۔ بھائی عبدالرحمٰن کے کچھ ٹھکانے بھی استعمال کئے جانے لگے کیونکہ دشمن کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ وہی عبدالرحمٰن قندھاری ہے جس کی ان کو برسوں سے تلاش تھی اس کے بعد انہیں کوٹ بھلوال جیل بھیج دیا گیا انہی دنوں لنگر ناگ اسلام آباد کے ایک مسلح ساتھی شہباز بھائی کے گھر والے انڈین آرمی کے مظالم سے تنگ آ کر اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر سرینگر آ گئے تھے ان کا گھر قمر وادی میں تھا، ساتھی کے گھر والے ہونے کی بنا پر ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا غازی بابا نے فوراً ہی وہاں ایک اور ہائیڈ بنوادی یہ کافی محفوظ اور جدید قسم کی ہائیڈ تھی جدید اس لئے کہ اس کے اندر جا کر بندے کو قبر کا گمان نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس میں ہوا کے آنے جانے کا انتظام بھی تھا اور اس کے علاوہ دیواروں پر خوبصورت کپڑا بھی لگا ہوا تھا ان سب سے بڑھ کر وہاں جو خاص بات تھی وہ یہ کہ اس کے اندر بجلی کا بھی انتظام تھا اس پوائنٹ کا نام KP (کلو پاپا) رکھا گیا جب بھی غازی بابا وہاں ہوتے تھے تو میرا وہاں رہنا ضروری ہوتا تھا کیونکہ مالک مکان ڈیوٹی پر جاتا تھا ہائیڈ کو کھولنے اور بند کرنے میں ذرا زور لگتا تھا اور ان کی اہلیہ سے یہ کام نہیں ہوتا تھا ایک دفعہ یہ واقعہ ہوا، ان دنوں راشد بھائی لام سے سرینگر آئے ہوئے تھے۔ نذیر بھائی نے مجاہدین کو ہائیڈ میں بند کر کے بیوی کو ان کا خیال رکھنے کا کہا اور خود ڈیوٹی پر چلے گئے وہ تمام دن کوشش کے باوجود بھی ہائیڈ کھول نہ سکی اور مجاہدین سارا دن بھوکے پیاسے ہائیڈ کے اندر بند رہے شام کو نذیر بھائی نے جب انہیں کھولا تو باہر آ کر راشد بھائی کی طبیعت سخت خراب ہو گئی اس کے بعد انہوں نے مجھے وہاں بلا لیا۔

وقاص بھائی کی سرینگر آمد اور ان کے کارناموں کی جھلک

غازی بابا نے رفتہ رفتہ سرینگر میں ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کیا اس کے ساتھ ہی انڈین آرمی پر حملوں میں تیزی آ گئی انہوں نے ترال سے وقاص بھائی کو بھی سرینگر میں بلا لیا کیونکہ وہ شکل وصورت سے بالکل کشمیری لگتے تھے اس لئے سرینگر میں کام کے لئے وہ انتہائی موزوں تھے یہ تمام ساتھی پاکستانی تھے اور غازی بابا نے انہیں سرینگر کی ایک ایک گلی اور راستے کا تعارف کرایا انہیں سرینگر میں کام کرنے اور دشمنوں پر حملہ کرنے کا طریقہ سکھا دیا پھر جب غازی بابا کے شاہین تیار ہوئے تو انہوں نے بھارتی کوّوں کا جینا حرام کر دیا اور انہیں صحیح معنوں میں رُلا کر رکھ دیا اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کسی خاص اور اہم کارروائی میں اگر 80 فیصد مجاہد کا کمال ہوتا ہے تو 20 فیصد کمانڈر کا بھی کمال ہوتا ہے جو مجاہد کی اس نہج پر تربیت کرتا ہے اسے جسمانی ونظریاتی طور پر تیار کرتا ہے غازی بابا ساتھیوں کے ساتھ انتہائی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے اسی وجہ سے ساتھی ان کے ایک اشارے پر جان دینے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ ان میں یہ بھی ایک نمایاں خوبی تھی کہ وہ ایک عام مجاہد کی طرح ساتھیوں کے ساتھ خطروں میں کود جاتے تھے وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر کام کو اولین ترجیح دیتے تھے۔

اخلاص کا پیکر

ایک دن وہ وقاص بھائی کے ساتھ لال چوک میں شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے لال چوک کے مولانا آزاد روڈ پر تین بڑے کالجز ہیں اور اس وقت ان کی چھٹی کا وقت تھا رنگ برنگی یونیفارم میں ملبوس طلبہ وطالبات گھروں کولوٹ رہے تھے اس ہجوم کے ساتھ وہ دونوں بھی کالج کے سٹوڈنٹ ہی دکھائی دے رہے تھے سڑک کے کنارے کھڑا ایک بھارتی فوجی آتی جاتی لڑکیوں کوگھورنے میں مگن تھا غازی بابا اس کو دیکھ کر رک گئے وہ نہ جانے کتنی دیر سے ان گلیوں میں گھوم رہے تھے اب ان کا شکار ان کے سامنے اس حال میں تھا کہ اسے گردو پیش کا کوئی ہوش نہ تھا انہوں نے وقاص افغانی سے کہا کہ اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا اسے فوراً ختم کرد و وقاص بھائی نے پھرتی سے اپنا میکاروف پسٹل نکالا اور فوجی سے پیچھے ہوکر اس کے سر کا نشانہ لینے لگے عین اسی وقت کوٹھی باغ کالج کی کچھ لڑکیاں ان کی طرف متوجہ ہوئیں اس خوبرو نوجوان کے ہاتھ میں پسٹل دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رک گئیں وقاص بھائی نے فائر کئے بغیر اپنے لباس کے اندر چھپالیا اور وہاں سے ہٹ گئے۔ غازی بابا نے پوچھا کہ کیا پسٹل لاک ہوگیا؟ کیونکہ میکاروف پسٹل ایسے موقع پر بند ہو جاتا تھا، نہیں استاد جی! یہ بات نہیں ہے بس ہم کسی اور جگہ کارروائی کریں گے انہوں نے مختصر سا جواب دیا وہاں سے نکل جانے کے بعد غازی بابا نے جب ان سے کارروائی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو ان کا جواب سن کر وہ بہت خوش اور متاثر ہوئے۔

وقاص بھائی نے کہا ان لڑکیوں نے میرے ہاتھ میں پسٹل دیکھ لیا تھا مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس نوجوان نے ہمیں مرعوب کرنے یا اپنی بہادری دکھانے کے لئے ہمارے سامنے یہ کام کیا کیونکہ میرا یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا۔

ایس ٹی ایف کا ایس پی ڈھیر ہو گیا

پھر ایک دن یہ دونوں کا کہ سرائے میں کھڑے تھے ایس ٹی ایف کا افسر فوجا سنگھ بڑی اکڑ سے بازار میں گھوم رہا تھا اس کے چیلے چمچے بھی پورے بازار میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اس دن انکا موڈ بڑا شکار کرنے کا تھا وہ کافی دیر سے اسی بھاری بھر کم سکھ کو ٹھکانے لگانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے تھوڑی دیر بعد وہ اس پوزیشن میں آ گیا جہاں وہ باآسانی اسے ختم کر سکتے تھے غازی بابا نے وقاص بھائی کو اسے ٹھکانے لگانے کے لئے بھیجا اور خود بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان دنوں میکاروف پسٹل کو اچانک بند ہونے کی عجیب بیماری لاحق ہو گئی تھی اس لئے دوسرے ساتھی کا محتاط رہنا ضروری ہوتا تھا وقاص بھائی نے ایک ہی گولی سے ایس پی فوجا سنگھ کا کام تمام کیا۔

ایمان اور کفر کا عجیب وغریب معرکہ

ایک اور موقع پر عثمان بھائی کے ساتھ عجیب معاملہ بنا ایک دفعہ وہ اور غازی بابا سرینگر کے انتہائی بھیڑ بھاڑ والے علاقے گونی کھن میں کچھ اسی قسم کی کارروائی کرنے والے تھے، عثمان بھائی نے فوجی کے بالکل قریب کھڑے ہو کر اس کے سر کا نشانہ لیا۔ وہ فوجی کے بالکل پیچھے کھڑے تھے اور ان کا پسٹل بھی اس کے سر کے بالکل قریب تھا۔ جب انہوں نے ٹریگر دبایا تو گولی فائر ہی نہ ہوئی فوجی نے کچھ محسوس کر کے اچانک پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسکی آنکھیں پھیل گئیں اس نے اپنے حواس پر قابو رکھتے ہوئے ساتھی کا پسٹل والا ہاتھ پکڑ لیا دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گن وہ ساتھی کی طرف کرنے ہی والا تھا اتنے میں عثمان بھائی نے اس کی گن پکڑ لی یہ سب چند سیکنڈ کے اندر اندر ہوا اب یہ حال تھا کہ ساتھی کا پسٹل والا ہاتھ فوجی نے پکڑا ہوا تھا اور فوجی کی گن مجاہد کے ہاتھ میں تھی، ساتھی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں ہے تو فوجی بھی اپنی گن چھڑانے کے لئے زور لگا رہا ہے ایک مجاہد اور فوجی کے درمیان یہ عجیب قسم کا معرکہ دیکھ کر لوگوں نے بھاگنا شروع کر دیا وہ بی ایس ایف کا اہلکار تھا اور کم بخت انتہائی موٹا تگڑا بھی تھا جبکہ ساتھی بالکل کمزور جسامت کا مالک تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بازوؤں میں ایمان کی قوت بھر دی تھی وہ مشرک کس طرح ان پر غالب آ سکتا تھا غازی بابا کچھ فاصلے پر یہ تماشہ دیکھ رہے تھے اتنے میں انکی نظر ایک اور فوجی پر پڑی وہ گھوم گھوم کر ساتھی کا نشانہ لے رہا تھا اندھا دھند گولی چلانے کی صورت میں گولی اس کے ساتھی کو بھی لگ سکتی تھی اس لئے وہ مشرک مجاہد کو نشانے پر رکھنے کی کوشش میں تھا اسی دوران ایک سنسناتی گولی اس کے پیٹ کو چیرتے ہوئے نکل گئی غازی بابا ایک گولی سے ایک شکار کرنے کے قائل تھے بشرطیکہ گولی سر میں لگے یہاں عجیب صورتحال کا سامنا تھا اس لئے انہوں نے مزید دو گولیاں فائر کر کے اس کافر کو واصل جہنم کر دیا ادھر دوسرے فوجی نے جب گولی کی آواز سنی تو اس کی چیخ نکل گئی وہ سمجھا کہ اگروادی نے اس پر فائر کیا حالانکہ

مجاہد کا ہاتھ اور پسٹل ابھی تک اس کی گرفت میں ہی تھا گولی کی آواز سن کر وہ بدحواس ہو گیا تھا اور عثمان بھائی نے موقع کا فائدہ اٹھا کر پھرتی سے پسٹل لوڈ کیا اور پورا میگزین اس پر خالی کر دیا غازی بابا نے انہیں ٹوکا: او جنازے یہ کب کا مر چکا ہے اب گولیاں کیوں ضائع کر رہے ہو عثمان بھائی بولے استاد جی مجھے اس بدبخت پر بڑا غصہ آیا تھا پھر وہ دونوں انڈین آرمی کو دو لاشوں کا تحفہ دے کر جہادی گھوڑے پر نکل گئے۔

چلتے چلتے شکار

ایک دن عثمان بھائی اور وقاص بھائی کسی کام کے سلسلے میں چھتہ بل کی طرف جا رہے تھے راستے میں آرمی کا ایک بڑا کیمپ آتا تھا ساتھی اس دن کارروائی کے لئے نہیں نکلے تھے اس لئے وہ کیمپ سے بچ کر تھوڑے فاصلے سے چل رہے تھے لیکن بھارتی فوج کے ایک صوبیدار کی شامت آ گئی تھی عین اسی وقت جب ساتھی وہاں سے گذر رہے تھے وہ بنکر سے نکل کر اکیلا دوکان کی طرف جا رہا تھا اتنے بڑے شکار کو سامنے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی آ گیا جب وہ دوکان کے بالکل قریب پہنچا عین اسی وقت وقاص بھائی اُس کے سر پر آ پہنچے چند لمحوں کے بعد صوبیدار خون میں لت پت سڑک پر پڑا تڑپ رہا تھا دوکان دار یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اسے بھی سمجھنے کا موقع نہ ملا کہ مجاہدین کہاں سے نازل ہوئے اور کہاں چلے گئے۔

باتیں ان کی یاد رہیں گی

سال اپنا چکر مکمل کر کے ایک بار پھر سترہ رمضان پر پہنچ آیا مجاہدین جیش محمد ﷺ یوم البدر منانے کے لئے نکلے تو راشد بھائی ترال سے ہمارے پاس آ گئے تھے اس دن ساتھیوں نے ہری سنگھ ہائی سٹریٹ کے مقام پر تین ایس ٹی ایف اہلکاروں کو ہلاک کر دیا میں ان دنوں نصرت کے گھر تھی سترہ رمضان کو جہادی کبھی بھولا نہیں کرتے تھے انہوں نے مجھے قمر وادی پارک کے پاس بلایا اور میں نے وہیں پر انہیں سترہ رمضان کا تحفہ دیا اسی دن گھر سے بڑی باجی اور بھائی جان ملاقات کے لئے آئے ہم نے ان سے راضیہ کدل میں ایک جگہ ملاقات کی وہ ہمارے لئے بہت سے تحفے لائے تھے اس کے علاوہ ماں جی نے دیسی انڈے پھل اور بادام بھی بھیجے تھے بیماری کی وجہ سے میں کافی کمزور ہو گئی تھی اور گذشتہ ملاقات میں مجھے دیکھ کر انہیں فکر لاحق ہو گئی تھی باجی نے مجھے بتایا کہ بھارتی فوجی مسلسل گھر پر چھاپے مارتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا غازی بابا سے رابطہ ہے اور آپ لوگ ان سے ملاقات کرنے جاتے ہو ہم چھپ چھپا کر آپ سے ملنے آتے ہیں ہمیں ڈر رہتا ہے کہ وہ ہمارے پیچھے کوئی مخبر نہ لگا دیں اور آپ لوگوں کو نقصان نہ پہنچ جائے اس خدشے کی وجہ سے ہم نے انہیں کبھی پوائنٹ پر نہیں بلایا۔

باجی نے باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھا کہ شہباز بھائی (جہادی) کا آپ کے ساتھ کیسا رویہ ہے چونکہ وہ بارعب شخصیت کے مالک تھے اس لئے چیوا کے لوگ انہیں خطرناک سمجھ رہے تھے یہ چیز میری بہنوں کے لئے پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ پتہ نہیں میں اس خطرناک انسان کے ساتھ کس طرح گذارہ کر رہی ہوں ان کو مطمئن کرنے کے لئے میں نے انہیں جہادی کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں اور ان کے دیئے ہوئے مختلف تحائف بھی انہیں دکھائے اس بات پر انہیں بے حد خوشی ہوئی کہ ہماری بہن غازی بابا کے ساتھ خوش ہے ان کے جانے کے بعد میں نے یہ بات جہادی کو بتائی تو وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے یہ کشمیری کیا سمجھتے ہیں کہ ہمارے سینے میں

دل نہیں ہے اور لڑنے مرنے کے علاوہ ہمیں اور کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔

جہادی انتہائی مخلص اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ میں ان کی رفاقت کا دور کبھی بھلا نہیں سکتی انہیں اس چیز کا بھرپور احساس تھا کہ میں اپنے گھر والوں سے دور ہوں انہوں نے مجھے کبھی گھر والوں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا اور میری ہر خوشی کا خیال رکھا جب بھی ہم چند دنوں کے بعد ملتے وہ میرے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتے ہر وہ چیز جو تحفے میں دی جاسکتی ہے انہوں نے مجھے دے دی اگر کچھ نہ بھی ملتا تو وہ پھول لے کر آتے مگر خالی ہاتھ کبھی نہیں آتے تھے۔ جب میں بیمار ہوتی تو وہ میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ راشد بھائی نے 2002ء کا رمضان ہمارے ساتھ ہی گذارا ستائیسویں رمضان کو جہادی نے دو مرغیاں منگوائیں اور مجھے پکانے کے لئے کہا اس دن میری طبیعت بہت خراب تھی کھانا بنانے کے دوران میں بار بار کمرے میں جا کر لیٹ جاتی تھوڑی دیر بعد ہنڈیا میں چمچ مار کر دوبارہ اندر چلی جاتی انہوں نے میری بے چینی کو محسوس کر لیا جب میں کمرے میں گئی تو وہ بھی میرے پیچھے آئے میں فرش پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی انہوں نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو مجھے بہت سخت بخار تھا وہ بہت ناراض ہوئے کہ میں نے انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا پھر وہ میرے لئے بستر بچھانے لگے اور میں ان کے ہاتھ سے تلائی کھینچنے لگی یہ بات مجھے گوارا ہی نہیں تھی کیونکہ میرے دل میں انکا بہت بلند مقام تھا انہوں نے محبت اور غصے کے ملے جلے انداز میں کہا پاگل ہوگئی ہو میں تمہارا خیال نہیں رکھوں گا پھر کون رکھے گا گولی کھا کر آرام سے لیٹ جاؤ ہم کھانا بنالیں گے مغرب کے وقت میں لیٹ گئی اور رات کو کسی وقت سیرت فاطمہ کی چیخ و پکار سے میری آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھا جہادی اس کے منہ میں فیڈر ٹھونسے جا رہے ہیں اور وہ شدید احتجاج کر رہی ہے میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی پورا جسم پسینے سے شرابور تھا وہ بولے میں نے اسی لئے آپ کو نہیں جگایا تھا تاکہ پسینہ آکر آپ کو آرام آجائے اس کو میں نے فیڈر بھی بنا کر دیا جنازی لیتی ہی نہیں، میں نے فیڈر ہاتھ میں لیا تو ان کی معصومیت پر ہنسی آگئی انہوں نے خشک دودھ کی بجائے فیڈر میں سیریلیک ڈالا تھا وہ گاڑھا ہونے کی وجہ سے نپل سے نکل ہی نہیں رہا تھا جس پر بچی نے شور مچا رکھا تھا میں نے نیا فیڈر بنا کر بچی کو چپ کرایا اور دل میں سوچنے لگی کہ یہ کتنے عظیم ہیں اور ان کا اخلاق کتنا بلند ہے۔ یہ ناز

نخرے صرف بیماری کی حالت میں اٹھائے جاتے تھے عام حالت میں اگر میں ان سے کہتی کہ یہ چیز مجھے اٹھا کر پکڑا دیں بیشک ان کے سامنے پڑی ہوئی ہو وہ بڑے مزے سے جواب دیتے ''بہ چھس یا چانیں مالیس نوکر''یعنی میں آپ کے باپ کا نوکر ہوں، وہ کشمیری اچھی طرح بول لیتے تھے بلکہ ہم زیادہ تر آپس میں کشمیری بولتے تھے ہمارا آپس میں بہت ہنسی مذاق ہوتا تھا اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ بہت باتیں کرتے تھے انہوں نے مجھے اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک کی سب باتیں بتائی تھیں مجھے ان کے رشتہ داروں یہاں تک کہ پڑوسیوں کے نام تک یاد تھے کشمیر میں بعض عورتیں مجھ سے سوال کرتی تھیں کہ آپ سارا دن کمرے میں کس طرح گذارتی ہیں کیا آپ اس قید و بند سے اکتا نہیں جاتی؟ یہ سچ ہے ان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہیں ہوا غازی بابا اپنی ذات میں ایک انجمن رکھتے تھے ہمارے درمیان ایک عجیب طرح کا رشتہ تھا دوستی کا، محبت کا، خلوص کا جس میں نہ کوئی بناوٹ تھی اور نہ لگاوٹ لیکن کہا جاتا ہے کہ جہاں زیادہ محبت ہو وہاں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہتا تھا ہم دونوں نے الگ الگ قوم، ماحول اور وطن میں پرورش پائی تھی اس لئے ایک دوسرے کی طبیعت اور مزاج کو سمجھنے میں تھوڑا وقت لگا پھر بھی ہماری پسند ناپسند اور عادات کافی حد تک ملتی تھیں نواب بازار میں ہمارے درمیان اکثر جھڑپیں ہوتی تھیں اور وہ بھی معمولی باتوں پر، ادھر ہم فارغ وقت میں ایک گیم کھیلتے تھے میں ان سے کہتی کہ آپ نے غلط چال چلی کبھی وہ کہتے کہ آپ نے مجھے ڈاج دیا اس بات پر توں توں میں میں شروع ہو جاتی اور جہادی جلال میں اکثر گیم اٹھا کر پھینک دیتے تھے پورا دن ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے منہ پھلا لیتے جس طرح پاک بھارت سرحد پر دونوں ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھیں نکالتی ہیں میری یہ کمزوری تھی کہ جب وہ ناراض ہوتے تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا گویا میرے لئے ساری دنیا اداس ہو گئی ہے دوسرے دن میں چپکے سے آنسو بہانا شروع کر دیتی تھی میرے آنسو دیکھ کر ان کا غصہ بھی دور ہو جاتا تھا اور وہ مجھے کہتے تھے پاگل سوچو تو ہم کس بات پر لڑے ہیں اور آپ کس بات پر رو رہی ہو چلو آج سے ہم یہ گیم نہیں کھیلیں گے اس کی وجہ سے اکثر ہماری لڑائی ہو جاتی ہے ہم یہ فیصلہ تو کرتے لیکن اس پر دو دن سے زیادہ عمل نہیں کر پاتے تھے۔

ایک دفعہ ہم kp پر تھے میں ظہر کی نماز پڑھ رہی تھی سیرت فاطمہ کرالنگ کرتے ہوئے آئی اور سجدے کے دوران میری کمر پر چڑھ گئی جہادی بھی ادھر ہی تھے لیکن نہ جانے کیا ہوا انہوں نے بچی کو میری کمر سے نہیں ہٹایا میرا سجدہ طویل ہونے لگا تو مجبوراً میں نے نماز توڑ دی مجھے بہت سخت غصہ آیا بچی کو دو تین لگا دیں اور پھر سے نماز میں مشغول ہوگئی وہ بری طرح رونے لگی جہادی فوراً اٹھے اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگے پھر وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگے جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا انہوں نے بچی کو تیار کرلیا ہے میں نے پوچھا یہ آپ کیا کررہے ہیں وہ بہت غصے میں تھے بولے سعدیہ! تم نے کیا سوچ کر اس کو میرے سامنے اتنی بے دردی سے مارا آپ کا خیال ہے کہ میرا ادھر کوئی نہیں ہے جو میری بچی کو سنبھال سکے میں اس کو ممی کے گھر لے کے جارہا ہوں آپ کے بغیر بھی اس کو سنبھالنے والے بہت ہیں ممی ایک شہید کی ماں تھیں انہوں نے غازی بابا کو بیٹا بنایا تھا ادھر ان کی ہائیڈ بھی تھی وہ لوگ ان کے ساتھ بے حد محبت کرتے تھے واقعی اگر وہ بچی کو وہاں لے جاتے تو وہ لوگ بہت خوش ہوتے میں نے ان سے کہا کہ نماز میں خلل پڑنے کی وجہ سے اس پر غصہ آیا تھا ورنہ میں اس کو کبھی نہ مارتی ان کے غصے میں ذرا بھی کمی نہ آئی وہ دھڑا دھڑ تیاری کررہے تھے اور بچی بھی مجھے نہیں دے رہے تھے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے انہوں نے بچی کو نیچے بٹھایا میں نے لپک کر اس کو اٹھایا اور اپنی آغوش میں چھپالیا مجھے معلوم تھا کہ ان کا غصہ بہت سخت ہوتا ہے اگر وہ بچی کو لے گئے تو کیا ہوگا تیار ہو کر انہوں نے مجھے کہا کہ بچی مجھے دے دو میں اس کے اوپر ڈھال بن گئی اور چیخنا شروع کردیا میری ایسی کیفیت پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی وہ میرے پاس بیٹھ گئے سعدی! یہ کیا کررہی ہو لوگ سن رہے ہونگے یہ دیکھو ہم نہیں جارہے ہیں ہم وہاں پر خفیہ انداز میں رہ رہے تھے اور اردو میں کبھی زور سے بات بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ دائیں بائیں بستی تھی اور وہاں پر عموماً کشمیری زبان ہی بولی جاتی تھی اردو زبان زیادہ تر مجاہدین یا انڈین آرمی والے ہی بولتے تھے اس کے باوجود میں حواس باختہ ہو کر چیخے جارہی تھی اور ایک ہی بات دہرائے جارہی تھی اس کو نہیں لے کر جانا اس کو نہیں لے کر جانا مجھے خود پتہ نہیں کہ اس وقت مجھے کیا ہوگیا تھا جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں بستر پر پڑی تھی گھر والوں کے بچے میرے ہاتھ پاؤں مل رہے تھے جہادی مجھ سے کہہ رہے تھے سعدی! یہ دیکھو سیرت

فاطمہ تمہارے پاس ہے ہم سب تمہارے پاس ہیں اس دن مجھے شدید بخار آیا وہ شام مجھے ہمیشہ یاد رہے گی باہر بہت بارش ہو رہی تھی اس کے باوجود انہوں نے گوشت منگوا کر میرے لئے سوپ بنوایا وہ مجھ سے بار بار پوچھ رہے تھے کہ آج آپ کے پاگل پن نے مجھے پریشان کر دیا آپ کو کبھی دل کی تکلیف تو نہیں رہی میں نے کہا ایسا کچھ بھی نہیں ہے آپ بے فکر ہو جائیں۔

وہ اکثر مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیا آپ مجھ سے خوش ہو میں ان سے جب یہ پوچھتی کہ آپ یہ سوال کیوں پوچھتے ہیں تو وہ کہتے کہ ہماری زندگی کا کیا بھروسہ ہے اس لئے اگر آپ کو مجھ سے کوئی شکوہ ہو تو میں وہ دور کرنے کی کوشش کروں ان کی باتیں مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہیں وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے مجھے بخش دیا تو میں اللہ سے کہوں گا اے اللہ مجھے 72 حوروں کی ضرورت نہیں ہے مجھے بس وہ بیوی دے دے جو جہاد کی کٹھن راہوں پر میری ہمسفر تھی جو میرے دکھ سکھ میں میرا ساتھ دیتی تھی۔ میں کہتی تھی اپنا وعدہ یاد رکھنا حسین وجمیل حوروں کو دیکھ کر مجھے بھول نہ جانا وہ کہتے تھے ایسا نہیں ہوگا انشاء اللہ ہم جنت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھی بنیں گے

اک عمر کی جدائی میرا نصیب کر کے
وہ چلا گیا ہے باتیں عجیب کر کے
طرز وفا کو اس کے میں کیا نام دوں
خود دور ہو گیا مجھ کو قریب کر کے

انہیں سیرت فاطمہ سے حد درجہ محبت تھی جب وہ بہت چھوٹی سی تھی تو وہ اکثر کہتے سعدی! یہ کب بڑی ہوگی کب میرے ساتھ باتیں کیا کرے گی وہ اس کو کھلونوں کی بجائے اسلحہ کھیلنے کے لئے دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ شیروں کے بچے گڑیوں کے ساتھ نہیں کھیلا کرتے ہیں ایک شام وہ kp پر آئے اور آتے ہی مجھے بلانے لگے ادھر آؤ! دیکھو تو میں کیا لایا ہوں میں کام چھوڑ کر ان کے پاس آئی وہ اتنے خوش تھے لگتا تھا کہ شاید کشمیر کی آزادی کا پروانہ لکھوا کر لائے ہیں۔ انہوں نے بیگ سے چھوٹی سی پلاسٹک واٹر کی بوتل نکالی کشمیر میں سردی سے بچنے کا یہ بھی

ایک بے ضرر نسخہ ہے لوگ اس میں گرم پانی ڈال کر بستر میں رکھتے ہیں اس سے بستر بھی گرم رہتا ہے اور جلنے کا بھی خطرہ نہیں ہوتا وہ کہنے لگے یہ میں سیرت کیلئے لایا ہوں دیکھو نا چھوٹی سی ہے میری چھوٹی سی بیٹی کی طرح اب جلدی سے اس میں گرم پانی بھر دو۔ وہ بار بار اس کے بستر میں ہاتھ ڈال کر خوش ہو رہے تھے کہ اب میری بیٹی کو سردی نہیں لگے گی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اس کو ڈانٹا یا مارا نہ کرو ہمارے سوا اس کا ہے ہی کون؟ نانی والوں کا پیار بھی ہم نے ہی دینا ہے اور دادی والوں کا بھی یہ بھی ہمارے ساتھ راہ جہاد کی مشکلات میں جی رہی ہے اس لئے اس کا خیال رکھا کرو۔

سیرت فاطمہ بچپن میں بہت پیاری اور گول مٹول تھی جہادی کا اسکے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کوئی چیز کھاتی تو وہ اپنی زبان سے اس کا منہ صاف کر لیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنی بیٹی کی ایسی تربیت کریں گے کہ لوگ اس کی مثالیں دیا کریں گے ہم دونوں نے شروع سے ہی اس کی تربیت کا بہت خیال رکھا اس کے علاوہ اس کو مجاہدین کا پاکیزہ ماحول میسر تھا اس کو چھوٹی سی عمر میں کیسی سعادتیں حاصل ہوئیں وہ غازیوں اور شہیدوں کی گود میں پلی اور ہجرت جیسی عظیم سعادت بھی اس کو چھوٹی سی عمر میں حاصل ہوئی بڑوں کی محبت میں رہنے کی وجہ سے اس کی عادتیں اور انداز سب سے منفرد ہوا کرتے تھے جہادی کہتے تھے جب میری بیٹی تھوڑی بڑی ہوگی تو میں اس کو ٹریننگ دوں گا پھر جب چودہ سال کی ہوگی تو کسی نیک اور بہادر مجاہد سے اس کا نکاح کر دوں گا جہادی کے یہ ارمان کانٹے بن کر میرے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے ہیں جب ان کی سیرت فاطمہ سننے اور بولنے کے قابل ہوئی تب وہ نہیں تھے آج وہ ان کی محبت کو ترستی ہے جب وہ مجھ سے ان کے بارے میں سوال کرتی ہے تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے وہ مجھ سے اکثر ان کے بارے میں پوچھتی ہے کہ بابا میرے ساتھ کتنا پیار کرتے تھے؟ میرے ساتھ کیسے کھیلتے تھے؟ آج وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ بابا کا چہرہ کیسا تھا مجھے ان کا چہرہ یاد ہی نہیں ہے اس کے سوالوں کا جواب دینا میرے لئے کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا۔

احساس ذمہ داری اور اس کے اثرات

غازی بابا چیف کمانڈر تھے لیکن انہوں نے خود کو ہمیشہ کمانڈری کے چکروں سے دور رکھا وہ مجاہدین کے خادم بن کر رہتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ جو آدمی صرف دس آدمیوں پر امیر مقرر ہو اسے اللہ کی بارگاہ میں رسیوں میں جکڑ کر اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جائے گا پھر ان دس آدمیوں کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ اس شخص نے تم پر زیادتی تو نہیں کی، تمہیں بلاوجہ ستایا تو نہیں جب وہ لوگ اس کے حق میں گواہی دیں گے پھر اس کو چھوڑا جائے گا میرے ماتحت اتنے سارے مجاہدین ہیں مجھے اس بات سے بہت خوف آتا ہے کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑا نہ جاؤں اللہ کا خوف ہر وقت ان کے دل میں رہتا تھا انہیں جہاں موقع ملتا ساتھیوں کی خدمت کرتے رہتے تھے۔

راشد بھائی نے عید ہمارے ساتھ Kp پر گذاری اس کے بعد وہ ترال چلے گئے دسمبر 2002ء میں کپواڑہ کے ڈسٹرکٹ کمانڈر بھائی شاہ زیب عرف مزمل غازی بابا سے ملاقات کرنے کے لئے سرینگر آئے۔ اس دن زبردست بارش ہو رہی تھی شاہ زیب بھائی عصر کے وقت kp پر پہنچے وہ سرتاپا بھیگ گئے تھے ہم نے ان کو چائے پلائی اور فیرن اور کانگڑی دے دی جب وہ وضو کرنے گئے تو میں کمرے میں ان کے کپڑے لینے کے لئے گئی چونکہ دسمبر کا یخ بستہ مہینہ تھا کپڑوں نے ان کی واپسی تک مشکل سے ہی خشک ہونا تھا میں نے دھونے والے کپڑے لئے اور میز کے نیچے ان کے جوتے تلاش کرنے لگی میری تلاشی مہم دیکھ کر جہادی نے پوچھا کیا ڈھونڈ رہی ہو میں نے کہا بھائی کے جوتے کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے وہ تلاش کر رہی ہوں انہوں نے مسکرا کر کہا آج میں نے آپ کا اجر چوری کر لیا ہے وہ کس طرح ؟ میں نے حیرت سے پوچھا وہ بولے میں نے سوچا سعدی روزانہ مجاہدین کی خدمت کر کے سارا اجر وثواب لوٹ لیتی ہے چلو آج میں بھی کچھ اجر کما لوں میں نے کہا میرے ہوتے ہوئے آپ نے یہ سب

کیوں کیا؟ انہوں نے کہا میں نے ثواب کی نیت سے یہ کام کیا ہے میں سوچ رہی تھی کہ لوگ تو بیوی کے سامنے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جہادی آپ کتنے عظیم ہیں کہ بڑے ہو کر بھی خود کو بڑا نہیں سمجھتے۔

شاہ زیب بھائی ایک عظیم مجاہد تھے وہ اپنے سینے میں امت مسلمہ کے لئے دردمند دل رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کی حالت زار پر ہر وقت کڑھتے رہتے تھے ایک مرتبہ میں نے کسی کام کی غرض سے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا شاہ زیب بھائی غازی بابا کی گود میں سر رکھ کر بلک بلک کر رو رہے ہیں میں نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا بعد میں جہادی سے اس حوالے سے پوچھا انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا آپ انہیں نہیں سمجھ سکتی یہ بہت عظیم اور بے مثال انسان ہیں۔

شاہ زیب بھائی نے ایک ڈیڑھ ہفتہ kp پوائنٹ پر گذارا وہ غازی بابا کے اخلاق و کردار سے بہت متاثر ہوئے کپواڑہ واپس جا کر انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ آپ یہ مت سمجھنا کہ ہم ادھر جنگلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمارا چیف کمانڈر سرینگر میں بیٹھ کر ہمیں صرف وائرلیس سیٹ کے ذریعے ہدایتیں اور حکم دے رہا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم جو سامان یہاں سے سپلائی کرتے ہیں غازی بابا سرینگر کی گلیوں میں معمولی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسے خود وصول کرتے ہیں وہ بنا کسی پروٹوکول کے تن تنہا ایک عام سی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ شخص راتوں کو اٹھ اٹھ کر رو رو کر ہمارے لئے دعاء کرتا رہتا ہے اس لئے میرا مشورہ ہے اپنے دلوں کو مطمئن رکھو اور دل و جان سے ان کی اطاعت کرو جن ساتھیوں نے غازی بابا کو نہیں دیکھا تھا وہ یہی سوچ رہے تھے کہ ”بھارت کا اسامہ“ کا خطاب پانے والا غازی بابا خصوصی پروٹوکول کے ساتھ رہ رہا ہوگا ان کے جاننے والوں کو ہی معلوم تھا کہ وہ کس طرح ایک عام مجاہد کی طرح کام کرتے رہتے ہیں۔

شاہ زیب نے ان ہی دنوں یہ خواب دیکھا تھا کہ کپواڑہ کے جنگل میں ان کی انڈین آرمی کے ساتھ جھڑپ ہو جاتی ہے وہ خوب لڑتے ہیں اور پھر کہیں دور نکل جاتے ہیں چلتے چلتے وہ بہت تھک جاتے ہیں انہیں دور سے گنبد خضراء نظر آ جاتا ہے وہ گرتے پڑتے وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور سبز گنبد پر سر رکھ کر انہیں نیند آ جاتی ہے یہ خواب انہوں نے غازی بابا کو سنایا تھا وہ ان

کے لئے بہت دعائیں کر رہے تھے لیکن کپواڑہ جانے کے فوراً بعد ہی ان کے خواب کی تعبیر نکل آئی اور اللہ رب العزت نے راہ حق کے اس تھکے ہوئے مسافر کو اپنی جنت میں بلا لیا۔ سرینگر سے جانے کے ایک ڈیڑھ ماہ بعد ہی وہ ایک جھڑپ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی
شب کے سفاک اندھیروں کو مبارک کہہ دو

کمانڈر وقاص افغانی شہید رحمۃ اللہ علیہ

سال 2002ء ہندوستان کو کئی گہرے زخم دے کر رخصت ہو رہا تھا اس وقت سرینگر میں غازی بابا سمیت صرف چھ مجاہد تھے۔ان مٹھی بھر سرفروشوں نے انڈین آرمی کو تگنی کا ناچ نچار کھا تھا اور وہ قرآن مجید کی آیت کے مفہوم ''کہ مومنین میں سے ایک آدمی دس کافروں پر بھاری ہے'' کی عملی تفسیر بنے ہوئے تھے ہندوستان کے ہزاروں فوجی ان کے آگے بے بس نظر آ رہے تھے یہاں اسلام کے ایک سرفروش مجاہد بھائی محمد زکریا عرف وقاص افغانی کی چند جہادی کارروائیوں کا تذکرہ کرنے کے لئے ذرا پیچھے چلتے ہیں۔

نومنتخب کٹھ پتلی حکومت کا انوکھا استقبال

نومبر 2002ء میں مقبوضہ جموں وکشمیر میں الیکشن ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد نومنتخب اسمبلی ارکان تقریب حلف برداری کے لئے سرینگر اسمبلی میں جمع تھے کامیابی حاصل کرنے والی دو جماعتوں پی ڈی پی اور کانگریس نے آپس میں اتحاد کرتے ہوئے حکومت بنانے کا فیصلہ کیا اور اس دن انہوں نے اقتدار کے نشے میں مست ہوکر اور ہندوستان کی زبان بولتے ہوئے تحریک کشمیر اور مجاہدین کو دبانے کے لئے کچھ اعلانات کرنے تھے۔ غازی بابا نے مجاہدین کشمیر کی ترجمانی کرتے ہوئے اس دن انہیں جہاد کشمیر کی اہمیت اور مجاہدین کے عزم کا احساس دلانے کے لئے بھرپور کارروائیاں کرنے کا فیصلہ کیا وہ کارروائیوں میں خود بھی شریک ہونا چاہتے تھے لیکن ساتھیوں نے انہیں منع کیا اور سارا کام اپنے سر لے لیا پھر انہوں نے صبح سویرے بھائی وقاص افغانی اور عثمان بھائی کو سازوسامان اور دعائیں دے کر رخصت کردیا۔

ساتھیوں نے پہلی کارروائی بی ایس ایف کیمپ ''کرن نگر'' پر کی صبح نو بجے ہی مجاہدین نے جی ایل شیلوں کی بارش کرتے ہوئے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا وہاں سے نکل کر جیش محمد ﷺ کے شاہین نوشہرہ پہنچے اور وہاں پر بھی بی ایس ایف کیمپ پر شیلنگ کی، پہلی کارروائی کو صرف دو گھنٹے گذرے تھے اگرچہ دشمن کے لئے اتنے کم وقت میں دو کیمپوں پر حملہ ہونا ہی کافی تھا مگر مجاہدین نے اس دن بنیے کو خوب سبق سکھانے کا فیصلہ کیا تھا۔

نوشہرہ میں کارروائی کرنے کے بعد مجاہدین لمبا چکر کاٹ کر لال چوک پہنچے لال چوک کے علاقہ کوکر بازار میں ایک ایس ٹی ایف اہلکار دیگر ساتھیوں سے کچھ دور کھڑا تھا بھائی وقاص افغانی شیر کی طرح اس پر جھپٹے اور چند سیکنڈ کے اندر اندر اسے خاک وخون میں تڑپا کر واصل جہنم کردیا۔

لال چوک سے انہوں نے بٹہ مالو کا رخ کیا سول سیکرٹریٹ کے قریب ان کی نظر ایک گاڑی پر پڑی جس میں حلقہ اوڑی سے تعلق رکھنے والا کانگریس کا ایک ممبر اپنے سیکورٹی گارڈز کے

ساتھ موجود تھا مجاہدین نے اس کو ٹارگٹ بنانے کی کوشش کی لیکن عین اس وقت اس کی گاڑی وہاں سے نکل گئی انہوں نے گاڑی کا پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر جہادی گھوڑے پر اس کو پکڑنا آسان نہ تھا لیکن اس کی قسمت پھوٹ گئی جب یہ لوگ بٹہ مالو پہنچے تو ممبر اسمبلی کی گاڑی کھڑی تھی اور وہ دوکان سے کچھ خریداری کرر ہا تھا اس کے قریب دو مسلح گارڈز تھے باقی اہلکار تھوڑا دور تھے مجاہدین نے سوچا کہ پی ڈی پی کی نئی حکومت کو پیغام دینے کا یہ اچھا موقع ہے گو کہ یہ کارروائی کچھ مشکل تھی لیکن مجاہدین نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان تینوں کو جہنم واصل کر دیا ممبر کو عثمان بھائی نے ہلاک کیا جبکہ دونوں اہلکاروں کو بھائی وقاص افغانی نے نشانہ بنایا سیکورٹی اہلکاروں کے سنبھلنے سے پہلے مجاہدین لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو گئے رش والے علاقے میں فائر ہوتے ہی دوکاندار دوکانیں کھلی چھوڑ کر اور دیگر راہ گیر وغیرہ دشمن کی فائرنگ کی زد سے بچنے کے لئے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں اس بھگدڑ میں مجاہدین کو بھی نکلنے کا موقع مل جاتا ہے۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر چار کارروائیوں کے بعد دشمن کافی محتاط ہو چکا تھا لیکن مجاہدین ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے بٹہ مالو سے نکل کر وہ کا کہ سرائے صفا کدل سکہ ڈافر نوا کدل سے گذرتے ہوئے جامع مسجد نوہٹہ پہنچے۔ ان علاقوں میں انہیں کارروائی کا کوئی موقع نہ ملا، مغرب کے وقت وہ بہوری کدل سے واپس اپنے ٹھکانوں پر جانے کا ارادہ کرر ہے تھے ادھر ہی قریب ایک بنکر کے باہر کچھ فوجی پوزیشن سنبھالے الرٹ کھڑے تھے وہ ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے تھے اگر کسی ایک پر حملہ کیا جاتا تو دوسرے فوجی انہیں فوراً نشانہ بنا لیتے صرف ایک فوجی ایسی جگہ پر تھا جسے آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا مگر یہ فوجی بھی انتہائی محتاط انداز میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا اس کا کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کب کس طرف مڑ جائے دوسرا اس سے صرف 10 میٹر کے فاصلے پر بنکر کے اندر گن فٹ تھی مجاہدین سوچ رہے تھے اگر یہ فوجی ہمارے ہاتھوں مردار ہو جائے تو دشمن کی ذلت کے سامان میں مزید اضافہ ہوگا۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ مجاہدین کو کسی وقت کارروائی کے

لئے موقع نہ ملنے کی کیا وجہ ہوتی ہے؟ یہ بات نہیں کہ مجاہدین جہاں خطرہ نہ ہو وہاں دشمن پر حملہ کرتے تھے اور جہاں تھوڑا سا خطرہ محسوس ہوتا وہاں دشمن کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مجاہد کے ساتھ ہمہ وقت موت چل رہی ہوتی ہے اور سرینگر میں رہنے والے مجاہدین انتہائی قلیل اسلحہ کے ساتھ دن بھر انڈین آرمی کے بیچ گھومتے رہتے تھے اور فدایانہ انداز میں انفرادی کارروائیاں کرتے تھے اس طرح دن دیہاڑے دشمن کے بیچ میں کسی فوجی کی جان لینے سے قبل اپنی جان جانے کا کہیں زیادہ خطرہ ہوتا تھا۔

موقع نہ ملنے کی صورت میں فوجیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ محض ایک حقیر سے فوجی کے مارنے کے لئے ایک مجاہد کو شہید کروانا کوئی عقل مندی والی بات نہ تھی غازی بابا نے ساتھیوں کو تاکیداً کہا تھا کہ کسی بڑی کارروائی میں اگر انسان کی جان بھی چلی جائے تو کوئی پرواہ نہیں مگر صرف ایک دو فوجیوں کو مارنے کے لئے کبھی خود کو خطرے میں مت ڈالنا کیونکہ ایک مجاہد بہت قیمتی ہوتا ہے دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کارروائیوں نے دشمن کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا کہ یہ کارروائیاں کرنے والے کون ہیں اور کس طریقہ کار سے کام کرتے ہیں اگر کسی کارروائی کے دوران کوئی ساتھی شہید یا گرفتار ہو جاتا تو یہ راز فاش ہو جاتا بہر حال بہوری کدل میں اللہ کے شیروں نے اس فوجی کو ہلاک کر کے ہی دم لیا بنکر سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی گاڑیاں بھی یوں اندھا دھند دوڑنے لگیں کہ اس بھگدڑ میں مجاہدین کی موٹر سائیکل بری طرح کچلی گئی اور قابل استعمال نہیں رہی اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر وہ نکلنے میں کامیاب ہوئے غازی بابا نے ان کامیاب کارروائیوں پر ساتھیوں کو مبارکباد دی اور بہت خوش ہوئے۔

یکم جنوری 2003ء یعنی سال کا پہلا دن تھا عثمان اور وقاص بھائی کے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے وہ اکثر کارروائیاں اکٹھے کرتے تھے اس دن وہ سرینگر کے گنجان آباد علاقہ نواکدل میں تھے اس علاقے کو پرانا شہر بھی کہا جاتا ہے وہاں آج بھی قدیم طرز کی بڑی بڑی عمارتیں دیکھنے کو ملتی ہیں گلی کوچے اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں داخل ہو کر انسان گویا بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے ان کی نظر ایک گشتی پارٹی پر تھی جو بنکر سے نکل کر بڑی سڑک کے دونوں اطراف قطار کی

صورت میں چل رہی تھی جب پوری گشتی پارٹی گذر گئی تو جیش کے شاہین آخری دو فوجیوں پر جھپٹ پڑے اور انہیں موقع پر ہی ہلاک کر دیا مجاہدین نواکدل کی گلیوں میں گم ہو گئے اور بنیاز خم چاٹتا رہ گیا وہاں سے نکل کر وقاص بھائی نے مقامی میڈیا کو فون کر کے حملے کی ذمہ داری قبول کر لی، یہ کام انہی کے ذمے تھا پہلے غازی بابا اس چیز کو ضروری نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں مرکز کے حکم پر غازی بابا نے بھائی وقاص افغانی کو میڈیا کی ذمہ داری سونپ دی وقاص بھائی نے میڈیا والوں کو یہ بھی بتایا کہ یہ ہماری طرف سے انڈین آرمی کو نئے سال کا تحفہ ہے۔

بھائی محمد زکریا عرف وقاص افغانی آزاد کشمیر کے علاقہ راولاکوٹ کے رہنے والے تھے ان کے حصے میں راہ جہاد کی کئی سعادتیں آئیں اور انہوں نے کئی کافروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا اس داستان میں میں نے ان کی بہادری اور جوانمردی کے صرف چند ایک واقعات بیان کئے وہ پہلے ترال کے کمانڈر تھے غازی بابا نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھکر انہیں سرینگر کی اہم فیلڈ میں بلا لیا غازی بابا ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

میں سردیاں شروع ہونے سے پہلے ہی ساتھیوں کے لئے جرسیاں اور دستانے بننا شروع کر دیتی تھی کشمیر کی شدید سردی میں پہاڑوں پر رہنے والے مجاہدین کو اون کی بنی ہوئی چیزوں سے بہت فائدہ ملتا تھا یہ چیزیں بنا کر میں ترال بھیجتی تھی اور وہاں ساتھی ضرورت کے مطابق استعمال کرتے تھے اسی سال جہادی کے کہنے پر میں نے سب سے پہلا سوئیٹر وقاص بھائی کے لئے بنایا مہندی کلر کا وہ سوئیٹر ان پر بہت اچھا لگ رہا تھا وہ اسے اکثر پہنے رکھتے اور جہادی ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے وقاص بھائی کبھی یہ دھلایا بھی کرو وہ ہنس کر جواب دیتے استاد جی اسی لئے تو میں سردی سے محفوظ رہتا ہوں۔

پھر وہ جنت سدھار گیا

29 یا 30 جنوری کو وہ لوگ باہر گئے ہوئے تھے شام کو جہادی اکیلے kp پر آ گئے وہ انتہائی یخ بستہ شام تھی بجلی بھی نہیں تھی میں بچی کو سلا رہی تھی اسی دوران مجھے کچھ سنگل سنگل فائر ہونے کی آواز آئی۔ چند لمحوں کے وقفے کے بعد دو چار برسٹ فائر ہوئے اس کے بعد خاموشی چھا گئی یہ مختصر سی فائرنگ پریشان کن تھی لیکن جہادی چونکہ آ گئے تھے اس لئے مجھے ان کی طرف سے اطمینان تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں گھر والوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب وہ کمرے میں آئے تو میں نے انہیں فائرنگ کے بارے میں بتا دیا انہیں فائرنگ کی آواز نہیں آئی تھی کیونکہ وہاں بچوں کا شور شرابہ تھا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ فائرنگ کس طرف سے ہوئی میں نے کہا ہمنہ کی طرف سے اور پہلے فائر پسٹل سے ہوئے اس کے بعد گن کے برسٹ فائر ہوئے۔ یہ سن کر وہ پریشان ہوئے اور بولے دعاء کرو اللہ خیر کرے اس طرف وقاص بھائی گئے ہیں۔ وہ مجھے باہر لائے اور دوبارہ سمت پوچھی پڑوس میں ایک ٹرک پر سے اینٹیں اتاری جا رہی تھیں وہ بار بار مجھ سے کہہ رہے تھے تم غور کرو کہیں وہ ان اینٹوں کی آواز تو نہیں تھی؟ ان کی بے چینی سے لگ رہا تھا کہ گویا وہ وقاص بھائی کے حوالے سے کوئی غیر متوقع خبر سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے میں نے کہہ دیا کہ شاید وہ انہی کی آواز ہو۔ وہ میرے جواب سے مطمئن نظر نہیں آ رہے تھے اور تمام رات انہی کی باتیں کرتے رہے میں نے کہا انشاء اللہ وقاص بھائی ٹھیک ہونگے آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ جہادی نے فکر مند لہجے میں کہا نہیں سعدی آج اس نے مجھے کہا استاد جی آج میرا دل شہید ہونے کو کر رہا ہے کچھ دنوں سے ان کا دوست عثمان بھائی صفا پورہ گیا ہوا تھا انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا کاش! آج عثمان بھائی آ کر مل جاتے اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر بعد ہی ان کی خواہش پوری کر دی عثمان بھائی اسی روز صفا پورہ سے واپس آئے اور اتفاقاً انہیں قمر وادی چوک میں مل گئے وقاص بھائی خوشی سے ان کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔

بمنہ میں ایک سعادتمند گھر تھا، گھر کی مالکن مجاہدین سے انتہائی محبت رکھنے والی ایک ہمدرد عورت تھی اس نے سب مجاہدین پر یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ آپ بھی میرے بچوں کی طرح مجھے امی کہہ کر بلایا کرو۔ وہ ہر ساتھی کا اپنی مرضی کا نام رکھتی۔ وقاص بھائی کو ماجد اور عثمان کو شکیل کہہ کر بلاتی تھی ان دونوں سے وہ بالکل اپنے بچوں کی طرح محبت کرتی تھی اس دن قمر وادی چوک میں عثمان بھائی نے وقاص بھائی سے کہا کہ میں کافی دنوں کے بعد آیا ہوں آج امی کے گھر جا کر ان کا حال احوال معلوم کروں گا وقاص بھائی نے کہا ادھر آج میں جاؤں گا۔

آپ کسی اور پوائنٹ پر چلیں جائیں دراصل انہیں جانا ہی ادھر تھا کیونکہ لیلائے شہادت راستے میں ان کی منتظر تھی۔ اچھا دوست آپ ہی جاؤ عثمان بھائی نے انہیں ایک بار پھر گلے لگایا انہیں علم نہ تھا کہ یہ معانقہ ساری زندگی کے لئے ہے آج کے بعد وہ وقاص افغانی کو دیکھیں گے اور نہ ہی سرینگر کی گلیاں ان کے قدموں کی آہٹ سنیں گی عثمان بھائی نے جہادی گھوڑا ابھی دے دیا کیونکہ انہیں تھوڑا دور جانا تھا قمر وادی چوک کراس کرنے کے بعد وہ بمنہ کے علاقے میں داخل ہو گئے تو ایک گلی کا موڑ مڑتے ہوئے انہیں ہینڈز اپ کی آواز سنائی دی چونکہ ہلکا ہلکا اندھیرا اچھیل گیا تھا انہیں وہ کالے منحوس کافر نظر ہی نہیں آئے وہ گشتی پارٹی کے اندر گھس آئے تھے ان کے پاس رکنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا میجر نے انہیں سول آدمی سمجھ کر شناختی کارڈ دکھانے کا کہا وہ موٹر سائیکل سے اترے اور اطمینان سے جواب دیا سر میں ابھی کارڈ دکھاتا ہوں پھر انہوں نے آرام سے جیکٹ کی زپ کھولی اور پسٹل نکال کر اس ظالم میجر کے سینے میں کئی گولیاں اتار دیں میجر موقع پر ہی ہلاک ہوا باقی ماندہ فوجیوں نے وقاص بھائی پر اپنی بندوقوں کے دہانے کھول دیئے اور یوں شہادت کا متلاشی اپنے گرم لہو میں نہا کر خلد بریں کی طرف روانہ ہوا۔

بمنہ کی مائیں بہنیں انہیں جھولی پھیلا کر دعائیں دے رہی تھیں کیونکہ اس بدکردار افسر نے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا لیکن ماجد کی امی کے گھر کئی دن تک چولہا نہ جلا اور اسکا ذکر کر کے ہمیشہ ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں صبح ہوتے ہی غازی بابا نے نذیر بھائی کو حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا اس نے آ کر بتایا کہ فوج نے ایک موٹر سائیکل سوار نوجوان کو روکنے کی کوشش

کی نوجوان نے فائر کھولا جس سے میجر ہلاک ہوا اور وہ خود بھی شہادت پا گیا یہ سن کر ہم سمجھ گئے کہ افق کے اس پار جانے والا جانباز کوئی اور نہیں ہمارا وقاص افغانی ہی ہے غازی بابا کو اس کی جدائی کا گہرا صدمہ ہوا۔

غازی بابا سے لوگوں کی محبت کی ایک جھلک

مارچ کے آخر میں ہم لوگ پلوامہ چلے گئے غازی بابا کسی کام کے سلسلے میں مختصر سے عرصے کے لئے وہاں گئے تھے وادی زعفران پانپور میں محمد یونس مجاہدین کا مخلص حمایتی تھا ان کی چار بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی بھی نہیں تھا محمد یونس کے جذبہ جہاد کا یہ عالم تھا کہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود فدائی کی طرح کام کرتے تھے۔ سرینگر سے پلوامہ اسلحہ اور دیگر سامان پہنچانا ان کا معمول تھا وہ غازی بابا سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ایک دفعہ ہم ان کے مہمان تھے محمد یونس کے جوش و جذبے کا عجیب عالم تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کرے سیدھا سادہ ان پڑھ آدمی تھا باتوں باتوں میں غازی بابا سے کہنے لگا مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے میرے گھر میں (نعوذ باللہ من ذلک) حضور ﷺ آئے ہیں میرا سب کچھ آپؐ پر قربان، غازی بابا نے اس کو سختی سے ٹوکا اور کہا کہ اللہ کے بندے تم کفر کر رہے ہو حضور ﷺ کا رتبہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے اعلیٰ ہے ایسی باتیں کر کے مجھے گنہگار مت بناؤ۔

وہ اسی وجہ سے لوگوں سے اپنا آپ چھپاتے تھے، سرینگر میں ایک شہید کا گھرانہ ان سے بہت محبت کرتا تھا انہوں نے گھر والوں کو اپنا نام عابد خان بتایا اور یہ کہ مجھے کشمیر میں آئے ہوئے صرف چھ ماہ گزرے ہیں شہید کی ماں نے ان کو بیٹا بنایا تھا اور وہ ان کے ہاتھ غازی بابا کو سلام و پیغام اور تحائف بھیجا کرتے تھے ان کی تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ طویل وابستگی اور قربانیاں تھیں۔ اس گھر کا اکلوتا چشم و چراغ عرفان شہید اپنے وطن کی آزادی کے لئے جان قربان کر گیا تھا ان کے گھر میں دو ہائیڈیں تھیں اور وہ غازی بابا کا خاص ٹھکانہ تھا وہ ان کے ساتھ بہت محبت کرتی تھی اور محبت سے انہیں عابد کہہ کر بلاتی تھیں کبھی کبھار نیند سے جگانے کے لئے انہیں ایک آدھ چپت بھی لگاتیں وہ انہیں اکثر کہتی رہتی تھیں عابد غازی بابا کو ہمارے گھر لے کر آؤ ناں، ان کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

امی کا گھر صفا کدل کے ایک محلے میں تھا گلی کی نکڑ پر بھارتی فوج کا کیمپ تھا اور گھر سے وہاں تک زیادہ فاصلہ بھی نہ تھا پھر بھی ان کے گھر میں دن رات مجاہدین موجود ہوتے تھے ان کا باتھ روم مکان سے باہر صحن میں تھا دائیں بائیں چونکہ گھر تھے اس لئے مجاہدین دن کے وقت باتھ روم نہیں جاسکتے تھے ایک دفعہ غازی بابا کو دن کے وقت باتھ روم جانے کی ضرورت پیش آ گئی واپس آئے تو امی کو غائب پایا تھوڑی دیر بعد وہ برقعہ اوڑھے ہاتھ میں ایک شاپر پکڑ کر کمرے میں داخل ہوئیں انہوں نے شاپر سے بچوں والا پاٹ نکالا اور غازی بابا سے مخاطب ہوئیں: عابد میں تمہارے لئے یہ ''لیٹرین'' لائی ہوں دن کے وقت ضرورت پڑی تو یہ ہی استعمال کرنا میں صاف کرلیا کروں گی وہ ششدر ہوکر امی کو دیکھنے لگے اور بولے یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

امی بولیں تم سب میرے بچے ہی تو ہو، بچوں کا خیال ماں ہی رکھتی ہے جہادی نے کہا امی! یہ آپ یہاں سے اٹھالیں ہمیں شرمندہ نہ کریں پہلے آپ ہماری کم خدمت کرتی ہیں امی نے غصے اور محبت کے ملے جلے انداز میں کہا ٹھیک ہے اگر مرنا ہے تو جاؤ یہ باہر کیمپ ہے اس پر فدائی حملہ کرو اور شہید ہو جاؤ تا کہ مجھے یہ افسوس نہ رہے کہ میرا بیٹا باتھ روم جاتے ہوئے شہید ہو گیا خلوص ومحبت اور وفا شعاری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے، بعض اوقات اپنے بچے کی گندگی صاف کرتے ہوئے بھی گھن آ جاتی ہے لیکن سلام ہو کشمیر کی ان ماؤں بہنوں پر جنہوں نے اجروثواب کی نیت سے بارہا ایسی قربانیاں دیں۔

میں نے ایک بار جہادی سے کہا کہ اتنے مخلص اور قابل اعتماد لوگ ہیں آپ انہیں اپنی اصلیت کیوں نہیں بتاتے وہ بولے بالکل نہیں ایسے لوگ عقیدت میں بندے کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں ایک دن میں نے انہیں کہا کہ میں نے جو جوتے پہنے ہیں یہ غازی بابا کے ہیں انہوں نے مجھے دے دیئے ہیں ان لوگوں نے سارا کنبہ اکٹھا کیا اور کہا یہ بابا کے جوتے ہیں ان کی زیارت کرلو مجھے یہ چیز اچھی نہیں لگتی وہ ڈرتے تھے کہ کہیں میرے اندر ریاکاری پیدا نہ ہو کیونکہ شیطان کسی نہ کسی طرح انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوتا ہے یہی وجہ تھی کہ جہادی نے خود کو درجنوں ناموں کے پردے میں چھپا رکھا تھا دوسری بات یہ تھی کہ اس انداز سے دشمن بھی دھوکے میں رہتا تھا۔

جہاد کے راستے میں سب کچھ قربان کرنے کا عزم

غازی بابا پندرہ بیس دنوں کے بعد پلوامہ سے واپس سرینگر آ گئے مجھے کسی وجہ سے پندرہ دن ادھر ہی ٹھہرنا پڑا تقریباً 23 یا 24 اپریل کو انہوں نے رابطہ کر کے مجھے فوراً سرینگر آنے کا کہا ہماری ملاقات kp پر ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ 27 اپریل کو بھارت کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی سرینگر آ رہے ہیں اس حوالے سے وہ فدائی کارروائی کا پلان بنا رہے ہیں اور اس کے لئے مجھے بھیجنا چاہتے ہیں میں بسر و چشم تیار ہو گئی، اس سلسلے میں ہم نے کئی پلان بنائے کہ یہ کارروائی کس طرح کی جائے؟ بھارت کے سابق وزیراعظم راجیو گاندھی کو ایک عورت نے بارود کے ذریعے ہلاک کیا تھا ہم نے اس طریقے سے بھی کئی منصوبے بنائے اس وقت سیرت فاطمہ ایک سال اور چھ دنوں کی تھی میں نے ان سے اس کے حوالے سے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ اگر میں نے بچی کے حوالے سے کوئی سوال کیا تو وہ اپنا فیصلہ بدل نہ دیں، میں سوچ رہی تھی کہ میرے بعد وہ اس کو پاکستان دادی امی کے پاس بھیج دیں گے کئی دن میں یہ خواب دیکھتی رہی کہ میں ایک بٹن دبا رہی ہوں اور ہوا میں تحلیل ہو کر ایک ایسی دنیا میں پہنچ رہی ہوں جہاں ہر طرف پھول کھلے ہیں جہاں ہر طرف دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں اور جہاں سونے اور چاندی کے محل ہیں پھر ایک دن انہوں نے مجھے بتایا کہ انہیں اس چیز کی اجازت نہیں دی گئی میں نہیں جانتی کہ اجازت کس نے نہ دی البتہ انہوں نے مجھے یہ ہی بتایا تھا کہ بچی ابھی چھوٹی ہے مدت رضاعت میں ہے اس لئے اس چیز کی اجازت نہیں ملی اس بات سے مجھے بہت دکھ ہوا اور میں ان سے آخری دن تک اصرار کرتی رہی انہوں نے مجھے کہا سعدی! آپ کو کیا معلوم ہے کہ میں جہاد میں کہاں تک جانے کے لئے تیار ہوں آپ دونوں ہی میری کائنات ہو میں نے یہاں تک سوچا ہے اگر مجھے جہاد کے فائدے کے لئے بچی کو بھی بارود لگا کر اڑانا پڑے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں تم فکر نہ کرو کیا پتہ اللہ پاک آپ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتے

ہوں۔ میں نے ان سے کہا میری زندگی میں اگر کوئی خوشی یا رونقیں ہیں تو صرف آپ کے دم سے ہیں مجھے ڈر ہے آپ مجھ سے بچھڑ نہ جائیں کتنا اچھا ہوتا کہ آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے بھیج دیتے اور میں جنت کے باغوں میں آپ کا انتظار کرتی جہادی بولے ہمارا جینا مرنا جہاد میں ہی ہے انشاء اللہ کبھی شہادت مل ہی جائے گی اس حسین منزل کو پانے کی حسرت ابھی تک دل میں باقی ہے حالانکہ جہادی کے چلے جانے کے بعد ایک مرتبہ میری فائنل تیاری ہو چکی تھی لیکن اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا اور میری منزل مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی میری طرح عمر بھر سفر میں رہا

ریڈیو اسٹیشن پر فدائین کا حملہ

اپریل 2003ء شدید بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا دن رات مسلسل طوفانی بارش ہوتی رہتی تھی سرینگر شہر میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا غازی بابا موسم کی پرواہ کئے بغیر ایک فدائی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے اس سلسلے میں لوازمات اکٹھے کئے جا رہے تھے، وہ KP پر رات کو بارود بناتے تھے اور ہم ساری رات اسے گیلری میں پھیلا کر دونوں سائیڈوں سے ہیٹر لگا کر خشک کرتے تھے صبح ہونے سے قبل ہم وہ ہائیڈ میں چھپا دیتے تھے۔ نصرت کے گھر میں بھائی عبدالرحمٰن کا رکھا ہوا کچھ بارود پڑا تھا وہ کافی عرصے سے ان کی زمین میں دفن رہا اس لئے اس کے ٹھیک ہونے کا کم ہی امکان تھا غازی بابا نے مجھے کہا آپ وہاں جا کر وہ نکلوا لیں کیا پتہ وہ ہمارے کام آ جائے، میں وہاں چلی گئی اور ہم نے نصرت کے بھائی سے پٹرول کے خالی گیلن منگوائے رات کو بارود زمین سے نکلوایا اور اگلے دن ان گیلنوں میں پیک کر کے غازی بابا کو اطلاع دے دی انہوں نے شام کے وقت دو ساتھی بھیج دیئے اور وہ سامان موٹر سائیکلوں پر رکھ کر لے گئے، وہ سب چیزیں بالکل صحیح حالت میں تھیں جو اس کارروائی میں کام آ گئیں۔

ایک شام غازی بابا نے مجھے تین پولیس وردیاں استری کرنے کے لئے دیں رات کے گیارہ بج چکے تھے میں بڑی نفاست سے وہ کپڑے استری کر رہی تھی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کل یہ وردیاں پہننے والے میرے بھائی کہاں ہونگے یہ کپڑے بھی ان کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے نہ جانے وہ کون ہونگے کاش! مجھے ان خوش نصیب لوگوں کی خدمت کرنے کا موقع مل جاتا جو آج یہاں ہیں اور کل جنت میں ہوں گے جہادی بستر میں لیٹے ہوئے تھے اور مجھے بار بار لائٹ بند کرنے کا کہہ رہے تھے مجھے استری والے کام سے الجھن ہوتی ہے لیکن ان کپڑوں کی ایک ایک شکن دور کرنے کے لئے میں کئی بار استری پھیرتی تھی میں نے انہیں سلیقے سے تہہ کر کے الماری میں رکھا، جانے کیوں میرا دل بھر آیا میں نے ان کپڑوں کو چوما اور میری

آنکھیں نم ہو گئیں میں اپنی کیفیت جہادی سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی مگر انہوں نے محسوس کر لیا اور مجھ سے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے الٹا سوال کر کے پوچھا کہ یہ وردیاں فدائین پہنیں گے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں...... اور آپ اس لئے انہیں چوم رہی تھیں ہم کافی دیر تک ان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

اس کارروائی میں تین مجاہد شامل تھے ایک معاویہ بھائی دوسرے بھائی محمد یونس اور تیسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہیں دو دن پہلے سے سرینگر بلایا گیا تھا وہاں وہ لوگ ایک مقامی ساتھی عامر بھائی کی نگرانی میں تھے آخری دن عامر بھائی نے ان سے پوچھا بھائی کل آپ لوگ جنت کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں مجھے کسی خدمت کا موقع دے دیں کچھ کھانے پینے کا دل کر رہا ہو تو مجھے بتا دیں انہوں نے جواب دیا عامر بھائی اللہ کے راستے میں جان دینے کی تمنا پوری ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے باقی ساری خواہشیں ادھر ہی پوری ہونگی لیکن ایک حسرت تھی جو دل میں رہ گئی اس کے پورا ہونے کا وقت بھی نہیں ہے اس لئے اب رہنے دیں عامر بھائی نے بتانے پر اصرار کیا تو معاویہ بھائی نے کہا ہمیں غازی بابا سے ملنے کی بہت خواہش تھی لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی عامر بھائی خاموش ہوئے وہ انہیں بتانا چاہتے تھے کہ جو دن کو آپ کے ساتھ کندھے سے کندھے ملا کر چل رہا تھا وہی تو غازی بابا ہیں لیکن غازی بابا کی اجازت کے بغیر وہ انہیں نہیں بتا سکے صبح غازی بابا کارروائی فائنل کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچے تو عامر بھائی نے انہیں ساتھیوں کی خواہش کا بتا دیا فدائین ساتھیوں کو جب علم ہوا تو فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

اس دن ایک گھنٹے کے لئے بھی بارش نہیں رکی لیکن یہ طوفانی بارش مجاہدین کے عزم و ارادے کے آگے حائل نہ ہو سکی انہوں نے حبہ کدل کے مقام پر گاڑی تیار کر لی معاویہ بھائی نے گاڑی گیٹ پر بنے بنکروں سے ٹکرا کر بلاسٹ کرنی تھی گاڑی کے اندر ڈیڑھ سو کلو بارود رکھ دیا گیا، ریڈیو اسٹیشن لال چوک میں تھا اور وہاں سے قمر وادی تک تقریباً پانچ سے آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ تھا، دن کے بارہ بجے KP پوائنٹ پر ہمیں دھماکے کی آواز صاف سنائی دی۔ میں تصور میں

معاویہ بھائی شہیدؒ کو فضاؤں میں تحلیل ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور گڑگڑا کر اللہ پاک سے ان کی کامیابی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ نذیر بھائی کی اہلیہ نے مجھے آ کر بتایا ٹی وی پر کوئی فدائی کارروائی لائیو دکھائی جا رہی تھی انہیں ہم نے پہلے نہیں بتایا تھا میں نے ان کے کمرے میں جا کر دیکھا وہ ہمارے ساتھیوں کی کارروائی ہی تھی، بھارتی فوجیوں کی لاشیں بارش میں تڑپتی نظر آ رہی تھیں دوسرے دو ساتھی بلڈنگ کے اندر گھس کر کنٹرول روم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے غازی بابا ریڈیو اسٹیشن سے صرف دو سو میٹر دور جے اینڈ کے بینک کے پاس فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر کارروائی کا منظر دیکھ رہے تھے انڈین آرمی کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں فوجی گاڑیاں ان کے سامنے سے گذرتی جا رہی تھیں اور اس کارروائی کا ماسٹر مائنڈ قریب ہی فٹ پاتھ پر کھڑا ان کی بوکھلاہٹ کا تماشہ دیکھ رہا تھا پانچ گھنٹے جاری رہنے والی اس جھڑپ میں گیارہ فوجی مردار ہوئے لیکن ساتھی کنٹرول روم تک پہنچنے سے پہلے ہی جام شہادت پی گئے۔

بارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی ہم نے زندگی میں اتنی شدید بارش پہلے کبھی نہ دیکھی تھی ٹین کی چادروں پر بارش کے گرنے سے عجیب شور برپا تھا، میں ان کے لئے بہت پریشان ہو رہی تھی کہ اس خراب موسم میں وہ کس طرح آئیں گے؟ عصر کے بعد وہ آئے تو ان کی حالت کافی خراب تھی پاؤں سے پانی ٹپک رہا تھا اور تمام کپڑے بھیگ گئے تھے میں نے انہیں بدلنے کے لئے کپڑے دیئے اور خود چائے بنانے لگی وہ چائے بہت کم پیتے تھے میں نے ان کی حالت دیکھ کر بنا پوچھے چائے بنائی انہوں نے کہا میں پہلے نماز پڑھوں گا وہ اداس اور خاموش سے تھے میں جانتی تھی کہ اداسی کے یہ بادل اب آنسوؤں کی بارش ہونے کے بعد ہی چھٹیں گے۔ نماز کے بعد وہ دیر تک مصلے پر بیٹھے رہے اور ہاتھ اٹھا کر نہ جانے اپنے رب سے کیا کیا مانگتے رہے میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس دن انہوں نے شہادت کی دعاء مانگی تھی کیونکہ ایسے ہی موقعوں پر دعائیں قبول ہوا کرتی ہیں اور ایسے موقع پر انہیں اپنے سینکڑوں شہید ساتھی یاد آ جاتے تھے وہ کافی دیر مراقبے کی حالت میں مصلے پر بیٹھے رہے پھر آنسوؤں کے بند کھل گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے وہ شہداء کی یاد میں اکثر روتے تھے لیکن اس دن وہ کافی دیر تک اور شدت سے

روتے رہے ان کا جسم سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا اور میں انہیں تسلی دیتے ہوئے خود بھی روئے جارہی تھی۔

انہوں نے شہیدوں کی جیبوں سے برآمد ہونے والی چیزیں مجھے دکھائیں جن میں ایک چھوٹی ڈائری، قلم اور ایک دوسو روپے تھے یہ چیزیں دیکھ کر مجھے بہت رونا آیا کہ یہ درویش صفت لوگ یہ میراث چھوڑ کر جارہے ہیں، جہادی نے کارروائی پر جانے سے پہلے ساتھیوں کے تاثرات ایک کیسٹ میں ریکارڈ کر لئے تھے ہم نے کیسٹ ٹیپ میں لگائی اور ان شہیدوں کی آواز کانوں میں گونجنے لگی جواب ہم میں نہیں تھے شہداء کا آخری پیغام سنتے وقت ہم دونوں رو رہے تھے بھائی محمد یونس شہیدؒ صادق آباد (ضلع رحیم یارخان) کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنے پیغام میں کہا کہ ہم لوگ اپنی خوشی سے جارہے ہیں اور اپنے والدین کو صبر وشکر کی تلقین کی بھائی معاویہ شہیدؒ اٹک کے رہنے والے تھے انہوں نے بھی اپنے والدین اور ساتھیوں کے لئے اسی نوعیت کا پیغام دیا آخر میں انہوں نے غازی بابا کے لئے دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد جی کو لمبی زندگی عطاء فرمائے اور ان سے اپنے دین کا بہت زیادہ کام لے غازی بابا نے کہا ساتھیو! میرے لئے شہادت کی دعاء کرو یہ مت سمجھنا کہ میں آپ کو بھیج رہا ہوں اور خود یہاں بیٹھا ہوا ہوں میرا وعدہ ہے کہ میں بھی اس سرزمین میں دفن ہو جاؤں گا اس کارروائی سے صرف چار ماہ بعد انہوں نے شہیدوں سے کیا ہوا وعدہ وفا کر دکھایا۔

جدائی کا غم اور ساتھیوں کا انتقام

ساتھیوں کی شہادت کے بعد کئی دنوں تک وہ اداس رہے تھے وہ مجھے اکثر شہید ساتھیوں کے قصے سناتے تھے تندر شہید رحمۃ اللہ علیہ، بدر شہید رحمۃ اللہ علیہ، بمبار شہید رحمۃ اللہ علیہ، اور دلاور شہید رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے ساتھ انکا قلبی لگاؤ رہا تھا اوران شہیدوں کا ذکر ہمیشہ ان کی زبان پر رہتا تھا بھائی تندر شہیدؒ لولاب میں جھڑپ کے دوران ایک گولہ لگنے سے ٹکڑوں میں بکھر گئے تھے ان کے جسم کے ٹکڑے جہاں جہاں گرے وہ علاقہ کئی دنوں تک خوشبوؤں میں مہکتا رہا اور انڈین آرمی کا افسر شہید کی کرامت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور مقامی لوگوں سے کہا جاؤ اپنے شہید کو عزت و احترام سے دفنا دو! غازی بابا ان کی یاد میں اکثر یہ نظم پڑھتے رہتے تھے جس کا صرف ایک مصرعہ مجھے یاد ہے ۔

تندر شہید تیرے جنت وچ ٹھکانے

دلاور شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ وہ ان کے دوست تھے اور ایک جھڑپ کے دوران غازی بابا کی گود میں شہید ہو گئے تھے جہادی کہا کرتے تھے کہ مجھے شہید بہت یاد آتے ہیں اگر کوئی ساتھی مخبری کی وجہ سے شہید ہوتا ہے تو مجھے بہت زیادہ دکھ ہوتا ہے جب تک میں مخبر کو ختم نہ کر دوں مجھے سکون نہیں ملتا ایک بار میں نے بانڈی پورہ میں چار مخبروں کو ایک ہی وقت میں ذبح کر دیا اس کے بعد میں بہت رویا تھا کہ اگر ہمارے کلمہ گو بھائی دشمن کے ایجنٹ نہ بنتے تو ہمیں انہیں قتل نہ کرنا پڑتا میں نے ان سے کہا کہ ذبح نہ کیا کریں گولی سے بھی ان کا کام ہو سکتا ہے ذبح کرنے سے انہیں اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا وہ بولے اچھا تو یہ بات ہے آپ کو مخبروں پر ترس آنا شروع ہو گیا ہے آج کے بعد اگر کسی مخبر کو مارنے کی نوبت آئی تو میں یہ کار خیر آپ سے کراؤں گا میں نے کہا میں ضرور ماروں گی ایسے غداروں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن میں فائر کر کے ہی ماروں گی وہ مزاحیہ انداز میں بولے گولی سے نہیں میں آپ کے ہاتھ میں خنجر دے کر اپنے سامنے اس کو ذبح کراؤں گا۔

ایک عمومی اعتراض کا مدلل جواب

جہاد کشمیر کے حوالے سے کچھ لوگ اس بات پر اعتراضات کی بھرمار کر دیتے ہیں کہ کشمیر میں مخبریاں ہو رہی ہیں اب وہاں کا رخ نہیں کرنا چاہیئے ۔ حالانکہ مخبری اور جاسوسی کا سلسلہ نبی اقدس ﷺ کے دور سے چلا آ رہا ہے صرف کشمیر میں ہی نہیں پوری دنیا میں اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ۔ اچھے اور برے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اس لئے صرف کشمیریوں کو مورد الزام ٹھہرانا سراسر زیادتی ہے مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ وہاں یہ سب ہوا یا ہو رہا ہے لیکن اعتراض کرنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ لاکھوں جانوں اور ہزاروں عصمتوں کی قربانی دینے والے بھی کشمیری ہی ہیں میں پورے وثوق کے ساتھ کہتی ہوں کہ دولت کے لالچ میں مخبری کرنے والے افراد کی تعداد بہت کم ہے اکثر لوگوں کو انڈین آرمی کے وحشیانہ سلوک نے اس چیز پر مجبور کر دیا ہے میرے ذہن میں کئی ایسے واقعات ہیں کہ انڈین آرمی نے ایک عام اور بے قصور آدمی کو گرفتار کر کے اس پر شدید تشدد کیا وہ آدمی مجبوراً اپنے گھر پر چھاپہ ڈلواتا ہے اور ان سے کہتا ہے میں نے فلاں جگہ اسلحہ چھپا رکھا ہے فوجی اس کے پورے گھر کی کھدائی کر دیتے ہیں مگر وہاں کچھ نہیں ملتا اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن وہ صرف تشدد سے مجبور ہو کر یہ اقدام کرتا ہے ۔ جس آدمی کو پٹرول کا انجکشن لگا کر برہنہ کر دیا جائے اور جس پندرہ سال کے بچے کے ساتھ غیر انسانی فعل کر دیا جائے ایسے میں انسان کس قدر مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے یہ وہی لوگ جانتے ہیں جو ان حالات سے گذرے ہوں یہ صرف فرضی اور من گھڑت باتیں نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے اور باوجود علم ہونے کے ایسے کئی واقعات ہیں جنھیں تحریر میں لاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے کشمیری عوام قابل فخر اور قابل تحسین ہیں جنہوں نے ایسے مظالم سہہ کر بھی شمع آزادی کی لو مدہم نہیں ہونے دی ۔

نصرت کی گرفتاری اور رہائی

یکم جون 2003ء کو مجھے غازی بابا نے کچھ شیل دیئے اور کہا یہ عیدگاہ میں ساتھیوں تک پہنچانے ہیں وہاں سے نصرت کا گھر قریب ہی تھا میں نے ان سے نصرت سے ملاقات کرنے کی اجازت مانگی انہوں نے مجھے وہاں جانے کی اجازت دے دی انہیں معلوم تھا کہ نصرت اور رابعہ کے ساتھ میرا دلی لگاؤ ہے جب بھی میرا دل اداس ہوتا تو وہ مجھے ان کے گھر بھیج دیتے تھے دن کے تین بجے میں نے عیدگاہ میں ساتھی کو سامان دے دیا اور خود نصرت کے ہاں چلی گئی جب میں وہاں پہنچی تو یہ سن کر مجھے شدید دھچکا لگا کہ نصرت گولی لگنے سے زخمی ہوگئی ہے اور وہ کئی دنوں سے ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ میں نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور واپسی کا ارادہ کر رہی تھی کہ اماں جی نے مجھے کہا کہ وہ تھوڑی دیر تک گھر واپس آ جائیں گی اس سے ملاقات کرلو انہوں نے مجھے اس کے زخمی ہونے کا واقعہ سنایا۔

ہمارے ساتھ کام کرنے سے پہلے وہ ایک دوسری تنظیم کے ساتھ کام کر رہی تھی بلکہ وہ سادہ لوح لڑکی ہر تنظیم کا کام کرتی تھی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ یہ مجاہدین ہیں باقی یہ کون ہیں کس تنظیم کے ہیں اس نے کبھی یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہمارے ساتھ ملاقات ہونے کے بعد میں نے اس کو سمجھایا کہ یہ چیز آپ کیلئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ مجاہدین کا مشن ایک ہے لیکن ہر تنظیم کے الگ الگ اصول ہوتے ہیں اور کام کرنے کا اپنا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے ہر ایک کے ساتھ کام کر کے آپ ایکسپوز ہو جاؤ گی جو آپ کے اور مجاہدین دونوں کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے اس کو بات سمجھ آ گئی اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ کام کرتی تھی وقت گذرتا گیا اور ان دنوں اس کی سابقہ تنظیم کے کسی مجاہد نے اس کے پاس پسٹل رکھ دیا وہ گھر کے اندر یہ چیز نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ بھارتی فوجی کسی بھی وقت کسی بھی گھر کی تلاشی لیتے ہیں۔ وہ گھر کے صحن میں پسٹل کو چھپانے کے لئے کوئی محفوظ جگہ تلاش کر رہی تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ

پسٹل لوڈ ہے کیونکہ اس کا میگزین پہلے ہی علیحدہ پڑا ہوا تھا لیکن پسٹل کے اندر گولی موجود تھی بے دھیانی میں اس کے ہاتھ سے ٹریگر دب گیا اور گولی اس کی پنڈلی کو چیرتے ہوئے باہر نکل گئی اس کی ٹانگ سے خون جاری ہو گیا مگر اس بہادر لڑکی نے گھبرانے یا پریشان ہونے کی بجائے انتہائی جرأتمندی کا مظاہرہ کیا اس نے سر سے ڈوپٹہ اتار کر زخم کو اچھی طرح باندھ لیا تا کہ خون بند ہو جائے اس کے بعد گولی کا خول تلاش کر کے پسٹل ادھر کہیں چھپا دیا گھر والوں نے فائر کی آواز سنی تھی لیکن اس کا پتہ نہ تھا نصرت نے اندر آ کر انہیں بتایا کہ فائر مجھ سے ہو گیا اسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا گھر والوں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ یہ انت ناگ دعوت پر گئی ہوئی تھی وہاں کراس فائرنگ کے دوران اس کو گولی لگ گئی کیونکہ ہسپتالوں میں آرمی کے جاسوس ہر وقت موجود رہتے تھے تا کہ اگر کسی مجاہد کو وہاں علاج کے لئے لایا جائے تو اسے پکڑا جائے۔

اماں نے مجھے یہ کہانی سنائی اتنے میں نصرت بھی آ گئی اس کو دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گئی ان کے گھر کے قریب ہی بھارتی فوجیوں کے دو چار بنکر تھے میں نے نصرت سے کہا کہ انہوں نے فائر کی آواز ضرور سنی ہو گی پسٹل سے ہونے والے فائر کو وہ کبھی نظر انداز نہیں کریں گے آپ ان کی خاموشی سے غافل نہ ہونا بلکہ بہت احتیاط کرنا میں وہاں سے واپس kp پر آ گئی غازی بابا یہ سن کر بہت پریشان ہو گئے اور قدرے غصہ بھی، وہ بولے وہ کون پاگل تھا جس نے لوڈ پسٹل اسے تھما دیا اور کیا آپ نے اس کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ کوئی بھی اسلحہ ہاتھ میں اٹھاؤ تو سب سے پہلے اس کو چیک کرو میں نے کہا بتایا تھا مگر میگزین اور گولیاں علیحدہ پڑی تھیں اس لئے وہ دھوکا کھا گئی۔

غازی بابا نے مجھے یہ چیز سکھائی تھی کہ کوئی بھی اسلحہ ہاتھ میں لیتے ہی پہلے اطمینان کر لو کہ یہ خالی ہے بے شک میں آپ کو یہ بتا دوں کہ پسٹل خالی ہے آپ نے پھر بھی اس کو چیک کرنا ہے یہ اسلحے کا اصول ہے ان کا یہ سبق مجھے اچھی طرح یاد ہے اسلحہ جیسی چیز کے بارے میں غفلت بہادری نہیں بہت بڑی حماقت ہے۔

کافی دن گذر گئے نصرت کا زخم بھی کافی بہتر ہو گیا لیکن دشمن نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا

اس بات نے نصرت کو دھوکہ دیا کہ شاید انہیں اس بات کا علم ہی نہیں ہوا ،ایک دن وہ پسٹل متعلقہ بندے کو دینے جا رہی تھی اس نے پسٹل اپنے پرس میں ڈال دیا اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے پیچھے دشمن نے ایک مخبر چھوڑا ہوا ہے جو ہسپتال میں بھی اس کی جاسوسی کرتا رہا ہے جب وہ لال بازار پہنچی تو ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی وہاں پہلے ہی کھڑی تھی انہوں نے اسے روک کر تلاشی لی اسلحہ برآمد ہوتے ہی اسے گاڑی کے اندر دھکیل دیا اور رام باغ پولیس اسٹیشن پہنچا دیا۔ اس دن میں کسی کام کی وجہ سے اس کے گھر گئی میں نے کافی دیر انتظار کیا لیکن وہ واپس نہیں آئی مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ گرفتار ہوگئی ہے اماں نے مجھے رات ٹھہرنے کے لئے کافی اصرار کیا لیکن میں نے معذرت کر لی کیونکہ جہادی نے مجھے واپس آنے کا کہا تھا اگلے دن KP پر انصار بھائی بھی موجود تھے غازی بابا اخبار ہاتھ میں پکڑے باہر آئے اور مجھ سے نصرت کے والد کا نام پوچھا جب میں نے بتایا تو انہوں نے انا للہ پڑھی اور مجھے اخبار پکڑا دیا اخبار کے پہلے صفحے پر اس کی گرفتاری کی خبر چھپی ہوئی تھی۔

وہ جمعہ کا دن تھا میں قرآن پاک تلاوت کر رہی تھی تلاوت کے ساتھ ساتھ میں روئے جا رہی تھی اپنی عزیز از جان سہیلی کا یوں اسلحہ سمیت پکڑا جانا میرے لئے بہت بڑا صدمہ تھا مجھے اس کی رہائی کی امید ہی نہ تھی کیونکہ اس کو ثبوت کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا تھا مجھے رہ رہ کر اس کی رفاقت اور وفائیں یاد آ رہی تھیں ایک فون کال پر وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی بھی وقت کسی بھی جگہ چلی آتی تھی وہ بہت بہادر اور دلیر لڑکی تھی بڑی سے بڑی آزمائش پر ثابت قدم رہنے والی لیکن احتیاط برتنے میں ذرا سستی سے کام لیتی تھی محاذ جنگ پر بہادری کے ساتھ ساتھ احتیاط بھی لازم چیز ہے بہادر انسان جب احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو اسے لازمی نقصان اٹھانا پڑتا ہے مجھے بہت دکھ ہو رہا تھا کہ اس نے یہ چیزیں پرس میں کیوں ڈال دیں بہر حال جو کچھ بھی ہوا ہمیں اس بہن کی گرفتاری کا شدید رنج ہوا غازی بابا نے نفل پڑھ کر رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگیں پھر وہ بہن کی رہائی کے لئے منصوبے بنانے لگے اس حوالے سے انہوں نے مجھے نصرت کے گھر والوں سے ملاقات کر کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے مجھے بتایا کہ نصرت نے اقبال جرم نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ پسٹل مجھے راستے میں کسی نوجوان نے دیا اور کہا کہ کیمپ کراس کرنے کے بعد میں آپ

سے لے لوں گا ہم اس کی ضمانت کی کوشش کر رہے ہیں آپ لوگ اس حوالے سے کوئی کام کریں گے تو دشمن کو یقین ہو جائے گا کہ وہ کسی تنظیم سے منسلک ہے، ہمیں مجبوراً خاموش رہنا پڑا میں نے انہیں کیس وغیرہ کے لئے کچھ رقم دے دی اور واپس آ گئی وہ دن میرے لئے بہت مشکل تھے رات کو میری آنکھ کھل جاتی تو وہ پیاری سی بہنا بھارتی درندوں کے جنگل میں نظر آتی پھر میری نیند ہی اڑ جاتی تھی رام باغ پولیس اسٹیشن صرف عورتوں کے لئے مخصوص تھا وہاں صرف عورتوں کو ہی قید رکھا جاتا تھا لیکن کنٹرول ایس ٹی ایف کے ہاتھ میں تھا قیدیوں سے پوچھ تاچھ اور ان کو ٹارچر کرنا بھی مردوں کا ہی کام تھا، ظالموں نے اس نازک سی لڑکی کو شدید ٹارچر کیا کہ بتاؤ تمہارا تعلق کن لوگوں سے ہے اور پسٹل تمہیں کس نے دیا؟ مجاہدین کے ٹھکانوں کا پتہ بتا دو ان سوالات کے جواب اگلوانے کے لئے بزدل فوجیوں نے ہر حربہ آزمایا اس کے پاؤں کے انگوٹھے کو زخمی کر کے اس میں بجلی کے کرنٹ لگائے۔ انٹروگیشن کے دوران اس کے سر کی ایک رگ متاثر ہوئی اس بہادر لڑکی نے ہر ظلم وستم برداشت کیا لیکن ان کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا حالانکہ وہ غازی بابا کو بھی جانتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت صبر واستقامت دیا اور سولہ دنوں کے بعد اس کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا اس کی ضمانت قاضی گنڈ جموں کے ایک ڈی ایس پی نے کرائی اس کے ساتھ نصرت کی جان پہچان میری بیماری کے دوران ہسپتال میں ہوئی تھی ڈی ایس پی کی بیوی ایس ایم ایچ ہسپتال میں زیر علاج تھی نصرت بہت رحمدل بھی واقع ہوئی ہے وہ ہسپتال میں میرے علاوہ دوسرے مریضوں کا بھی خیال رکھتی تھی، ڈی ایس پی کی اہلیہ کا اس نے بہت خیال رکھا اس ہمدردی پر ڈی ایس پی ''انکل'' نے اس کو اپنا فون نمبر دیا اور کہا بیٹا کسی بھی وقت میری ضرورت پڑے تو ضرور فون کرنا نصرت کے گھر والوں نے اس کو فون پر اطلاع دے دی اس کی ضمانت پر اسے رہا کیا گیا رہائی کے بعد وہ ایک عرصہ روپوش ہی رہی اس کی دماغ کی رگ کا بہت مسئلہ تھا ایک ڈیڑھ ماہ ڈاکٹر اسے انجکشن کے ذریعے بے ہوش رکھتے تھے میری اس سے کافی عرصہ ملاقات نہیں ہو سکی ایک دن اس نے ہمیں پیغام بھیجا کہ میں نے کچھ بھی نہیں بتایا ہے آپ مجھے کیوں نہیں ملتے اگر وہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیتے تب بھی نصرت کی زبان سے کوئی بات نہ نکلتی، وہ قابل فخر بہن تھوڑے ہی عرصے کے بعد پھر سے جہاد کا کام کرنے لگی حالانکہ ابھی اس کا کیس بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

سرینگر کی بعض اہم کارروائیاں

مجاہدین جیش محمد ﷺ نے سرینگر میں انڈین آرمی کا جینا حرام کر رکھا تھا مجاہدین ہر تیسرے دن اپنے ٹھکانوں سے نکل جاتے تھے ہر چھوٹے بڑے چوک میں بھارتی فوجیوں کی دو چار لاشیں تڑپتی نظر آرہی تھیں، انفرادی کارروائیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی انہیں یاد رکھنا بھی مشکل کام تھا ایک ماہ کے اندر اندر کم از کم 30، 35 فوجی مردار ہو جاتے تھے میں نے صرف ان کارروائیوں کا ذکر کیا جو میرے ذہن میں بالکل محفوظ تھیں یا جن کے شواہد مجھے کہیں سے مل گئے تھے ان کے علاوہ بہت سی ایسی کارروائیوں کو میں ایک جگہ سمیٹ رہی ہوں جس کی وجہ سے ان کی تاریخیں آگے پیچھے ہو رہی ہیں۔

یہ 21 جون 2003ء کا واقعہ ہے غازی بابا اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے انہوں نے خود انصار بھائی کے جوتے پالش کئے تھے وہ بالکل تیار کھڑے تھے اور جوتوں کے تسمے باندھتے وقت میرے ساتھ کوئی بات کر رہے تھے عین اسی وقت مجھے رات والا خواب یاد آ گیا یہاں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ ان خوابوں کا مطلب ولایت نہ لیا جائے بلکہ محاذ پر رہنے والا مجاہد اللہ رب العزت کے بہت قریب ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر لمحہ موت کے منہ میں ہوتا ہے کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کسی وقت شہادت مل جائے اس لئے مجاہد کے دل میں فکر آخرت ہر وقت موجود رہتی ہے وہاں پر اکثر مجاہدین کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوتی رہتی تھی اور ایسے خواب آتے تھے جو بالکل سچ ثابت ہوتے تھے۔

اس لئے غازی بابا نے مجھے اس بات کی خصوصی تاکید کی تھی کہ صبح اٹھ کر خواب ضرور سنایا کروں۔ اس دن میں نے ان سے کہا کہ آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے وہ بولے اس وقت ہم نکل رہے ہیں اب اللہ توکل کر کے نکل جاتے ہیں۔ اگر خواب پریشان کن ہے تو آپ نفل پڑھ کر دعاء کرنا انشاء اللہ خیر ہو گی میں ان کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد وہ

بولے کہ اپنا خواب سناؤ۔ میں نے دیکھا تھا کہ میں ایک سیڑھی چڑھ رہی ہوں اوپر جا کر میں نے دیکھا آگے راستہ ہی بند ہے میں واپس سیڑھیوں سے اتر آئی تو نیچے ایک مکروہ شکل والا کالا سیاہ آدمی کھڑا ہے اس نے بازو آگے کر کے میرا راستہ روک لیا اور عجیب طرح سے مجھے گھورنے لگا میں سخت پریشان ہوئی کہ اس آدمی سے کس طرح بچ کر نکل جاؤں میرے ذہن میں کچھ خیال آیا میں نے زمین پر سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی اور اس آدمی کی آنکھوں میں دے ماری وہ آنکھیں ملنے لگا اور میں وہاں سے بھاگ گئی یہ خواب سن کر جہادی نے کہا فکر نہ کرو انشاء اللہ دشمن اندھا ہو جائے گا اس دن انہوں نے ہندوستان سے آئے ہوئے ایک خاص مہمان سے ملاقات کرنی تھی ان کے ساتھ انڈیا میں ایک کارروائی کے حوالے سے مشاورت کرنی تھی جاتے وقت انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ شام کو واپس آئیں گے ورنہ کل شام تک ضرور انشاء اللہ۔

نذیر بھائی کسی کام سے سونہ مرگ گئے ہوئے تھے ان کی اہلیہ اور میں KP پوائنٹ پر اکیلی تھیں شام کو جہادی واپس نہیں آئے اور نہ ہی دوسرے دن، تیسرے دن رات آٹھ بجے تک میں نے دروازہ کھلا رکھا جب وہ نہیں آئے تو مجھے پریشانی ہوئی کیونکہ ہمارے ٹھکانوں پر ہر وقت چھاپہ پڑنے کا خطرہ رہتا تھا اور وہ بلاوجہ ہمیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے ضرور ان کے ساتھ کوئی مسئلہ بن گیا ان دنوں کسی وجہ سے میرا سیٹ بند ہوتا تھا۔ ہماری ہائیڈ میں وائرلیس سیٹ پڑے ہوئے تھے میں ہائیڈ میں سیٹ نکالنے کے لئے گئی تاکہ رابطہ کر کے ان کا پتہ کروں میں سیٹ لے کر باہر آئی تو انہیں کمرے میں موجود پایا انہوں نے ہنستے ہوئے کہا پگلی! اب آپ کو رابطے کا خیال آیا میں تو انتظار کرتا رہا کہ آپ رابطہ کر کے مجھے حالات بتاؤ گی تو میں آؤں گا میں نے پوچھا کیا ہوا تھا؟ وہ بولے شکر ہے آپ کو پتہ نہیں ہے ورنہ اتنے دن تم نے پریشانی سے سوکھ جانا تھا پھر وہ کہنے لگے آپ نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی آپ کا خواب تو قمر چوک میں ہی پورا ہو گیا تھا بالکل اسی طرح ہم دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب ہم لوگ قمروادی چوک سے گزرنے لگے تو ایک گلی میں داخل ہوتے ہی اچانک ایک مکان کا دروازہ کھلا اور وہاں سے کچھ فوجی باہر نکلے مکان کے اندر سے اس طرح فوجیوں کا نکلنا ان کے لئے

غیر متوقع تھا فوجیوں نے فوراً انہیں گھیر لیا اور رکنے کا اشارہ کیا اس وقت ان کے ساتھ عثمان بھائی تھے انصار بھائی پہلے ہی کسی دوسرے کام پر روانہ ہو چکے تھے ان کے پاس رکنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا افسر نے انہیں موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کرنے کو کہا اور خود انہیں دیکھتا ہی رہ گیا اس کے منہ سے کوئی بات ہی نہیں نکل رہی تھی غازی بابا نے جیب سے سول کارڈ نکالتے ہوئے خود ہی بات شروع کر دی اور افسر سے کہا سر ہم صفا پورہ کے رہنے والے ہیں افسر نے پوچھا یہاں کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کاروبار کے لئے آئے ہیں۔ سول کارڈ وہ ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے افسر نے کارڈ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور انہیں دیکھے جا رہا تھا پھر انہوں نے ہاتھ اوپر کرنے کا کہا اور دوسرے فوجی کو انکی تلاشی لینے کا حکم دیا بس یہی وہ لمحہ تھا جس میں انہیں بہت بڑا فیصلہ مگر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کرنا تھا کیونکہ جس طرح وہ ان کے درمیان پھنس گئے تھے خیریت سے نکلنا ناممکن نظر آ رہا تھا قمیص کے اندر ان کے بیلٹ میں پسٹل اور گرنیڈ لگے ہوئے تھے مگر فوجی اتنے زیادہ قریب تھے کہ اگر وہ پسٹل نکالنے کی کوشش میں ہاتھوں کو حرکت دیتے تو فوجی فائر کرنے سے پہلے ہی انہیں دبوچ لیتے افسر کے منہ سے تلاشی کی بات سن کر آگے کے تمام مراحل ان پر عیاں ہو گئے۔ غازی بابا نے ساتھی کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں بہت کچھ سمجھا دیا، کارڈ پر انکی تصویر لگی ہوئی تھی انہوں نے کارڈ واپس لینا بھی ضروری سمجھا انہوں نے افسر کے ہاتھ سے کارڈ چھینا اور پیچھے سڑک کی طرف دوڑ لگا دی ان کی دیکھا دیکھی ساتھی نے بھی دوسری طرف دوڑنا شروع کر دیا، کچھ فوجی عثمان بھائی کی طرف بھاگے اور کچھ غازی بابا کی طرف، اتنی دیر میں انہیں پسٹل نکالنے کا موقع مل گیا اور تعاقب میں آنے والے فوجیوں پر دو تین فائر کئے فوجی ادھر ہی لیٹ گئے اور اسی پوزیشن میں شدید فائرنگ شروع کر دی، فائرنگ کی وجہ سے لوگوں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا غازی بابا نے ایک کار کو روکا اور ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے موٹے سیٹھ جی کو پکڑ کر نیچے اتار پھینکا خود گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو گاڑی واپس موڑنے کا حکم دیا یہ ہندو سیٹھ جی جے پور (انڈیا) سے کشمیر سیر و تفریح کے لئے آئے تھے غازی بابا نے ڈرائیور کو چھتہ بل کی طرف چلنے کا کہا ان کے ہاتھ میں بریٹا پسٹل دیکھ

کر وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا مائی باپ آپ جدھر کہے گا میں آپ کو ادھر ہی اتارے گا مگر ہم کو کچھ نہیں کہنا اس وقت غازی بابا کو پتہ چلا کہ یہ گاؤ ماتا کی اولاد ہے انہوں نے اپنی فلموں میں اپنے ''ہیرو'' کو اس طرح کے کارنامے کرتے دیکھا تھا۔ مگر کشمیر میں آج اس نے پہلی مرتبہ حقیقت میں اسلام کے ہیرو کو یہ کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ چھتہ بل کراس کر کے انہوں نے ڈرائیور سے کہا کہ میں نے تمہاری گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیا ہے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو تیرے لئے اچھا نہیں ہوگا اس نے اپنے باپ دادا اور بھگوان کی قسمیں کھا کر کہا وہ کسی کو نہیں بتائے گا اور اب جے پور جا کر ہی دم لے گا۔

وہاں سے نکل کر غازی بابا ایک پوائنٹ پر گئے کپڑے بدلے اور حلیہ بھی کچھ تبدیل کرلیا ان کا کام بہت اہم تھا اس لئے وہ مقررہ جگہ پر پہنچ گئے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آج عثمان بھائی شہید ہو گئے دوسری طرف عثمان بھائی بھی بھارتی فوج کے ساتھ کافی دیر تک آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد وہاں سے نکلے اور یہی سوچ کر کہ پتہ نہیں استاد جی ہونگے بھی کہ شہید ہو گئے ہونگے میں اپنا کام تو کرلوں ادھر پہنچ گئے وہ دونوں سڑک کے آر پار ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے کیونکہ دونوں نے کپڑوں کے علاوہ اپنا بھیس بھی بدلا ہوا تھا۔ ایک دوسرے کو زندہ سلامت دیکھ کر انہیں اس قدر خوشی ہوئی کہ گرد و پیش کا خیال کئے بغیر وہ بیچ سڑک آپس میں بغلگیر ہو گئے۔

ایک دفعہ صورہ سے بڑھ پورہ جاتے وقت راستے میں ان کا سامنا ایک گشتی پارٹی سے ہوا ان کے ساتھ عثمان اور تیمور بھائی تھے وہ تینوں موٹر سائیکلوں پر سوار تھے وہ گشتی پارٹی کو چھوڑ کر ان سے آگے نکل گئے ایک جگہ دوکان کے اندر تین ایس ٹی ایف اہلکار نظر آئے انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ وہ گشتی پارٹی جو اسی طرف آرہی تھی گذر جائے پھر ان ایس ٹی ایف والوں کے خلاف کارروائی کی جائے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد گشتی پارٹی نہیں آئی تو وہ سمجھے کہ شاید وہ کسی اور طرف نکل گئی انہوں نے جہادی گھوڑے تیمور بھائی کے حوالے کئے اور انہیں ایک سائیڈ پر کھڑا رہنے کا کہا خود وہ ایس ٹی ایف والوں پر جھپٹ پڑے غازی بابا نے دوکان کے باہر کھڑے اہلکار کو نشانہ بنایا اور دوکان کے اندر موجود دونوں اہلکاروں کو عثمان بھائی نے ہلاک

کر دیا ابھی وہ پوری طرح کارروائی سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ گشتی پارٹی ان کے سروں پر آ پہنچی انہوں نے فوراً پوزیشن سنبھال کر اپنی گنیں مجاہدین پر سیدھی کر لیں وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایس ٹی ایف والوں کا ہیڈکوارٹر تھا فائرنگ کی آواز سن کر انہوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی ان کی آواز سنتے ہی قریبی علاقہ نوشہرہ میں واقع بی ایس ایف کے کیمپ سے بھی اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی سرینگر شہر آدھا پونا گھنٹہ شدید فائرنگ سے گونجتا رہا اور مجاہدین بڑی مشکل سے وہاں سے نکل آئے ہلاک ہونے والوں میں ایس ٹی ایف کیمپ صورہ کا انچارج بھی شامل تھا جبکہ دوسرے دو اس کے باڈی گارڈ تھے اس افسر کی ہلاکت پر جیل میں اسیر مجاہدین خصوصاً عبدالرحمٰن قندھاری نے مجاہدین کو مبارک باد دی ، وہی ظالم افسر بھائی عبدالرحمٰن کو زخمی حالت میں شدید ٹارچر کرتا رہا تھا اس موذی سانپ کی ہلاکت پر اسیر مجاہدین نے سکھ کا سانس لیا۔

رنگ بدلتی موت اور بھارتی فوجی

غازی بابا کا کارروائیاں کرنے کا اپنا ایک الگ انداز ہوتا تھا وہ ہر وقت مختلف طریقوں سے دشمن پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے وہ میرے ساتھ بہت سارے معاملات پر مشورہ کرتے تھے ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ کرن نگر میں پنڈتوں کا ایک خالی مکان پڑا ہوا ہے اگر ہم وہاں پر پرانا اور نا قابل استعمال اسلحہ رکھ دیں اور اس کے نیچے بارودی سرنگ کو ٹائمنگ سوئچ لگا کر رکھ دیں پھر دشمن کو فون کر کے وہاں اسلحے کی موجودگی کی اطلاع دیں جب وہ سامان اٹھانے کی کوشش کریں تو مائن بلاسٹ ہو جائے گی میں نے کہا اگر نا قابل استعمال سامان موجود ہے تو اس کو وہاں رکھنے میں کیا حرج ہے آپ کر کے دیکھ لیں انشاء اللہ کافروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے گا، انہوں نے وہاں پر اسلحہ وغیرہ رکھوا کر انڈین آرمی کو فون کروایا کرن نگر کا بی ایس ایف کیمپ قریب ہی تھا لیکن اس علاقے میں آئے روز فوجی مجاہدین کے ہاتھوں مردار ہوتے رہتے تھے اس وجہ سے بنیے نے وہاں جانے کی ہمت ہی نہیں کی ایک اور موقع پر انہوں نے ایک مقامی ساتھی سے ریڑھی منگوائی اس پر کچھ ناشپاتیاں اور شاپر وغیرہ بھی خرید کر رکھوا دیئے صرف تولنے والا ترازو بھول گئے، غازی بابا نے پھر ریڑھی میں بارود رکھوا کر اس میں ٹائمنگ سوئچ لگایا اور بیٹری عبدالواحد بھائی کے حوالے کر کے کارروائی کی تمام ترتیب انہیں سمجھا دی، کارروائی کے لئے ترتیب یہ بنائی گئی تھی کہ جہاں کہیں موقع ملے ایک ساتھی پسٹل یا گرنیڈ سے کوئی کارروائی کرے اور بھائی عبدالواحد 9 وولٹ بیٹری ٹائمنگ سوئچ کے ساتھ لگا کر ریڑھی ادھر چھوڑ دیں جس کے 15، 20 منٹ بعد بارود نے بلاسٹ ہونا تھا انڈین آرمی کا یہی طریقہ کار تھا کہ کسی فوجی کی ہلاکت کے بعد تقریباً اتنے وقت میں جائے وقوعہ پر آفیسر وغیرہ معائنہ کرنے کے لئے آتے تھے اور ان کے اردگرد فوجیوں کی بڑی تعداد موجود ہوتی تھی۔

اس سے کچھ عرصہ قبل بھی غازی بابا نے بٹہ مالو میں ایک بارودی ریڑھی میں ٹائم سوئچ لگا کر

ریڑھی ایک بنکر کے قریب کھڑی کر دی پھر انہوں نے بنکر پر گرنیڈ پھینکا جس کے کچھ دیر بعد وہاں آرمی کے افسر اور خفیہ ایجنٹوں کے اہلکار جمع ہو گئے عین موقع پر بارودی ریڑھی بلاسٹ ہوئی جس میں درجنوں اہلکار ہلاک اور زخمی ہو گئے بھائی عبدالواحد فروٹ سے لدی ہوئی ریڑھی کو گھسیٹتے ہوئے قمر وادی سے چھتہ بل، کاکہ سرائے، کرن نگر، بٹہ مالو، اور جہانگیر چوک اور لال چوک تک طویل مسافت طے کر کے پولوگراؤنڈ ڈلگیٹ تک گئے اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے باوجود کہیں کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا ادھر سے وہ لوگ واپس لال چوک کی طرف آئے راستے میں ایک فوجی نے بھائی عبدالواحد کو روک کر کہا ناشپاتیاں کتنے کا کلو ہے؟ انہوں نے کہا سر آپ تیس روپے دے دیں چونکہ ترازو نہیں تھا اس لئے انہوں نے گلی سڑی ناشپاتیوں کا شاپر بھر کر گھسیٹا رام کو تھما دیا اور اس سے تیس روپے لے لئے۔

لال چوک میں ایک فوجی اچھی پوزیشن میں نظر آیا تو عثمان بھائی نے فوجی کے سر میں گولی ماری وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا، بھائی عبدالواحد نے بیٹری جوڑ دی اور وہاں سے روانہ ہو گئے اس بارودی ریڑھی کا کوئی اتہ پتہ نہ چلا خدا بہتر جانتا ہے کہ بیٹری میں کوئی خرابی تھی یا اور کوئی وجہ بہرحال ہم کافی دن اس دھماکے کے منتظر رہے لیکن وہ سنائی نہ دیا۔

چلتے چلتے

ایک دن غازی بابا صبح سویرے KP سے نکل گئے تمام دن کام کرنے کے بعد وہ خلاف معمول حول کیمپ کے مین گیٹ کے بالکل سامنے ایک کینٹین پر کچھ کھانے کے لئے رک گئے ابھی انہوں نے کھانے کے چند ہی لقمے کھائے تھے اتنے میں کیمپ سے ایک گشتی پارٹی نکلی سب سے آخر میں ایک سکھ حوالدار نکلا اور دوسرے فوجیوں اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا انہوں نے کھانا ادھر ہی چھوڑا اور اس موقع کا فائدہ اٹھانے کے لئے باہر نکل آئے ،عثمان بھائی کارروائی کے لئے اصرار کر رہے تھے لیکن غازی بابا اجازت دینے میں تامل کر رہے تھے کیونکہ ان کے آگے گشتی پارٹی اور پیچھے کیمپ تھا بہرحال ساتھی کے اصرار پر انہوں نے اجازت دے دی تب تک فوجی ان سے کافی آگے نکل چکے تھے عثمان بھائی بھاگ کر گئے اور سکھ حوالدار کی گدی پر دو فائر مارے پھر دوڑتے ہوئے واپس غازی بابا تک پہنچے فوجی ان کے پیچھے بھاگنے لگے اگر وہ فائر کرتے تو مجاہدین کی شہادت یقینی تھی لیکن اللہ پاک نے انہیں اتنی مہلت نہ دی جوں ہی مجاہدین موٹر سائیکل پر سوار ہو کر نکلنے لگے تو پیچھے سے فوجیوں نے بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اس افراتفری میں موٹر سائیکل گر گئی جس سے غازی بابا کے بازو میں سخت چوٹ آئی انہوں نے فوراً موٹر سائیکل سنبھالی اور وہاں سے نکلنے کی کوشش کی عین اسی وقت دوسری طرف سے فوجی گاڑی نے ان کا راستہ روکا وہ ایک چھوٹی سی گلی میں داخل ہو گئے وہ راستہ ان کے لئے نیا تھا اور وہاں جگہ جگہ آرمی کے بنکر تھے وہ لوگ ان کے بیچ سے گذر رہے تھے اگر فوجی انہیں روک لیتے تو راستہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ شدید مشکلات سے دوچار ہوتے اللہ رب العزت نے دشمن کو غافل کر دیا اور مجاہدین خیر و عافیت سے وہاں سے نکل گئے۔

بھارتی مردار کا بدبودار خون

ایک دفعہ وہ شام کے وقت KP پر آئے وہ بار بار قے کر رہے تھے اس وقت بجلی نہیں تھی کمرے میں لالٹین جل رہی تھی انہوں نے مجھے کہا کہ لالٹین قریب کر کے ذرا دیکھو میرے منہ پر خون تو نہیں لگا ہوا میں نے دیکھا ان کے ماتھے پر جما ہوا خون موجود تھا میں نے سمجھا کہ وہ آج پھر زخمی ہو کر آئے ہیں اس لئے سر سے لے کر پاؤں تک ان کا معائنہ شروع کر دیا جہادی نے مجھے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں اور یہ بدبودار خون ایک بھارتی فوجی کا ہے اس دن انہوں نے بٹہ مالو میں ایک فوجی کو بالکل قریب سے گولی ماری اس کے سر سے خون کا فوارہ ابل پڑا اور ان کے اوپر آ گرا جہادی کہنے لگے کہ اس کافر کے خون سے انتہائی ناگوار بدبو آ رہی تھی اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو شہید کے خون سے خوشبو آتی ہے اس بات کا اعتراف کئی مرتبہ ان کافروں نے بھی کیا۔

جب بریٹا پسٹل نیا نیا آیا تھا بلکہ 2002ء میں پاکستان سے بزرگوں نے انہیں بطور ہدیہ بھیجا تھا انہوں نے بھائی عبدالرحمٰن سے کہا کہ چلو پسٹل کو چیک کر کے دیکھیں پھر انہوں نے ڈلگیٹ میں ایک فوجی کی کھوپڑی میں ایک فائر مارا دوسرے کی نوبت ہی نہ آئی۔

کسی مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ غازی بابا کی گولی سے مرنے والے کافروں کی تعداد تقریباً 100 کے قریب ہے میرے اندازے کے مطابق انہوں نے بہت کم تعداد لکھی ہے اتنے فوجی تو انہوں نے آخری دو سالوں کے دوران فقط سرینگر میں ہی مارے ہوں گے باقی سات سالوں میں انہوں نے جو بارودی اور دیگر مشترکہ کارروائیاں کیں ان کی تعداد کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے انہوں نے کبھی میرے سامنے بھی اپنے کارنامے نہیں گنوائے انہوں نے صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لئے تمام کام کئے اور وہی ذات ان کو اس کا اجر و انعام عطاء فرمائے گی۔

عام الحزن

سال2003ء کی شروعات جس انداز سے ہوئیں اس سے ہمیں لگ رہا تھا کہ یہ سال کامیابیوں اور نصرت کا سال ثابت ہوگا۔ اس وقت ہم نے سوچا نہ تھا کہ یہ سال ہم پر انتہائی بھاری ثابت ہوگا سال2003ء کوغم کا سال کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا اس سال نے ہمیں جو زخم دیئے وہ شاید کبھی مندمل نہ ہوسکیں گے، سال کے ابتدائی پانچ ماہ کے دوران چھ ڈسٹرکٹ کمانڈروں کی شہادت ہمارے لئے بہت بڑی آزمائش تھی اور بالآخر اسی سال آسمان جہاد کا وہ درخشندہ ستارہ بھی ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے بھارت کے ایوانوں میں ہیبت طاری رہتی تھی جس نے بھارت کے غرور کو قدموں تلے روندتے ہوئے دہلی کو بھی اپنی کارروائیوں کا میدان بنا ڈالا، 2003ء کو میں بلاشبہ غم کا سال کہوں گی اسی سال میری زندگی کا قیمتی اثاثہ لٹ گیا میرے خوابوں اور ارمانوں کی دنیا تاریک ہوگئی اور اسی سال کشمیری ماؤں اور بہنوں کا محمد بن قاسم دنیا سے چلا گیا۔

یہ ہیرے اور لعل سے بھی قیمتی لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح گرتے اور بکھرتے چلے گئے سب سے پہلے گاندربل کے ڈسٹرکٹ کمانڈر ہارون بھائی 20 جنوری کو جام شہادت نوش کر گئے۔ 30 جنوری کو پلوامہ کے سابق ڈسٹرکٹ کمانڈر بھائی وقاص افغانی جیسا جری مجاہد قافلہ شہداء میں شامل ہوگیا ان کا زخم ابھی ہرا تھا کہ کپواڑہ کے ذمہ دار شاہ زیب بھائی داغ مفارقت دے کر چلے گئے ان کے فوراً بعد بانڈی پورہ کے ڈسٹرکٹ کمانڈر احمد بھائی ڈوڈہ کے بابر بھائی شہیدؒ اور اسلام آباد کے شاہد بھائیؒ بھی جنت سدھار گئے۔

میرا غازی بابا کیساتھ بہت قریبی رشتہ تھا اور میں انہیں بہت قریب سے جانتی تھی اس لئے بلا مبالغہ کہتی ہوں کہ غازی بابا استقامت کے وہ کوہ گراں تھے جو اپنے اندر بڑی سے بڑی پریشانی کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے میں نے انہیں کٹھن سے کٹھن حالات میں ثابت

قدم پایا لیکن ان اہم اور چیدہ چیدہ ساتھیوں کی شہادت ان کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا ساتھی شہید ہوں تو ذمہ دار سب کچھ سنبھال لیتا ہے لیکن ذمہ دار کی شہادت سے کئی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر مختصر مدت میں چھ ڈسٹرکٹ کا سیٹ اپ متاثر ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ؎

ایک ایک کر کے لوگ بچھڑتے چلے گئے
یہ کیا ہوا کہ وقفۂ ماتم نہیں ملا

موت سے اُلجھ کر زندگی کی تلاش

ان نازک حالات میں انہوں نے ایک طویل سفر کا فیصلہ کیا تا کہ صفاپورہ، اجس بازی پورہ، بانڈی پورہ، اور کپواڑہ جا کر بذات خود ساتھیوں سے ملاقات کر لی جائے اس طریقے سے ساتھیوں کے حوصلے بھی بلند ہونگے اور نئے ذمہ داران کے ساتھ کام کے حوالے سے بھی مشاورت کی جائے اس سلسلے میں غازی بابا نے 29 جون 2003ء کو سفر کا پروگرام بنایا۔

گاندربل سے یہ سارا سفر پہاڑی راستے سے کرنا تھا عصر کے وقت ہم نے ہائیڈ سے گن اور پاؤچ وغیرہ نکال لئے عین اسی وقت گیٹ پر دستک ہوئی بوٹ دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ یہ بھارتی فوجی ہیں کمرے میں سامان بکھرا پڑا تھا نذیر بھائی نے دروازہ کھولنے میں کچھ تاخیر کی اتنی دیر میں ہم نے اسلحہ دوبارہ ہائیڈ میں ڈالا۔فوجیوں نے دروازے پر ہی نذیر بھائی سے کچھ بات وغیرہ کی اور چلے گئے یہ لوگ ویسے ہی علاقے کا گشت کر رہے تھے مغرب کے بعد وہ جانے کے لئے تیار ہو گئے اس دن خلاف معمول کچھ عجیب باتیں پیش آئیں اردو کا ایک محاورہ ہے کہ ''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے'' عین اسی طرح اس دن میرے دل کو لگ رہا تھا کہ اس سفر میں انہیں کوئی خطرہ پیش آنے والا ہے، میرے دل پر منوں بوجھ تھا پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا وہ اکثر لمبے اور پر خطر سفر کرتے رہتے تھے ان کے دور ہونے پر میرا دل اداس ضرور ہوتا تھا لیکن میں ان کے راستے کی کبھی رکاوٹ نہیں بنی مگر اس دن میری عجیب حالت تھی میرے لئے انہیں رخصت کرنا مشکل ہو رہا تھا جہادی نے بھی اس چیز کو محسوس کیا اور مجھ سے پوچھا کیا وجہ ہے آج آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں میں نے کہا میں خود بھی نہیں جانتی لیکن جب میں آپ کے سفر کا سوچتی ہوں تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے انہوں نے مجھے کہا اللہ پر بھروسہ رکھو انشاءاللہ خیر ہوگی جب وہ KP سے نکلے تو آگے انڈین آرمی نے راستے بند کر رکھے تھے وہ واپس آئے اور کافی دیر تک نذیر بھائی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجتے رہے آرمی والے رات گئے تک ادھر ہی رہے

میں نے ان سے کہا آپ آج نہ نکلیں کیا پتہ اس میں اللہ رب العزت کی طرف سے کیا مصلحت ہوگی وہ رات ہم نے پہرہ دیتے ہوئے گذاری دشمن کا اس طرح ناکے لگا کر بیٹھ جانا پریشانی کا باعث تھا صبح آرمی چلی گئی تھی وہ فجر کے بعد ہی kp سے نکل کر ساتھیوں کے پاس چلے گئے ان کے ساتھ انصار بھائی، حیدر بھائی اور عثمان بھائی بھی جا رہے تھے شام کے وقت وہ سرینگر سے نکلنے والے تھے انہوں نے سیٹلائٹ فون مجھے دے دیا اور کہا شام 4 بجے عیدگاہ میں لے کر آجانا سیٹلائٹ فون وہ بیلٹ میں نہیں رکھتے تھے۔

میں نے اگلے دن ترال جانا تھا اس دن میں ان کے اور ساتھیوں کے کپڑے اور دیگر سامان سنبھال رہی تھی میں کپڑے استری کر رہی تھی اور جو بھی کپڑا میں اٹھاتی وہ جل جاتا تھا حالانکہ مجھ سے استری سے شاید ہی کوئی کپڑا جلا ہوگا میں حیران ہو رہی تھی کہ آج میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے اس دن مجھ سے ساتھیوں کے کپڑے جل گئے جس کا مجھے بے حد دکھ ہوا اس کے علاوہ جہادی کی قمیص اور اپنا دوپٹہ بھی جل گیا، میں نے ان کے لئے ایک خط لکھا میری آنکھوں سے خود بخود آنسو نکل رہے تھے میں نے انہیں اپنی کیفیت اور دیگر واقعات کے بارے میں لکھا اور بھرپور خیال رکھنے کی تاکید کی شام 4 بجے سیٹلائٹ فون دیتے وقت میں نے وہ خط بھی انہیں دے دیا اور انہیں بہشت شہداء کے مقام پر الوداع کہا۔

ایک فنی غلطی......جو مقتل کو مسکن بنانے کا باعث بنی

اگلے دن میں ترال چلی گئی ڈار گنائی گنڈ میں ایک خالہ جی مجاہدین کا بہت خیال رکھتی تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو مجاہدین کا ساتھ دینے کے جرم میں کوٹ بھلوال جیل جموں میں قید تھا وہ بیوہ خاتون تھیں اور اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ اکیلی رہ رہی تھیں ان کے بڑھاپے کا واحد سہارا دو سالوں سے جیل میں قید تھا لیکن اس بہادر خاتون نے پھر بھی اپنا گھر مجاہدین کے لئے وقف کر رکھا تھا خالہ جی میرا بہت خیال رکھتی تھیں ان کی یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے وہ مجھے کہا کرتی تھیں بیٹی! اپنے سرتاج کے لئے دن رات دعاء مانگا کرو کیونکہ عورت کی تمام خوشیاں اور زندگی شوہر سے ہی ہیں شوہر کے بعد عورت کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

ان دنوں لڑو کیمپ پر بہت سخت تلاشی ہوتی تھی میرے ساتھ بچی بھی تھی اس لئے پیدل سفر کرنا مشکل تھا غازی بابا نے مجھے اپنا بیلٹ پانپور میں جولیٹ پوائنٹ (محمد یونس) پر چھوڑنے کا کہا تھا اس لئے اپنا سامان ادھر ہی چھوڑ آئی تھی انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ترال میں خالہ کی بیٹیوں کے ساتھ پہاڑوں پر چلنے کی مشقت کرنا کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد ہمارا پاکستان آنے کا ارادہ تھا آپریشن کے بعد میں نے پہاڑوں کا سفر نہیں کیا تھا اس لئے انہوں نے مجھے خصوصاً اس کام کے لئے ترال بھیجا تھا وادی ترال مجھے بہت پسند تھی وہاں کے ہرے بھرے جنگل اور بہتے ہوئے آبشار انسان کو مسحور کر دیتے ہیں۔

میں نے خالہ جی کی بیٹیوں کے ساتھ جنگل کے ایک دو کامیاب دورے کئے۔ سرینگر میں کچھ عورتوں نے ہمیں ڈرا رکھا تھا کہ آپریشن ہونے کے بعد عورت چلنے کے قابل نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال ایسا کچھ بھی نہ تھا یہ صرف ایک وہم تھا جو ان عورتوں نے اپنے ذہن پر سوار کر رکھا تھا میں بالکل پہلے کی طرح ان پہاڑوں پر چلی۔ کوٹ گھری کے دامن میں واقع ڈار گنائی گنڈ میں دن بہت اچھے گذر رہے تھے ایک دن راشد بھائی نے زیز بل سے میری طرف ایک رقعہ

بھیجا اس میں لکھا تھا کہ ''استاد جی واپس قندھار (سرینگر) پہنچ آئے ہیں انہوں نے آپ کیلئے یہ پیغام دیا کہ جہاں ہم بچھڑے تھے وہاں پہنچ کر رابطہ کریں۔

ان کی اچانک واپسی پر میں حیران ہوئی کیونکہ کافی دنوں کا کہہ کر گئے تھے بہرحال اگلے دن میں نے صبح صبح سرینگر جانے کی تیاری کی راستے میں میں نے JP سے اپنا سامان اٹھایا تقریباً عصر سے ذرا پہلے میں Kp پر پہنچی مکان پر تالا دیکھ کر میں پریشان ہوگئی مگر مجھے معلوم تھا کہ اگر جہادی نے مجھے یہاں بلایا ہے تو وہ ضرور ادھر پہنچیں گے میں نے یہ سمجھا کہ گھر والے کسی کام سے باہر گئے ہونگے اور تھوڑی دیر تک واپس آجائیں گے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہادی ہائیڈ میں موجود ہوں۔ اس لئے مجھے انتظار کرنا چاہیے پڑوس میں ایک گھر تھا وہ لوگ مجھے کسی فرضی تعارف سے پہچانتے تھے میں وقت گذارنے کے لئے ان کے گھر میں ٹھہری انہوں نے مجھے بتایا کہ گھر والے دن کو ادھر ہی تھے اس بات سے مجھے زیادہ امید بندھ گئی اور میں ان کی واپسی کا انتظار کرتی رہی میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں میرے اسلحے کے بارے میں علم ہو اس لئے ان کے کافی اصرار کے باوجود میں نے برقعہ نہیں اتارا پانچ چھ گھنٹے سے بیلٹ بندھا رہنے کی وجہ سے میں سخت تنگ ہورہی تھی مجھ سے بیٹھا بھی نہیں جارہا تھا ہمارے کمرے کی ایک کھڑکی ان کے مکان کی طرف کھلتی تھی میں نے اس کو چیک کیا تو وہ اندر کھلی تھی میں نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کھڑکی سے مکان کے اندر داخل ہوکر بیلٹ کھولا پھر اسی راستے سے اپنا سامان اور بچی کو اندر لے آئی میں نے ہائیڈ کھول کر ایک مخصوص کوڈ بار بار دہرایا کوئی جواب نہ پاکر میں سمجھ گئی کہ اندر کوئی بھی نہیں ہے مغرب کا وقت بھی گذر گیا لیکن کوئی نہیں آیا مکان کے بڑے دروازے اور گیٹ کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا اندر میں لائٹ جلا کر بیٹھی ہوئی تھی بچی بھی کچھ شور شرابا کررہی تھی اس صورتحال میں اگر وہاں سے آرمی والے گذرتے تو یہ بڑا مسئلہ بن جاتا عام لوگوں کے لئے بھی یہ بات حیران کن تھی کہ باہر تالا لگا ہوا ہے اور اندر کوئی موجود ہے اس وجہ سے میں پریشان ہوگئی میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا کچن باتھ روم اور ایک کمرہ میری دسترس میں تھا میں نے کچن میں جاکر برتن ٹٹولے کچھ بچا کچھا کھانا مل گیا وہ کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور رابطے کے

وقت کا انتظار کرنے لگی۔

آٹھ بجے ان سے رابطہ ہوا وہ یہ سن کر سخت پریشان ہوئے کہ میں KP پر پہنچ گئی ہوں اور مجھے یہ سن کر بہت پریشانی ہوئی کہ راشد بھائی سے پیغام ڈی کوڈ کرنے میں غلطی ہوگئی ہے انہوں نے مجھے جولیٹ پوائنٹ پر پہنچ کر رابطہ کرنے کا کہا تھا راشد بھائی JP کو KP سمجھ گئے اور گھر والے آج صبح ہی کوکرناگ چلے گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ جہادی بھی بہت پریشان ہوئے اور مجھے کہا کہ میرا ادھر ہی انتظار کرو میں آ جاتا ہوں میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں پر ہیں؟ وہ سرینگر میں ہی تھے لیکن KP سے کافی دور۔ رات کا وقت تھا سڑک پر لوگ بھی کم ہی چل رہے ہونگے یہ سوچ کر میں نے ان سے کہا کہ آپ اس وقت نکل کر خود کو رسک میں نہ ڈالیں میں رات ادھر ہی رہ لوں گی انہوں نے مجھے سیٹ کھلا رکھنے کو کہہ دیا اور ساری رات وقفے وقفے سے میرے ساتھ رابطہ کرتے رہے میں سوچ رہی تھی کہ صبح مجھے کہاں جانا ہوگا کیونکہ نصرت کی گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد تک میں احتیاطاً ان کے گھر نہیں گئی ان دنوں ہمارا مائک ڈیلٹا والا پوائنٹ بھی غیر محفوظ ہو چکا تھا کیونکہ بہن جی گھر والوں سے ملنے کے لئے گاؤں چلی گئی تھی وہاں بھارتی فوج کو ان کی آمد کی اطلاع مل گئی اور انہیں گرفتار کر لیا گیا ان کے مکان سے ہائیڈ برآمد ہونے کے بعد دو تین سال سے وہ ان دونوں میاں بیوی کو ڈھونڈ رہے تھے مشتاق بھائی گاؤں بالکل نہیں جاتے تھے البتہ بہن جی کبھی کبھار جاتی رہتی تھی ان کی گرفتاری کے بعد مشتاق بھائی نے ہمیں اطلاع دی کہ عورت ذات ہے اس لئے آپ لوگ احتیاط کرنا سرینگر میں میرے رہنے کے وہی تین ٹھکانے تھے صبح سویرے جہادی نے مجھے رابطے پر ایک جگہ کا پتہ بتایا اور کہا کہ وہاں ایک مرد اور عورت آپ کا انتظار کر رہے ہونگے وہ جگہ کاکہ سرائے کے قریب ہی تھی اس وقت شبنم دیدی اور بھائی محمد شفیع میرے لئے اجنبی تھے ہم نے ایک مخصوص کوڈ کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچانا اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے صفا کدل پہنچ کر ہم گاڑی سے اترے اور پھر ان ہی گلیوں میں داخل ہو گئے جہاں میں اور جہادی عرفے والے دن برف باری میں گھومتے رہے تھے ہم لوگ نور باغ صفا کدل کے درمیان میں واقع ایک تین منزلہ خوبصورت مکان میں داخل ہو گئے دیدی مجھے تیسری منزل پر لے گئی جہاں ایک کمرے

میں غازی بابا بیٹھے ہوئے تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ راشد بھائی نے پیغام کی گردن مروڑ کر kp پوائنٹ کیسے بنالیا۔ انہوں نے کہا کہ میرا رات وہاں اکیلے رہنا ان کے لئے سخت پریشانی کا باعث بنا میں نے کہا اور مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ ان کی غلطی کی وجہ سے مجھے آپ کے اہم پوائنٹ پر آنا پڑا اور نہ میں kp والوں کی واپسی تک ترال میں ہی ٹھہرتی جہادی نے کہا ہاں یہ جگہ میں نے آج تک کسی کو نہیں دکھائی تھی لیکن آپ میری عزت ہو اور عزت کے لئے کچھ بھی قربان کیا جا سکتا ہے ان کی عادت تھی کہ جب کسی نئے پوائنٹ پر جاتے تو وہ مجھے کہتے تھے کہ اس کمرے میں ہائیڈ ہے آپ تلاش کرو کہاں پر ہے اس بات سے وہ اندازہ لگاتے تھے کہ ہماری ہائیڈ کتنی محفوظ ہے ادھر بھی انہوں نے مجھے ہائیڈ تلاش کرنے کا کہا جہاں جہاں مجھے شک پڑا میں نے وہ جگہ بتادی مگر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا، کرتے کرتے ہر خاص و عام جگہ کی نشاندہی کر لی پھر بھی پتہ نہیں چلا آخر میں انہوں نے ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے اندر ہائیڈ ہے وہ بہت محفوظ اور جدید قسم کی ہائیڈ تھی اس میں سب سے بڑا جو فائدہ تھا وہ یہ کہ اس کو کھولنے یا بند کرنے کے لئے کسی دوسرے آدمی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ مجاہد بڑی آسانی سے اس کو کھول کر اندر سے باہر آ جا سکتا تھا میں نے ان سے کہا یہ جگہ آپ کے لئے بہت موزوں اور محفوظ ہے آپ یہ کسی اور کو نہ دکھائیں بلکہ مجھے بھی واپس بھیج دیں مجھے ابھی تک اس گھر کا راستہ یاد نہیں ہوا تھا انہوں نے محبت سے جواب دیا سعدی! مجھے تم پر پورا اعتبار ہے اور پھر ہم دونوں تو ایک ہی ہیں ناں؟ زندگی کا کیا بھروسہ ہے ہم اکٹھے رہیں گے آج ایک بار پھر موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں میں نے ان سے اچانک واپس آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے مجھے راستے میں پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔

سرینگر سے جاتے ہوئے انہوں نے اپنا گن پاؤچ کرکٹ بیگ میں ڈالا اور صفاپورہ جانے والی بس کی چھت پر سوار ہوگئے۔ گرٹہ بل پہنچ کر وہ بس سے اتر گئے اور پیدل چلتے ہوئے بخشی محلہ میں قادر نائی کے گھر پہنچے وہاں انہوں نے چائے پی اور کپڑے تبدیل کر کے گن پاؤچ پہن لیا قادر نائی غازی بابا کا پرانا عقیدت مند تھا اس نے ان کا سامان اٹھا کر ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی کرش ٹاپ کافی اونچا پہاڑ تھا انہوں نے نالے کے راستے اوپر چڑھنا شروع کیا

تمام رات مسلسل سفر کرنے کے بعد فجر کے وقت وہ ٹاپ کے قریب پہنچ گئے وہاں انہوں نے فجر کی نماز ادا کی اور قادر نائی کو واپس بھیج دیا آگے اب گھنا جنگل شروع ہو رہا تھا کرش ٹاپ کی دوسری طرف یعنی اجس والی سائیڈ، بانڈی پورہ کے ساتھی انہیں وصول کرنے کے لئے آ رہے تھے انہوں نے نالے کے راستے ہی دوبارہ سفر شروع کیا اس دوران انہیں نالے کے اوپر والی سائیڈ پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا چونکہ گھنا جنگل اور صبح کا وقت تھا دھند کی وجہ سے انہیں کچھ اندازہ نہیں ہوا وہ اسے بکروال سمجھ بیٹھے جبکہ وہ بھارتی فوجی تھا غازی بابا نے اس کو آواز دے کر کہا اوئے ادھر آؤ ہمارا سامان اٹھالو...... یہ سننا تھا فوجی نے چیخنا شروع کر دیا ملی ٹینٹ آ گئے اس کے ساتھ ہی جنگل سے گنوں کے بلٹ کھلنے کی آوازیں آنے لگیں یہ صورتحال دیکھ کر مجاہدین نے فوراً جھاڑیوں کی آڑ لے کر نالے سے نکلنے کی کوشش کی کیونکہ نالے میں فوجی انہیں آسانی سے نشانہ نہ بنا سکتے تھے تقریباً ایک گھنٹہ مسلسل چڑھائی چڑھنے کے بعد انہوں نے ایک اونچی جگہ پر پوزیشن سنبھالی، نہ جانے یہ مخبری تھی یا کوئی اور وجہ بھارتی فوجی انتہائی خاموشی کے ساتھ کرش ٹاپ پر عارضی کیمپ لگا کر بیٹھے تھے جس کا مقامی لوگوں کو بھی علم نہ تھا مجاہدین صبح چھ بجے سے لیکر بارہ بجے تک اسی جگہ بیٹھے رہے مگر دشمن نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا وہ مسلسل بانڈی پورہ سے آنے والے ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ ان سے آگے کے حالات معلوم کر لئے جائیں کافی کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہوسکا انہیں دشمن کے ارادوں اور پوزیشنوں کا کچھ پتہ نہ تھا ساتھیوں نے آگے سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا اور زیادہ دیر اس پہاڑ پر ٹھہرنا بھی مناسب نہ تھا اگر دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ ادھر غازی بابا موجود ہیں تو پورے جنگل کا محاصرہ کر لیا جاتا یہ حالات دیکھ کر انہوں نے فی الحال سفر کا رادہ ملتوی کیا اور پہاڑوں کے اوپر سے چلتے ہوئے گاندربل کے قریب نیچے اترے وہ پورے دن سے پیاسے تھے ایک جگہ انہیں پانی نظر آیا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے پانی بہت ٹھنڈا تھا اور ان کے گلے پہلے ہی بہت خشک ہو گئے تھے ٹھنڈا پانی پینے کی وجہ سے ان کے گلے سخت خراب ہو گئے اور بات کرنا مشکل ہو گیا اس حالت میں پیدل سفر کرنا ان کے لئے مشکل تھا انہوں نے بکروالوں کا حلیہ اپنا کر چادر میں گنیں ڈال دیں اور اس کو کندھے کے ساتھ لٹکا کر بس میں سوار ہو گئے اللہ کے فضل و کرم سے وہ خیر و عافیت سے

سرینگر پہنچ آئے ان کی طبیعت کافی دن خراب رہی جب ان کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو مجھے jp پر پہنچ کر رابطہ کرنے کا کہا آگے کی کہانی اوپر گذر گئی ہے۔

آخری یادیں

میری زندگی کے دامن میں جہادی کی اتنی یادیں ہیں کہ مضمون کو''آخری یادیں'' کا عنوان دے کر میں سوچ رہی ہوں کہ کس کس یاد کا ذکر کروں اور کس کو چھوڑ دوں۔

جولائی اور اگست کا مہینہ ہم نے تقریباً نور باغ میں ہی گذارا اس عرصے میں صرف ہم ایک دفعہ کچھ دنوں کے لئے kp پر گئے تھے، رفاقت کے ان آخری دو مہینوں میں میں نے ان کے اندر کئی تبدیلیاں محسوس کیں وہ مجھے بے حد چاہتے تھے لیکن آخری دو ماہ میں ان کی محبت میں شدت آ گئی تھی وہ مجھے ایک پل کے لئے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے حتی کہ اگر میں گھر والوں کے پاس زیادہ دیر بیٹھی رہتی تو وہ مجھے اوپر بلا لیتے تھے وہ شاید اپنی تمام رفاقتیں مجھ پر لٹانا چاہتے تھے، میں نے ان کی ایک ایک یاد کو اپنے دل میں محفوظ کر رکھا ہے اور ان کی ایک ایک بات مجھے مدتوں ان کی یاد دلاتی رہے گی آخری دنوں میں مجھ پر نیند کا شدید غلبہ تھا آٹھ بجے کے بعد ہی مجھے نیند آ جاتی تھی جہادی رات دیر تک جاگتے رہتے تھے کیونکہ ایک تو انہیں ہر ایک خبر سننی ہوتی تھی دوسرا رابطہ اور لکھنے کا کام بھی ہوتا تھا میں ان سے اکثر کہتی تھی آپ اتنی زیادہ خبریں کیوں سنتے ہیں کیا ایک دو کافی نہیں ہوتیں؟ میری بات پر وہ ہنس پڑتے تھے اور کہتے تھے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کی خبر رکھنی چاہیے وہ چاہتے تھے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاگتی رہوں اور ہوتا بھی ایسے ہی تھا لیکن ان دنوں میرے جلدی سونے کی وجہ سے وہ بہت چڑتے تھے ایک دفعہ انہوں نے مجھے کہا سعدی! تم اتنی جلدی کیوں سو جاتی ہو اٹھو میرے ساتھ باتیں کرو پھر تم سو سو کر تھک جاؤ گی ان کے آخری جملے نے میری نیند اڑا دی میں نے شدید احتجاج کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں کہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات بے اختیار میرے منہ سے نکل گئی۔ ان کی جدائی کے بعد جیسے آنکھوں میں نیند کی بجائے آنسو آ بسے تو طویل راتوں میں ایک مدت تک اس جملے کی بازگشت میرے کانوں میں گونجتی رہی پھر تم سو سو کر

تھک جاؤ گی ان دنوں وہ مسلسل ایک خواب دیکھتے تھے کہ ایک حسین وجمیل عورت جس نے سبز رنگ کا عمدہ اور خوبصورت لباس پہن رکھا ہے انہیں اپنی طرف بلاتی ہے جب وہ اس کے ساتھ جانے کا ارادہ کرتے تو میں ان کے سامنے آتی ہوں میں نے بھی اسی عورت کے جیسا لباس پہنا ہوتا ہے جہادی کہتے تھے آپ کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ میری بیوی میں کیا کمی ہے پھر میں واپس آپ کے پاس چلا آتا ہوں۔ یہ خواب انہیں اکثر آتا تھا اور میں نے اس حوالے سے ان کو چھیڑنا شروع کر دیا میں روز صبح اٹھ کر ان سے پوچھتی تھی کہ آج آپ کی سبز پری خواب میں آئی تھی اکثر انکا جواب ''ہاں'' میں ہوتا تھا۔

ہم لوگ خوابوں پر یقین رکھتے تھے اور ان پر سنجیدگی سے سوچا بھی کرتے تھے لیکن نہ جانے اس خواب کو ہم نے کیوں مذاق کے تناظر میں لیا۔ دراصل اللہ رب العزت کی طرف سے تقدیر لکھی جا چکی تھی اس لئے ہمیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہ ملا ان کی شہادت کے بعد مجھے خیال آیا کہ وہ تو ان کی حور عینا تھی جو انہیں اپنے پاس بلا رہی تھی میں یہ سوچ کر پاگل ہو جاتی تھی کہ اس وقت میرے یا ان کے ذہن میں یہ بات کیوں نہ آئی یہ سچ ہے کہ تقدیر کا لکھا کوئی نہیں بدل سکتا لیکن میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وہ ہر شے پر قادر ہے اور دعا ہی وہ ہتھیار ہے جس سے تقدیر بھی بدل سکتی ہے۔ انہوں نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ وہ ایک خوبصورت باغ میں جاتے ہیں اور وہاں درخت پر لگا ہوا ایک عجیب قسم کا پھل کھاتے ہیں اس طرح کی کئی نشانیاں پہلے ظاہر ہوگئی تھیں مگر ہمیں کچھ اندازہ نہ ہوسکا۔

وہ جگہ بہت خوبصورت اور پرسکون تھی تیسری منزل پر ہونے کی وجہ سے چاروں طرف سرینگر کا نظارہ کرتے تھے کمرے کی کھڑکی سے گاندربل کا پہاڑ نظر آتا تھا اور اس کے پیچھے کرش ٹاپ کا بلند پہاڑ تھا ہم ان پہاڑوں کو دیکھ کر اکثر صفاپورہ کو یاد کرتے رہتے تھے ہمارے پوائنٹ کے سامنے ایک بڑا کوٹھی نما مکان تھا کافی امیر لوگ تھے جہادی نے مجھے کہا کہ گھر میں ایک بوڑھی اماں رہتی ہیں اتنے امیر ہونے کے باوجود وہ سارا دن لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتی ہیں اور صحن میں بیٹھ کر انہیں جلاتی رہتی ہیں دوپہر کے وقت میں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی میں نے دیکھا کہ واقعی

جھکی ہوئی کمر والی ایک اماں جی کی کچھ ایسی ہی سرگرمیاں ہیں جہادی نے ازراہ مذاق کہا جب آپ بوڑھی ہو جاؤ گی تو ایسی ہی لگو گی میں نے کہا آپ بوڑھے ہو کر کیسے لگیں گے وہ ایک دم سنجیدہ ہوئے اور بولے نہیں میں بوڑھا نہیں ہونگا میں انشاءاللہ جوانی میں ہی شہید ہو جاؤں گا ادھر ہی انہوں نے مجھے اپنی آواز میں ریکارڈ کی ہوئی یہ نظم سنائی۔

ایک نہ ایک دن تو تم سے بچھڑ جائیں گے
ڈھونڈو گے بھی تو ہم نہ نظر آئیں گے
جنتوں میں ہوگا اجتماع بھائیو
الوداع بھائیو الوداع بھائیو

کوکرناگ میں بے گناہ افراد کی شہادت اور غازی بابا کے عزائم

ایک دفعہ رات کو ہم بی بی سی پر خبریں سن رہے تھے اس دن بھارتی فوج نے ہمارے کوکر ناگ والے ساتھی شہباز بھائی (نذیر بھائی کے چھوٹے بھائی) کے بیوی بچوں کو بے دردی سے شہید کر دیا تھا شہباز بھائی اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ گھر میں موجود تھے اسی دوران فوج کو اطلاع ملی اور انہوں نے گھر کو محاصرے میں لے لیا اور مجاہدین کو ہتھیار ڈالنے کا کہا مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک افسر کو ہلاک کر کے بحفاظت وہاں سے نکل گئے بزدل بھارتی فوج نے گھر والوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے اندھا دھند فائرنگ کی جس میں شہباز بھائی کی اہلیہ اور ان کے تین ماہ کے بچے فرمان علی کے علاوہ پانچ افراد جام شہادت نوش کر گئے مجاہد کے اہل خانہ کی مظلومانہ شہادت کا سن کر انہیں بہت دکھ ہوا انہوں نے اسی وقت مقامی اخبار ''الصفا'' کو فون کیا اور کہا میں جیش محمد ﷺ کا ترجمان ابوطلحہ بول رہا ہوں بھارتی فوج نے کوکرناگ میں جو بے گناہ افراد کو شہید کر دیا ہے ہم بہت جلد انڈین آرمی سے اس درندگی کا بدلہ لیں گے شہباز بھائی کی اہلیہ کوٹ گھری میں شوہر کے ہمراہ کافی عرصہ رہی تھیں جہادی کہنے لگے خوش نصیب عورت تھی اللہ پاک نے شہادت جیسے رتبے پر فائز کر دیا، وفا کی داستان رقم کر کے گئی میں نے کہا کاش! میری قسمت بھی ایسی ہی ہو جہادی کہنے لگے ابھی ہم نے انڈیا میں جا کر لڑنا ہے وہاں مجھے آپ کی ضرورت پڑے گی انہیں ایڈوانی سے بہت نفرت تھی اور انڈیا میں جا کر لڑنے اور ایڈوانی کو ختم کرنے کا انہیں بڑا ارمان تھا وہ ہندوستان میں بہت بڑی کارروائی کرنے کا پلان بنا رہے تھے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کافی وقت درکار تھا لیکن اگر وہ کارروائی ہو جاتی تو برصغیر کا نقشہ ہی بدل جاتا چونکہ کشمیر کا جہاد ابھی جاری ہے اور کشمیر کی آزادی اور ہندوستان کی بربادی تک انشاء اللہ جاری رہے گا اس لئے اس کارروائی کا منصوبہ تحریر نہیں کیا جا سکتا کیا پتہ اللہ رب العزت مستقبل میں مجاہدین کو اس پر عمل کرنے کا موقع عطاء فرمائے۔

سرینگر میں سخت کشیدگی مگر غازی بابا اپنے حال میں مست

اگست کا مہینہ شروع ہوتے ہی بھارت کے یوم آزادی کے حوالے سے کشمیر میں سیکورٹی بڑھا دی گئی خصوصاً سرینگر میں ان دنوں سخت کشیدگی پائی جاتی تھی جہادی ان حالات کی پروا کئے بغیر دن میں دو مرتبہ کام کے حوالے سے نکل جاتے تھے 28 اگست کو بھارت کے وزیراعظم اور دیگر وزراء سرینگر آ رہے تھے اس وجہ سے حالات مزید خراب ہو گئے تھے ہر طرف پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی لیکن غازی بابا اسلحے کا گیلن موٹر سائیکل پر اٹھائے فدائین کی طرح سرینگر کی گلیوں میں پھر رہے تھے میں انہیں بہت کہتی تھی کہ آپ اس طرح ان دنوں نہ نکلا کریں مجھے بھیج دیا کریں وہ ہنس کر جواب دیتے کہ ذرا آپ مجھے یہ گیلن اٹھا کر دکھا دو وہ بہت وزنی ہوتا تھا بہر حال جو کام میرے کرنے کا ہوتا اس کے لئے وہ مجھے ضرور بھیج دیتے ایک دن انہوں نے مجھے kp پوائنٹ پر کچھ سامان لانے کے لئے بھیجا وہاں میں نے انصار بھائی سے سامان وصول کیا اور جلدی واپس آ گئی واپسی پر قمر وادی چوک سے میں نے ان کے لئے ایک شرٹ خرید لی ان کی پسند ناپسند کا معیار بہت اعلیٰ تھا اس لئے کسی کی لائی ہوئی چیز انہیں مشکل سے ہی پسند آتی تھی میں نے واپس آ کر وہ ہلکے مہندی کلر کی شرٹ ان کو ہدیہ کی انہیں وہ بہت پسند آئی اور فوراً پہن لی وہ ان کے ساتھ بہت سج رہی تھی کچھ دن بعد انہوں نے مجھ سے کالے رنگ کی انر منگوائی جو وہ قمیض کے اندر پہنتے تھے اور اس کے اوپر بیلٹ باندھ لیتے تھے عصر کے بعد ہمارا ورزش کا معمول تھا وہ اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھتے اور کہتے تھے کہ ہم نے کافروں سے لڑنا ہے اس لئے اپنے آپ کو فٹ رکھنا ضروری ہے وہ مجھے بھی پابندی سے ورزش کراتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بیٹھے رہنے سے انسان کے اندر سستی پیدا ہوتی ہے مجاہد کو سست اور کاہل نہیں ہونا چاہئے اس دن وہ کالی انر پہن کر

ورزش کرر ہے تھے میں انہیں دیکھتی ہی رہ گئی انہوں نے نن چکو سنبھالا اور مجھ سے کہا سعدی! خود اور اپنی بیٹی کو بچالو وہ بڑا سا ہال نما کمرہ تھا ہم دونوں ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئیں اور غازی بابا شیر کی طرح گھوم گھوم کر نن چکو گھمار ہے تھے میں اس اسلام کے شیر کو دیکھتے ہوئے بار بار ماشاء اللہ پڑھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اس وقت اگر ان کے سامنے دس کافر بھی آئیں یہ ان کو بھی شکست دے دیں گے میں دل ہی دل میں اللہ سے دعاء کرر ہی تھی کہ اللہ پاک اسلام کے اس عظیم جرنیل کی حفاظت فرمائے اور ایسے مجاہد امت مسلمہ میں پیدا ہوتے رہیں۔

نو سال بعد گھر کا پروگرام اور اس کی تیاری

14 اگست کو انہوں نے صادق آباد گھر والوں سے بات کی اور امی جی کو یوم آزادی پر مبارک باد دی میں نے بھی امی جی سے بات کر کے انہیں آزادی کی مبارک باد دی انہوں نے جواباً کہا بیٹا اللہ تعالیٰ آپ کے کشمیر کو بھی آزادی نصیب فرمائے ان کی دعاء پر ہم دونوں نے آمین کہی گھر والے انہیں خصوصاً سیرت فاطمہ کو دیکھنے کے لئے ترس رہے تھے جہادی نے انہیں یہ خوشی کی نوید سنائی کہ ہم ایک ڈیڑھ ماہ تک پاکستان آنے والے ہیں امی جی نے ان سے میرے قد کاٹھ کے بارے میں پوچھا وہ لوگ بھرپور تیاریوں میں لگ گئے یہ کوئی چھوٹی خوشی نہ تھی ان کا بیٹا نو سال بعد محاذ جنگ سے واپس آ رہا تھا وہ گیا تو اکیلا تھا لیکن اب اس کے ساتھ مزید افراد بھی تھے گھر والے بہت خوش تھے اور دن رات اس دن کے خواب دیکھ رہے تھے جب ان کا طاہر ندیم طویل مدت کے بعد ان کے درمیان موجود ہوگا لیکن ان خوابوں کی عمر زیادہ نہ تھی اور ٹھیک پندرہ دن بعد وہ خواب حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔

وہ جمعہ کا دن تھا بارہ بجے ہم نے گھر والوں سے بات کی بہت خوشگوار ماحول تھا پھر اچانک اسی روز ہمارے درمیان ''آخری جھڑپ'' ہوگئی ہوا یہ کہ ظہر کی نماز کے بعد میں قرآن پاک تلاوت کر رہی تھی اس دوران بچی نے مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا میں کوئی زیادہ نیک انسان نہیں بلکہ بہت گناہگار ہوں لیکن نماز اور تلاوت میں خلل ڈالنے والے پر مجھے بہت غصہ آتا ہے غصے میں آ کر میں نے بچی کو کھینچ کر ایک تھپڑ مارا اسی لمحے جہادی وضو کر کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے میری حرکت انہیں سخت ناگوار گزری اور انہوں نے سخت غصے کا اظہار کیا اور غصہ بھی ''اردو'' میں کیا چونکہ ہم زیادہ کشمیری بولتے تھے اس لئے نوبت آنے پر ڈانٹ ڈپٹ بھی کشمیری میں ہوتی تھی کشمیری زبان میں وہ کتنا بھی غصہ کرتے تھے مجھے لگتا تھا کہ وہ مذاق کر رہے ہیں اس دن انہوں نے اردو میں مجھے ڈانٹا اس دن کوئی اور بات بھی ہوئی تھی جس پر وہ پہلے ہی غصے میں

تھے میں بھی ڈھائی سالہ دورِ رفاقت میں پہلی بار ان سے خفا ہوگئی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے پاس صرف چند دنوں کے مہمان ہیں اور صرف سولہ دن بعد وہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے خفا ہو کر چلے جائیں گے اگلا دن یعنی 15 اگست بھی بے رخی میں گذر گیا ہم لوگ کبھی ایک دو گھنٹے یا ایک دن سے زیادہ آپس میں ناراض نہیں رہے تھے یہ ہماری طویل ناراضگی تھی جو دو دن جاری رہی اور جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہتا ہے اس دن انہیں بہت سخت زکام اور سر درد ہوا تھا یہ ان کی آخری بیماری تھی آخری تکلیف تھی اس کے بعد وہ تمام دکھوں اور تکلیفوں سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئے انہیں زکام اور سر درد بہت شدت کا ہوتا تھا 15 اگست کی رات وہ بہت بے چین تھے انہوں نے سر کو ایک کپڑے سے باندھا ہوا تھا اور بے چینی سے بستر پر کروٹ بدل رہے تھے 16 کی صبح عجیب ڈرامائی انداز میں ہماری صلح ہوگئی ان کی طبیعت اس دن بھی خراب ہی تھی اس کے باوجود وہ باہر جا رہے تھے میں نے ان سے کہا کہ اس حالت میں آپ نہ جائیں انہوں نے جواب دیا بس معمولی سا سر درد ہے اس کے لئے کام کو چھوڑنا اچھی بات نہیں ہے اچھا یہ بتاؤ آپ کے لئے کیا لاؤں؟ میں نے کہا فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے انہوں نے اصرار کرتے ہوئے کہا کچھ تو بتاؤ میں نے کہا آپ نے اتنے سارے تحفے دیئے ہیں کہ اب کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی جو میں آپ کو بتا دوں چلیں آپ کاٹن کا دوپٹہ لے آنا بڑی چادر رکھنے سے مجھے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔

رات کو جب وہ واپس آئے تو میرے سامنے کاٹن کے دوپٹوں کا ڈھیر لگا دیا میں نے کہا اتنے سارے کس لئے لائے ہیں؟ ایک ہی کافی تھا انہوں نے جواب دیا دراصل مجھے سمجھ میں نہ آیا کہ آپ کو کون سا رنگ پسند آئے گا اس لئے میں سارے ہی رنگ لے آیا ہوں آپ کو جو پسند آئے رکھ لینا باقی شبنم دیدی کی بچیوں کو دے دینا میں نے ان کی پسند پر ایک سبز اور پیلے رنگ کا اور دوسرا کلیجی رنگ کا دوپٹہ رکھا جہادی مسکرا کر کہنے لگے میں سوچ رہا تھا یہ دوپٹے پتہ نہیں کتنے مہنگے ہوتے ہوں گے جب معلوم ہوا کہ پچاس روپے کا ایک ہے تو مجھے ہنسی آئی کہ سعدی نے پہلی بار کوئی فرمائش کی تو وہ بھی اتنی سستی سی چیز کی، سچ مچ آپ ''گاپچی'' ہو۔ گاپچی کا مطلب

’’گاؤں کی‘‘ ہے جہادی مجھے چھیڑنے کے لئے یہی نام استعمال کرتے تھے وہ دوپٹے ان کی محبت کی آخری نشانی تھے ان کے خلوص کا آخری تحفہ لیکن وہ بھی ان کی دیگر نشانیوں کے ساتھ اس گھر کے ملبے تلے دب گئے۔

ماں جی سے جہادی کی آخری ملاقات

انہوں نے مجھے کہا کہ کیا پتہ ہمارا اچانک سفر کا پروگرام بن جائے اس لئے گھر والوں کو ملاقات کے لئے بلائیں گے ہم نے ان کو 22 اگست 2003ء بروز ہفتہ ملاقات کے لئے بلایا اس وقت میری صحت بالکل ٹھیک ہوگئی تھی مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ آج میری امی مجھے دیکھ کر خوش ہو جائیں گی وہ لوگ میرے کپڑوں پر خاص توجہ دیتے اور کہیں کوئی کمی نظر آتی تو اگلی بار کپڑوں کا پلندہ اٹھا کر لے آتے پہلے جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو برقعے کے اندر میں نے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن انہوں نے اس چیز کو بہت محسوس کیا جہادی نے مجھے کہا کہ ان کے آنے سے پہلے میں آپ دونوں کے لئے اچھے سے کپڑے لاؤں گا جہاد میں نکل کر ان چیزوں کی محبت خود بخود دل سے نکل جاتی ہے اور جہادی کی یہ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہتی تھی وہ کہتے تھے کہ زیادہ سامان جمع نہ کرنا اس سے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور جس کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو جائے وہ کبھی جہاد نہیں کر سکتا ہم راہ حق کے مسافر ہیں آج یہاں، کل وہاں آج ہیں کل کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اس لئے مال و متاع ہمارے کس کام کا؟

آج جب مجھے ان کی باتیں یاد آتی ہیں تو میرا دل پکار اٹھتا ہے کہ جہادی زندگی وہی تھی جو آپ کے ساتھ گذری وہ وادی کشمیر کی دلکش فضائیں دنیاوی بکھیڑوں سے دور خالص جہادی زندگی جہاں کپڑوں کے چند جوڑے ہماری متاع کل ہوتے تھے راہ جہاد کی تمام تر مشکلات کے باوجود دل کو ایک سکون میسر ہوتا تھا نہ موت کا ڈر نہ زندگی کی پرواہ جہاں ہر موڑ پر لیلائے شہادت بانہیں پھیلائے منتظر نظر آتی تھی واقعی زندگی وہی تھی جو آپ کے ساتھ گذری۔

ماں باپ ہر حال میں اولاد کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں میرا نظریہ اور تھا لیکن میرے گھر والے اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے کیونکہ وہ دنیاوی ماحول میں رہتے تھے اس لئے ان کی خوشی کے

لئے ہم سب نے بہت عمدہ کپڑے بنوائے جب میں تیار ہو رہی تھی تو جہادی بار بار میری تعریف کر رہے تھے مجھے خبر نہ تھی کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد میں نے بیوگی کا سیاہ کفن اوڑھنا ہے اس لئے آخری مرتبہ ادھورے خوابوں اور ارمانوں کا حسن چہرے پر جھلملاتا نظر آ رہا ہے۔

ہم نے انہیں راضیہ کدل میں بلایا تھا ماں جی کے علاوہ باجی اور منیر بھی آیا ہوا تھا امی ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ آج آپ سب کو دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا چلو بھارتی فوجی ہمارے اوپر جو بھی ظلم کریں مجھے یہ اطمینان تو ہے کہ میری بیٹی خوش ہے انہوں نے جہادی کو اپنے پاس بٹھا کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا ماں جی انہیں ہمیشہ شہباز کہہ کر ہی بلاتی تھیں انہوں نے کہا شہباز بیٹا! مجھے ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ آپ لوگوں کو کچھ ہو نہ جائے آپ سے میری بیٹی کی زندگی ہے اپنا خیال رکھنا، کہتے ہیں اولاد کو کوئی تکلیف یا دکھ پہنچنے والا ہو تو ماں کے دل کو پہلے ہی خبر ہو جاتی ہے میری پیاری ماں کو بھی مجھ پر ٹوٹنے والی قیامت کی ایک ہفتہ پہلے ہی خبر ہو گئی تھی اس دن وہ بہت رو رہی تھی میں اپنی ماں کے انمول آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں میں چھپا رہی تھی اور ان سے کہہ رہی تھی ماں! آپ کیوں رو رہی ہیں انشاء اللہ آپ کی دعاؤں سے ہمیں کچھ نہیں ہوگا ہم آجکل ایک محفوظ جگہ پر رہ رہے ہیں اس لئے آپ بالکل فکر نہ کریں ان کی بے قراری دیکھ کر جہادی نے بھی کہا کہ ماں جی! آپ پریشان نہ ہوں ہم ایک ماہ تک پاکستان چلے جائیں گے اس بات سے ماں کو کچھ حوصلہ ملا وہ بولیں اچھا ہے آپ ادھر ہی چلے جاؤ یہاں ہندوستانی فوجی آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور بیٹا اپنی ماں کو میرا اسلام کہہ دینا اور کہنا یہ میری سب سے چہیتی بیٹی ہے اس کا کبھی دل نہ دکھانا اور اس کو ہمیشہ خوش رکھنا، ماں جی کی یہ بات میرے دل پر نقش ہے جہادی نے ان کو کہا تھا کہ میں ہوں نا میرے ہوتے ہوئے اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی میں کبھی ان سے کہتی تھی کہ آپ کے خاندان میں آپ کا رشتہ طے ہوا تھا میرے حوالے سے وہاں کوئی آپ پر اعتراض تو نہیں کرے گا جہادی کہا کرتے تھے کہ میں اعتراض کرنے والوں کو بتاؤں گا کہ سعدی نے کہاں کہاں کن کن مشکل حالات میں میرا ساتھ دیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو میرے مشن سے محبت ہے وہ خود بھی مجاہدہ ہے ہر کشمیری کی طرح مجھے بھی

پاکستان سے محبت تھی اور پاکستان آنے کے حوالے سے میں نے کئی خواب دیکھے تھے جہادی کہا کرتے تھے کہ جب ہم پاکستان جائیں گے تو میں آپکے لئے پیارے سے کپڑے لاؤں گا پھر آپ کو سجا کر اپنے گھر لے جاؤں گا انہوں نے بھی پاکستان آنے کے حوالے سے بہت خواب دیکھے تھے وہ تصور میں ایک کمانڈو دستہ تیار کر رہے تھے پھر انہیں لیکر ایک بار پھر وادی کشمیر میں آجاتے تھے ان حسین آنکھوں نے اس طرح کے کئی خواب دیکھے تھے پھر انہوں نے وہ پیاری آنکھیں ہی بند کر لیں اور جب میں نے اپنے خوابوں کے پاکستان میں قدم رکھا تو اس وقت میری حالت اس مسافر کی سی تھی جس کا سب کچھ منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی لٹ گیا ہو۔ اس دن ترال سے راشد بھائی ہمارے پاس آ رہے تھے ان کو بلانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ غازی بابا اپنی تمام تر ذمہ داریاں انہیں سمجھا دیں اور سرینگر کے سیٹ اپ اور دیگر کاموں کے حوالے سے انہیں بتا دیں کیونکہ ان کے بعد ساری ذمہ داری راشد بھائی کے کندھوں پر ہی آ جانی تھی جہادی نے انہیں وصول کرنے جانا تھا اور مجھے کہا آپ بھی جلدی سے پوائنٹ پر پہنچ جانا دن کے ڈھائی بجے میں نے گھر والوں کو رخصت کیا میں صورہ تک ان کے ساتھ گئی وہاں سے وہ لوگ صفا پورہ کی گاڑی پر بیٹھے اور میں اپنے ٹھکانے پر آ گئی۔

راشد بھائی کی سرینگر آمد اور انتقالِ ذمہ داری

22 اگست کو راشد بھائی ہمارے مہمان بنے اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد وہ دونوں اللہ کے مہمان بن گئے اس وقت کس کو معلوم تھا کہ اگلے ہفتے کیا ہونے والا ہے اس بات پر میں سوچتی ہوں کہ انسان کتنا غافل ہے ایک پل کی خبر نہ رکھنے کے باوجود سو برس کا سامان جمع کرتا ہے۔

غازی بابا نے ان گھر والوں کو بھی اپنی اصلیت نہیں بتائی تھی وہ ان کے لئے ''سلیم بھائی'' تھے راشد بھائی کے آنے پر انہوں نے گھر والوں کو بتایا کہ ہمارے کمانڈر صاحب آرہے ہیں ان کی خوب خاطر تواضع کرنی ہے گھر والوں کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی راشد بھائی کی خدمت میں لگ گئے۔ راشد بھائی غازی بابا کے نائب تھے مگر عمر میں ان سے بڑے تھے ان کا تعلق آزاد کشمیر کے شہر راولاکوٹ سے تھا انتہائی نرم مزاج اور بردبار انسان تھے وہ بہت عظیم مجاہد تھے جب غازی بابا ان کے پاؤں دباتے تو گھر والوں کے سامنے وہ مجبوراً خاموش رہتے تھے کیونکہ یہ ایک راز تھا جسے ہر حال میں افشا ہونے سے بچانا تھا مگر اس وقت ان کی عجیب حالت ہوتی تھی بعد میں وہ ہاتھ جوڑ کر غازی بابا سے کہتے استاد جی! اللہ کے لئے آپ میرے پاؤں نہ دبایا کریں جہادی مسکرا کر کہتے تھے چلیں اسی بہانے مجھے آپکی خدمت کرنے کا موقع مل گیا ورنہ آپ کہاں موقع دیتے غازی بابا ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے چاہے وہ عام مجاہد ہو یا کوئی ذمہ دار ایک مرتبہ کسی ساتھی نے ان کے سامنے یہ بات کہہ دی کہ بازار میں گاجر دیکھ کر پاکستان کا گاجر کا حلوہ یاد آتا ہے کشمیر میں بہت کم لوگ گاجر کا حلوہ بنانا جانتے ہیں، میں نے بھی غازی بابا سے ہی بنانا سیکھا تھا وہ اسی دن گاجر لائے اور مجھ سے حلوہ بنوا کر ساتھی کو کھلا دیا راشد بھائی چائے بہت پیتے تھے انہوں نے مجھے خصوصی تاکید کر رکھی تھی کہ چائے کا تھرماس بھر کر اوپر بھیج دیا کروں جب وہ خالی ہو جائے تو دوبارہ بنا کر بھیجوں۔

غازی بابا اچھا کھانے کے شوقین تھے لیکن جب ضرورت پڑتی تو سوکھی روٹی کھا کر بھی

گذارا کرتے تھے انہوں نے مجھے کئی ایسے واقعات سنائے جب انہیں بھوکے رہ کر یا پتے کھا کر گذارہ کرنا پڑا تھا آخری ہفتے میں انہوں نے اپنی پسند کا ہر کھانا بنوا کر کھایا۔ گوشت، بریانی، کسٹرڈ، گاجر کا حلوہ اور دہی انہیں بہت پسند تھا کسٹرڈ اور گاجر کا حلوہ میں بنا لیتی تھی لیکن اس وقت بریانی نہیں بنانی آتی تھی کیونکہ کشمیر میں صرف ابلے ہوئے چاول ہی کھائے جاتے ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ کچن میں آ کر خود چکن بریانی بنائی 28 اگست کے حوالے سے سرینگر میں سیکورٹی کے غیر معمولی انتظامات بدستور برقرار تھے ان کشیدہ حالات میں بھی مجاہدین کی موومنٹ جاری تھی ایک بار میں اسلحے والا گیلن ان کے ساتھ موٹر سائیکل پر باندھنے میں مدد کر رہی تھی میں نے ان سے کہا واجپائی کا دورہ گذرنے دیں آپ خود کو رسک میں نہ ڈالیں جہادی نے کہا کیا پتہ واجپائی کا دورہ گذرنے کے بعد ہم ہونگے بھی کہ نہیں اس لئے آج ہم ہیں تو کام کریں گے کل کا کیا بھروسہ ہے اس دن 26 اگست تاریخ تھی وہ سارا دن باہر رہے شام کو واپس آئے تو تھکاوٹ سے نڈھال نظر آ رہے تھے وہ ایک کرسی پر دراز ہو گئے۔ میں نے ان کے جوتے اتارے اور ان کا سامان سنبھالا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئی انہوں نے مجھے دو باتیں بتائیں جو میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث تھیں اس دن انہوں نے نصرت سے ملاقات کی تھی نصرت نے ہمیں 2 ستمبر کو اپنی بہن کے گھر پر مدعو کیا تھا کیونکہ اس کا گھر مشکوک ہو گیا تھا اس لئے غازی بابا کو اس نے ادھر بلانا مناسب نہیں سمجھا جہادی ان کے گھر میں کبھی نہیں گئے تھے لیکن اماں جی کو ان سے ملاقات کرنے کا بہت شوق تھا جہادی نے ان کی دعوت قبول کر لی تھی دوسری بات یہ تھی کہ 6 ستمبر کو میری بڑی بہن ملنے کے لئے آ رہی تھی یہ دونوں ہستیاں مجھے بے حد محبوب تھیں۔ میں 2 اور 6 ستمبر کا شدت سے انتظار کر رہی تھی لیکن وہ دن پھر کبھی نہ آئے۔ اس دن جہادی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اب میں چیف کمانڈر نہیں ہوں میں نے حیرانگی سے سوال کیا وہ کیوں؟ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا میں نے ساری ذمہ داری راشد بھائی کے حوالے کر دی ہے اور اب ہم جلدی جانے والے ہیں بلکہ اگلے ماہ ہم انشاءاللہ پاکستان چلے جائیں گے۔

اور ستارہ ٹوٹ گیا

28 اگست کو ہندوستان کی تمام ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی سربراہی میں پہلی دفعہ سرینگر میں جمع ہو رہے تھے یہ اجلاس ''سنطور ہوٹل'' میں منعقد ہو رہا تھا اس سلسلے میں کشمیر میں دو دن زبردست ہڑتال رہی لال چوک سے لے کر ''سنطور ہوٹل'' (نشاط باغ) تک بھارتی فوج کا بہت سخت پہرہ تھا ان غیر معمولی انتظامات کے باوجود مجاہدین نے 27 اگست کو فدائی حملہ کر دیا سارا شہر رات بھر دھماکوں کی آواز سے گونجتا رہا اور بھارتی لیڈر ''سنطور ہوٹل'' میں بیٹھے تھر تھر کانپ رہے تھے غازی بابا اس دن بہت خوش تھے وہ بولے الحمدللہ مجاہدین نے بھارتی فوج کے ان دعوؤں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں جو وہ کئی دنوں سے سخت حفاظتی انتظامات کے حوالے سے کر رہے تھے پھر کہنے لگے کہ بھائیوں نے تو بہت اچھا کام کیا ہے ہمارا بھی کچھ حصہ ہونا چاہیے میں نے کہا شفیع بھائی کہہ رہے تھے کہ باہر بہت سخت ہڑتال ہے کوئی بھی پیدل نہیں چل رہا ہے میرے خیال میں آج آپ نہ نکلیں تو اچھا ہے جہادی کام کے حوالے سے کبھی سمجھوتہ کرنے کے قائل نہ تھے جب وہ کسی کام کا عزم کرتے تو پھر کوئی چیز ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی انہوں نے ایک کلین کوف بیگ میں ڈالی اور عثمان بھائی اور انصار بھائی کو رابطہ کر کے عیدگاہ میں بلا لیا۔ انصار بھائی موٹر سائیکل لے کر راستہ کلیئر کرنے کے لئے آگے آگے چل رہے تھے غازی بابا اور دوسرا ساتھی ان سے سو میٹر کے فاصلے پر پیچھے چل رہے تھے وہ دونوں چلتے چلتے کارروائی کی پلاننگ بنا رہے تھے اس دوران ایک موڑ مڑتے ہوئے انصار بھائی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ گلی سے اچانک کچھ فوجی نکل آئے اور وہ ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہے تھے کیونکہ اس دن ہڑتال تھی اس لئے رش بھی زیادہ نہ تھا انھوں نے گشتی پارٹی کو دیکھ کر راستہ بدلا اور ایک گلی میں داخل ہو گئے اور تھوڑا آگے جا کر انصار بھائی کا انتظار کرنے لگے کافی دیر تک جب وہ نہ آئے تو انہوں نے ہر جگہ ان کو تلاش کیا آرمی

وہاں سے جا چکی تھی انصار بھائی کے پاس سول کارڈ بھی تھا اور اسلحہ بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ساتھی کدھر گیا کیونکہ نہ ہی انہوں نے فائر کی آواز سنی اور نہ ہی وہ متعلقہ جگہوں پر ملے انہیں شک پڑا کہ شاید گرفتار ہو گئے ہیں اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ رات کو رابطہ ضرور کریں گے۔

رات کو جب غازی بابا واپس آئے تو بہت افسردہ دکھائی دے رہے تھے انہوں نے مجھے اس حوالے سے کچھ نہیں بتایا کیونکہ انہیں امید تھی کہ انصار بھائی ٹھیک ہونگے اور وہ ضرور رابطہ کریں گے جب رات انہوں نے رابطہ نہیں کیا تو ان کی گرفتاری کی تصدیق ہوگئی راشد بھائی کے آنے کے بعد میں نیچے والی منزل میں سوتی تھی اور وہ دونوں اوپر ہائیڈ والے کمرے میں، رات سونے سے پہلے جہادی دیر تک میرے پاس آ کر بیٹھتے اور مجھے دن بھر کی باتیں سناتے تھے 28 اگست کو وہ نہیں آئے صبح یعنی 29 اگست کو میں ناشتہ دینے گئی وہ بستر میں ہی تھے اور کچھ نڈھال سے لگ رہے تھے میں نے ان سے پوچھا آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ رات سے کچھ پریشان لگ رہے تھے انہوں نے مختصر سا جواب دیا کہ میں ٹھیک ہوں۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد وہ بولے آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا میں نے خواب میں آپ کی شادی ہوتے دیکھی آپ کو دلہن بنایا جا رہا تھا اور سیرت فاطمہ کے جسم پر کپڑے نہیں تھے یہ سن کر میں بہت پریشان ہو گئی اسی رات میں نے بھی بالکل اسی طرح کا خواب دیکھا تھا وہ دن یعنی 29 اگست بروز جمعہ انتہائی ہنگامہ خیز دن تھا اس دن کئی غیر معمولی واقعات ہوئے۔ دن کے گیارہ بجے وہ نیچے آئے اور مجھے انصار بھائی کی گرفتاری کے بارے میں بتایا انصار بھائی اٹک کے رہنے والے تھے ان کی گرفتاری کا سن کر مجھے بہت دکھ ہوا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ kp پر آپ کی کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جس پر نام وغیرہ لکھا ہوا ہو میں نے انہیں کہا کچھ کاغذات اور حلف نامہ ادھر پڑے ہوئے ہیں عثمان بھائی وہاں موجود تھے انہوں نے ان کو ہائیڈ سے کچھ ضروری سامان اور میرے کاغذات وغیرہ اٹھانے کا کہا اور فوراً وہ جگہ چھوڑنے کی ہدایت کی۔

وہاں پر میری ایک کتاب بھی تھی جس کے اندر میری زندگی کا قیمتی سرمایہ موجود تھا اس کی جلد کے اندر میں نے جہادی کے کچھ خطوط اور وہ روپے جو میرا حق مہر تھے سنبھال کر رکھے تھے

جہادی نے مجھ سے مزاحاً کہا اچھا وہ روپے آپ نے سنبھال کرر کھے ہیں میں سمجھ رہا تھا کہ آپ نے دوسرے دن ہی ان کی ٹافیاں وغیرہ کھالی ہونگی عثمان نے کچھ خاص اور اہم چیزیں اٹھالیں لیکن وہ کتاب ادھر ہی رہ گئی جو بعد میں بھارتی فوج کے ہاتھ لگی۔

میں نے جہادی سے پوچھا کہ انصار بھائی کو اس پوائنٹ کا پتہ ہے انہوں نے کہا نہیں یہ جگہ ہم تینوں کے علاوہ صرف مستری کو معلوم ہے اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ kp اور نور باغ والی ہائیڈ ایک ہی مستری نے بنائی ہے ورنہ میں انہیں یہ مشورہ ضرور دیتی کہ اگر انصار بھائی نے مجبور ہو کر kp پر چھاپہ ڈلوایا تو مستری کی مدد سے دشمن یہاں بھی پہنچ سکتا ہے مستری نثار احمد کو کرناگ کا تھا اور نذیر بھائی بھی چونکہ کوکرناگ کے ہی تھے اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اگر kp سے نذیر بھائی گرفتار ہوتے ہیں تو وہ نثار تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں یہ ایک اہم نکتہ تھا جس پر ہمیں سوچنا چاہئے تھا لیکن تقدیر نے موقع نہیں دیا۔

غازی بابا نے محاذ جنگ پر دوران جہاد چلتے پھرتے جنگلوں اور بیابانوں میں ایک طویل عرصے میں اپنی ایک کتاب لکھی تھی جو ان کی عسکری کارروائیوں کشمیر کے حالات و واقعات اور غازیوں اور شہیدوں پر لکھی گئی ایک مفصل اور جامع کتاب تھی وہ بالکل تیار تھی اور صرف چھپنے کی دیر تھی میں نے جہادی سے اس کے متعلق پوچھا کیونکہ پہلے وہ kp پر تھی انہوں نے کہا کہ وہ ممی والے پوائنٹ پر ہے ہمیں معلوم نہ تھا کہ آج رات ستم کی آندھی چلے گی اور جو طوفان آنے والا ہے وہ سب کچھ بہالے جائے گا مجھے بے حد دکھ بلکہ افسوس ہو رہا ہے کہ اس عظیم جرنیل کا قوم کے لئے چھوڑا ہوا وہ بیش قیمت تحفہ بھی اس طوفان کی نذر ہو گیا۔

دو پہر کے وقت شبنم دیدی دونوں کے بعد کپواڑہ سے واپس آ گئی انہوں نے گاؤں سے کچھ مرغیاں لائی تھیں اور بچے خوش ہو ہو کر مرغیاں اندر لے کر آ رہے تھے ان کی چھوٹی بیٹی شمع نے مجھے آ کر بتایا کہ گلی میں ملٹری کھڑی ہے میں انہیں اطلاع دینے کے لئے بھاگ کر اوپر گئی انہیں پتہ چل گیا تھا راشد بھائی ہائیڈ کے اندر چلے گئے تھے اور جہادی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر دشمن کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی ایک فوجی ہمارے مکان

کی طرف ہاتھ سے کچھ اشارہ کر رہا تھا میں نے ان سے پوچھا یہ اس طرف کیوں اشارہ کر رہا ہے؟ بچے ابھی تک رکشے سے سامان اتار رہے تھے اس لئے جہادی نے کہا یہ شاید ان بچوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے تھوڑی دیر بعد فوجی وہاں سے چلے گئے عصر کے وقت ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں چھتہ بل نور باغ کے ساتھ ہی تھا عصر کے وقت وہاں ایک شہید کی نعش لائی گئی جو رات والے فدائی حملے میں جام شہادت پی گیا تھا سارا علاقہ نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج رہا تھا ہم دونوں کھڑکی کے پاس کھڑے تھے جہادی نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا آہ کوئی خوش نصیب شہادت پا گیا ہے وہ بہت اداس سی شام تھی انصار بھائی کی گرفتاری کا بہت دکھ تھا ہم دونوں کی ہر سانس ان کے لئے دعاء کر رہی تھی انہوں نے خود بھی نوافل پڑھ کر ان کے لئے صبر و استقامت کی دعا مانگی اور مجھے بھی نفل ادا کرنے کا کہا اور بولے دعاء کرو اللہ پاک ان پر آسانیاں فرمائے وہ اسلحہ سمیت گرفتار ہوئے ہیں اور ہیں بھی پاکستانی یہ کافر ان پر بہت تشدد کریں گے نہ جانے اس وقت ہمارے بھائی پر کیا کیا ظلم ہو رہا ہوگا پھر انہوں نے مجھے کہا کہ چائے بنا کر لاؤ میرا سر بھاری ہو رہا ہے وہ چائے بہت کم پیتے تھے بلکہ کئی دنوں کے بعد کبھی آدھا کپ پی لیتے تھے اس دن انہوں نے مجھ سے خود چائے بنانے کا کہا جب میں چائے کے برتن لے کر سیڑھیوں سے نیچے آ رہی تھی تو عین اس وقت شبنم دیدی کسی آدمی کو سخت سست کہہ کر باہر نکال رہی تھی میں نے اس آدمی کو باہر جاتے ہوئے دیکھا مگر اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی میں نے شبنم دیدی سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ غصے سے بولیں پتہ نہیں کون احمق تھا کسی شبیر صاحب کا گھر ڈھونڈ رہا ہے دروازہ کھلا دیکھ کر اندر گھس آیا شازیہ (ان کی بیٹی) کے منع کرنے کے باوجود کمرے تک آ گیا یہ واقعہ بھی غیر معمولی تھا دراصل وہ آدمی بی ایس ایف کا اہلکار تھا جو ہمارے پوائنٹ کی ریکی کر کے گیا تھا (جو ہمیں بعد میں پتہ چلا) میں نے جہادی سے اس آدمی کے بارے میں بات کی انہوں نے پوچھا وہ آدمی دیکھنے میں کیسا لگ رہا تھا؟ میں نے کہا میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی وہ عجیب قسم کی کشمکش کا شکار تھے انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں اس طرف کیوں اشارہ کر رہے ہوں گے؟ میں نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے باقی آپ مجھ سے بہتر جانتے سمجھتے ہیں یہ بات میرے لئے آج بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے کہ اتنے سارے واقعات ہونے کے باوجود

انہوں نے وہ جگہ کیوں نہیں چھوڑی وہ تو ہواؤں کا رخ دیکھ کر حالات کا اندازہ لگا لیتے تھے معمولی سے شک کی بنا پر دن رات اور موسم کی پرواہ کیے بغیر پوائنٹ بدلتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ بہت کشمکش کا شکار تھے ان کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہیں کچھ گڑبڑ ضرور ہے لیکن تقدیر کے آگے کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔

جوں جوں جدائی کا لمحہ قریب آتا گیا میری طبیعت پر پژمردگی سی چھانے لگی شام ہوتے ہی میری حالت ایسی ہوگئی گویا میں کئی دنوں کی بیمار تھی مجھے لگ رہا تھا جیسے میری کمر ٹوٹی ہوئی ہے حالانکہ مجھے کبھی کمر درد کی تکلیف نہیں ہوئی مجھ سے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا کھانا کھاتے ہوئے گویا نوالے گلے میں پھنس رہے تھے شازیہ کہنے لگی دیدی! آپ چاول کھا رہی یا گن رہی ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ میں نے کہا ہاں میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی میں نے کھانا چھوڑ دیا اور اوپر چلی گئی وہ لوگ کھانا کھا چکے تھے میں نے ان کا بستر لگایا سیرت فاطمہ کافی دیر ان کے ساتھ کھیلتی رہی اس دن اس نے دوبار اپنے بابا کے دائیں رخسار پر بوسہ دیا جہادی نے اس کو پکڑ کر سینے سے لگایا اور بولے آج آپ کو بابا پر اتنا پیار کیوں آ رہا ہے وہ کھیل میں اتنی مگن تھی کہ لگتا تھا آج اس نے سونا ہی نہیں ہے اور میری حالت ایسی تھی کہ دل کرتا تھا کسی طرح لیٹ جاؤں مجھے معلوم ہوتا کہ یہ رات جہادی کی رفاقت کی آخری رات ہے اس کے بعد سیرت فاطمہ اپنے بابا کو اور میں اپنے محبوب کو دیکھنے کے لئے ترستی رہوں گی تو ہم ساری رات جاگتے رہتے میں بچی کو زبردستی نیچے لے آئی اس نے دروازے تک کئی مرتبہ انہیں اللہ حافظ کہا فاطمہ تھوڑی دیر بعد سوگئی تھی اور میری روح و جان بے قرار تھی کمرے کی کھڑکی پیچھے گلی کی طرف کھلتی تھی اس رات چاند آسمان پر خوب چمک رہا تھا چاندنی کی وجہ سے کمرے کے اندر مدہم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی نہ جانے کس وقت وہ کمرے میں آئے میں جاگ رہی تھی انہوں نے مجھ سے پوچھا سعدی! کیا بات ہے آج آپ کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی تھی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں نے جواب دیا پتہ نہیں کیوں میرے دل کو بے چینی سی لگی ہوئی ہے جہادی کہنے لگے آج میرا دل بھی اداس ہے شاید انصار بھائی کی وجہ سے ایسا ہے۔ وہ دیر تک انصار بھائی کو یاد کرتے رہے پھر بولے کل راشد بھائی ترال واپس جا رہے ہیں کیا آپ نے ان کے کپڑے استری کر دیئے ہیں؟ میں نے کہا جی

ہاں ان کا سب سامان اوپر المار ی میں رکھا ہوا ہے راشد بھائی کا خیال آتے ہی میں نے ان سے کہا آپ اوپر چلے جائیں بھائی آپ کا انتظار کر رہے ہونگے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ چلے گئے وہ لمحے ان کی محبت اور رفاقت کی آخری سوغات تھے۔

تقریباً رات کے تین بج چکے تھے میں ایک خوفناک قسم کا خواب دیکھ رہی تھی کہ دو فوجیوں نے میرے دونوں بازوؤں کو پکڑا ہوا ہے اور میں خود کو ان سے چھڑانے کے لئے بھرپور جدوجہد کر رہی ہوں میں اس وقت نیم بیہوشی کی حالت میں تھی اور خوف کی وجہ سے میرے اعصاب شدید دباؤ کا شکار تھے عین اسی وقت ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھل گیا میں گھبراہٹ کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گئی میں اب بھی خود کو بھارتی فوجیوں کی قید میں محسوس کر رہی تھی اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی وہ جہادی تھے اور میرے قریب آ کر انہوں نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا سعدی! اٹھو جلدی اٹھو مکان کے صحن میں آرمی ہے ہم دونوں ہائیڈ کی طرف بھاگے راشد بھائی ہائیڈ کے اندر چلے گئے تھے ہم نے جلدی سے کمرے کی حالت درست کی مشکوک چیزیں ہائیڈ میں چھپا دیں میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو پچھلی گلی میں دور نگاہ تک فوج ہی فوج تھی میں نے ان سے کہا یہ بہت سخت قسم کا چھاپہ معلوم ہوتا ہے میں کیا کروں آپ کے ساتھ ہائیڈ میں جاؤں یا باہر ہی رہوں وہ اس وقت مطمئن نظر آ رہے تھے اور مجھ سے کہا سعدی! پریشان نہ ہو یہ تلاشی کر کے چلے جائیں گے آپ پہلے گھر والوں کو جگاؤ اور آپس میں نام وغیرہ بھی یاد کر لو میرا وہاں پر فرضی نام نرگس تھا گھر والے اس افتاد سے بے خبر سو رہے تھے جہادی میرے ساتھ نیچے آئے اور دوسری منزل کی سیڑھی پر کھڑے ہو گئے گیلری کا بلب جل رہا تھا وہ میری طرف ہی دیکھ رہے تھے میں نے شبنم دیدی کے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ اندر سے بند تھا فوجی صحن میں کھڑے تھے اس وجہ سے میں نے دستک دینا مناسب نہیں سمجھا میں نے بے بسی کے عالم میں جہادی کی طرف دیکھا اور اشاروں کی زبان میں انہیں یہ بات سمجھانے لگی اسی وقت فوجی برآمدے میں آ گئے ان کے بوٹوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی انہوں نے مکان کے مین دروازے پر کسی بھاری چیز سے حملہ کیا انہوں نے بغیر کوئی دستک دیئے دروازہ توڑنے کی کوشش کی اس بات سے ہم پر ان کے عزائم ظاہر ہو گئے اور یہ بھی کہ یہ معمولی چھاپہ نہیں

ہے جہادی فوراً اوپر کی طرف بھاگے اور میں بھی اوپر کی طرف دوڑی ابھی میں چند ہی سیڑھیاں چڑھی کہ دروازہ ٹوٹ کر دور جا گرا میں ہائیڈ والے کمرے میں نہیں گئی کیونکہ ایک تو فوجی دروازہ ٹوٹتے ہی فوراً اوپر کی طرف بھاگے دوسرا مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ ہائیڈ کے اندر چلے گئے ہیں میری وہاں موجودگی دشمن کو شک میں نہ ڈال دے ہم نے اس کمرے سے بستر وغیرہ اٹھا لئے تھے تا کہ دشمن کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہاں کوئی سویا ہوا تھا میں اس کمرے میں گئی جہاں میں سو رہی تھی وہاں سے لپک کر بچی کو باہر نکالا یہ سب کچھ چند سیکنڈ کے اندر اندر ہوا یہ کمرہ سیڑھی کے ساتھ ہی تھا اور فوجی سیدھے اوپر آ گئے تھے ایک فوجی نے مجھ سے پوچھا اوپر کون ہے؟ اوپر کوئی بھی نہیں ہے میں نے اطمینان سے جواب دیا اطمینان اس لئے تھا کہ مجاہدین ہائیڈ میں داخل ہو گئے ہیں اب انہیں اوپر کچھ بھی نہیں ملے گا اس بزدل ہندو نے مجھے زور سے تھپڑ مارا اور پھر وہی سوال کیا کہ سچ سچ بتاؤ اوپر کون ہے؟ میں نے بھی وہی جواب دیا کہ اوپر کوئی نہیں ہے آپ جا کر دیکھ لو انہیں پکی اطلاع تھی اس لئے میرے جواب پر اسے سخت غصہ آیا وہ کافر مجھے بری طرح مارنے لگا میں نے چیخیں مارنا شروع کر دیں اور شبنم دیدی کو آوازیں دینے لگی دروازہ ٹوٹنے کی آواز سے وہ لوگ جاگ گئے تھے لیکن میں اوپر والی منزل میں تھی اور وہ نیچے، درمیان میں سیڑھیوں پر فوجی کھڑے تھے انہوں نے شفیع بھائی کو اپنے ساتھ رکھا اور عورتوں کو نیچے والے کمرے میں جمع کر دیا۔ شبنم دیدی کی چار بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا تھا ایک فوجی نے ہم سے پوچھ تاچھ شروع کر دی اور سب سے پہلے میرے بارے میں پوچھا دیدی نے کہا یہ میری بھانجی ہے اور سوپور میں رہتی ہے دو دن پہلے ہم سے ملنے کے لئے آئی ہے یہ پوچھ تاچھ جاری تھی اتنے میں اوپر شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی یہ ہائیڈ کے دروازے پر لگا ہوا شیشہ تھا اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے اندر سے گرنیڈ پھینکے جو کمرے میں زوردار دھماکے سے پھٹنے لگے میرے دل کی دھڑکنیں رک گئیں اور دماغ ماؤف ہونے لگا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوپر جھڑپ شروع ہو گئی ہماری ہائیڈ پکڑی گئی ہے اور میں جہادی کے پاس نہیں ہوں بھارتی فوج کو ہائیڈ کی اطلاع تھی لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں پر مجاہدین موجود ہیں۔ ورنہ بھارتی کتے اتنے شیر بہادر نہیں تھے کہ سیدھا ہائیڈ کے پاس جمع ہو جاتے ایک فوجی نے جوں ہی ہائیڈ کے دروازے پر لگا شیشہ توڑ دیا تو مجاہدین نے اندر

سے گرنیڈ پھینکے ان کے درمیان پے در پے تین گرنیڈ بلاسٹ ہوئے جس سے انہیں فرار کا موقع بھی نہ ملا پانچ فوجی موقع پر ہی ہلاک ہوئے جبکہ متعدد زخمی ہو گئے زخمی ہونے والے فوجی لڑکھڑاتے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے آ رہے تھے اور ہمارے کمرے میں پناہ لے رہے تھے مجھے آج بھی بزدل بھارتی فوجیوں کی آہ و بکا یاد ہے انہوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ایک فوجی ہمارے سامنے خون میں لت پت اپنے دوسرے ساتھی کی منتیں کر رہا تھا بھگوان کے لئے گاڑی منگواؤ مجھے جلدی ہسپتال لے جاؤ ورنہ میں مر جاؤں گا وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا بزدل بھارتی فوجی ہمیں ڈھال بنا کر اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے انہوں نے کمرے کا بلب توڑ دیا تاکہ روشنی کی وجہ سے وہ مجاہدین کو نظر نہ آ جائیں وہ ہمیں گنوں کے بٹ مار مار کر پوچھتے تھے کہ تم لوگوں نے مجاہدوں کو کہاں چھپا رکھا تھا چشم فلک نے ایک بار پھر کربلا کا منظر دیکھا۔

مجاہدین بھارتی فوجیوں کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر لڑتے ہوئے پیچھے آ رہے تھے مکان کے اندر شدید جھڑپ ہو رہی تھی مکان کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھیں اور گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گذر رہی تھیں ہم بچوں پر ڈھال بن جاتی تھیں معصوم بچوں نے خوف و دہشت کے مارے چیخ و پکار شروع کر دی بھارتی فوجی انھیں خاموش کرانے کے لئے ہم پر تشدد کرتے تھے اس کمرے کا ایک دروازہ بند ہوتا تھا فوجی ہم سے کہتے تھے کہ یہ دروازہ کھولو تاکہ ہم یہاں سے بھاگ جائیں کیونکہ سامنے والے دروازے سے نکلنے کی ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ان بزدلوں کو اس وقت جان کے لالے پڑے ہوئے تھے ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ توڑ کر نکل جاؤ کیونکہ ہم بھی ان وحشی درندوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھیں مجاہدین سب سے نیچے والی منزل پر جہاں ہم لوگ تھیں پہنچ گئے تھے اور فوجی بھی پیچھے ہٹتے چلے گئے لیکن گیلری میں بلب جل رہا تھا جو مصیبت کا باعث بنا چونکہ مکان کا مین دروازہ پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا جو فوجی باہر صحن میں تھے اندھیرے کی وجہ سے وہ مجاہدین کی نظروں سے اوجھل تھے لیکن انہیں مجاہد صاف نظر آ رہے تھے شفیع بھائی کو فوجیوں نے ڈھال بنا رکھا تھا ان کے کہنے کے مطابق جو فوجی مکان کے اندر تھے مجاہدین کی شدید فائرنگ سے وہ باہر کی طرف بھاگ رہے تھے صحن میں جس فوجی نے انہیں یرغمال بنا رکھا تھا اس لعین نے مجاہدین کو نیچے آتے

ہوئے دیکھ لیا اور فائرنگ شروع کردی۔ راشد بھائی کو اسی وقت فائر لگا تقریباً دس منٹ تک فائرنگ جاری رہی اس کے بعد فائرنگ رک گئی بھارتی فوجی زخمیوں اور لاشوں کو باہر نکالنے لگے ان کے باہر جانے کے بعد ایک دم سناٹا چھا گیا مکان سے گردوغبار اٹھ رہا ہے اور بجلی بھی کٹ گئی تھی ہر طرف خوف ودہشت کے مہیب سائے چھارہے تھے تھوڑی دیر بعد باہر کسی کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں ہم نے اپنے حواس بحال کئے اور آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ شفیع بھائی صحن میں خون میں لت پت پڑے تھے وہ بار بار پانی مانگ رہے تھے لیکن اس وقت پانی نایاب ہو چکا تھا کیونکہ سارا گھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا مکان کی کھڑکیوں سے گرد وغبار اور دھواں نکل رہا تھا مجھے جہادی کا کچھ پتہ نہ تھا میں نے انہیں تلاش کرنے کے لئے مکان کے اندر جا کر انہیں تلاش کرنے کا فیصلہ کیا شبنم دیدی نے مجھے کہا اپنی عزت کو خطرے میں مت ڈالو نہ جانے اندر کتنے فوجی چھپے ہوئے ہونگے اندھیرے میں آپ کو کیا پتہ چلے گا مجھے اس وقت کسی خطرے کی پرواہ نہ تھی فکر تھی تو صرف اپنے سرتاج کی میں ان سے ملنا چاہتی تھی اور ان کے ساتھ جان دے کر سرخرو ہونا چاہتی تھی شفیع بھائی نے مجھے کہا میں نے سلیم بھائی (غازی بابا) کو نیچے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا شاید وہ پچھلے دروازے سے نکل گئے ہوں میں نے کہا میں اندر جا کر اس بات کا اطمینان کرنا چاہتی ہوں اگر وہ نکل گئے ہونگے تو پھر مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی میں نے سیرت فاطمہ کو شازیہ کے حوالے کیا وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ اس نے اپنی ننھی منی بانہوں میں مجھے جکڑ رکھا تھا میں نے بڑی مشکل سے اس کو خود سے الگ کر دیا مجھ سے الگ ہوتے ہی اس کی چیخیں نکل گئیں رات کے سناٹے میں اس کی ماں ماں کی صدائیں دور دور تک سنائی دے رہی تھیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کے بابا نے اس کی یہ مظلوم صدائیں سن لی ہونگی میں آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر ان کے نام کی صدائیں لئے اس تباہ حال مکان میں داخل ہوئی جو کچھ دیر قبل ایک ہنستا بستا گھر تھا جگہ جگہ ملبہ پڑا ہوا تھا پہلی منزل کی گیلری میں میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تو میں بری طرح اچھل پڑی جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ میرے پیارے اور محترم بھائی راشد کی لاش تھی ان کے سر میں گولی لگی تھی اور وہ شہید ہوگئے تھے میرے بھائی جب مجھے آپ کا وہ لہو میں بھیگا لاشہ یاد آتا ہے تو میرے دل پر ایک

قیامت گذر جاتی ہے میں اپنے دل کی تسلی کے لئے آپ کو پانی کا ایک گھونٹ پلانا چاہتی تھی لیکن اس قیامت خیز رات میں سب لوگ پانی کے گھونٹ کے لئے ترس رہے تھے۔

ہم راشد بھائی کی بہت عزت کرتے تھے اس وقت میرا بھائی خاک وخون میں پڑا ہوا تھا اور میں ان کی لاش سے گذر کر آگے بڑھنے کے لئے مجبور تھی کیونکہ راہ جہاد میں اکثر ایسے موڑ آتے ہیں کہ انسان کو اپنے پیاروں کی لاشیں چھوڑ کر آگے بڑھنا پڑتا ہے وہاں سے میں دوسری منزل کی طرف گئی لکڑی کی بنی ہوئی سیڑھی پر جگہ جگہ خون لگا ہوا تھا اور میرے پاؤں خون آلود ہو رہے تھے وہ یقیناً بھارتی فوجیوں کا گندہ خون تھا میں جہادی کو آوازیں دے رہی تھی اور کشمیری زبان میں ان کو بلا رہی تھی اردو بھارتی فوجی سمجھتے ہیں اس لئے اردو نہیں بولی میں انہیں کہہ رہی تھی آپ کہاں ہیں آؤ ہم یہاں سے نکل جائیں مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جانا مجھے اپنے ساتھ ہی رکھ لیں میں نے ہر کمرے کے دروازے پر جا کر یہ صدائیں دیں مجھے پورا یقین تھا کہ جہادی میری آواز سن کر میرے پاس آئیں گے اگر وہ اندر موجود ہوئے تو مجھے ضرور اپنے ساتھ رکھیں گے میں تیسری منزل میں گئی تیسری منزل پر صرف وہی ایک بڑا اور ہال نما کمرہ تھا جس کے اندر ہائیڈ تھی وہاں پر زیادہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی چاندکی مدہم روشنی میں وہ کمرہ ہولناک مناظر پیش کر رہا تھا پہلے میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ پا کر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ ہائیڈ کے اندر تو نہیں ہونگے یا زخمی یا شہید تو نہیں ہیں اس لئے مجھے جواب نہیں دے رہے ہیں میں اکیلی بھی تھی اور میرے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا ان حالات میں خوفزدہ ہونا فطری بات تھی میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور میں دبے پاؤں ہائیڈ کی طرف بڑھ رہی تھی گرنیڈ دھماکوں سے کمرے کی چھت میں بڑے بڑے سوراخ ہو گئے تھے میرا پاؤں ایک سوراخ میں پھنس گیا تو خوف سے مجھے جھرجھری آئی لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور آگے بڑھی ہائیڈ کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا میں سر اندر کی طرف کئے کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی ساتھ ساتھ انہیں بلا بھی رہی تھی اتنے میں شبنم دیدی میرے پیچھے اوپر آ گئی انہیں کہیں سے ماچس مل گئی تھی انہوں نے ماچس کی تیلی جلائی کمرے میں روشنی پھیلی تو ان کی چیخ نکل گئی اور مجھے بھاگنے کا کہا میں نے مڑ کر دیکھا دو فوجی کسی کونے سے نکل کر دبے پاؤں میری طرف بڑھ رہے تھے ان پر نظر پڑتے

ہی میں بھاگ کر نیچے آ گئی گھر والوں نے مجھے کہا آپ خود کو خطرے میں مت ڈالو وہ نکل گئے ہونگے ورنہ آپ کو ضرور مل جاتے اب میرا دل بھی کچھ مطمئن ہونے لگا کیونکہ راشد بھائی جہاں شہید ہوئے تھے اس کے ساتھ ہی گیلری کا دروازہ تھا جو پچھلی گلی میں کھلتا تھا وہ دروازہ نصف سے زیادہ تھا جیسے کوئی اس پر گرنیڈ مار کر وہاں سے نکل گیا ہو رات کا اندھیرا ایسے موقع پر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے اور جہادی تو اس سے بھی بڑے معرکوں سے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے تھے یہ سوچ کر مجھے اس بات کی امید بندھ گئی کہ وہ اس دروازے سے نکل گئے ہونگے۔

انڈین آرمی نے رات کو ہی پورے علاقے کا گھیراؤ کر دیا تھا اور اونچے اونچے مکانات میں مورچے سنبھال لئے تھے۔صبح کی ہلکی ہلکی روشنی نمودار ہوتے ہی انہوں نے سامنے والے گھر کی کھڑکی سے ہمیں باہر آنے کا کہہ دیا بزدل فوجیوں کو جھڑپ کے بعد مکان کے صحن میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی جو دو فوجی اوپر کمرے میں پھنس گئے تھے انہیں بھی دن کے وقت رسیوں کے ذریعے نیچے اتارا گیا میرے پاس باہر نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا مجھے اگر وہاں جہادی کی موجودگی کا یقین ہوتا تو میں ہرگز وہاں سے باہر نہ نکلتی اس کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا میرا اسلحہ ہائیڈ والے کمرے میں ہی تھا۔راشد بھائی شہیدؒ کی وجہ سے میں نیچے آ گئی تھی ورنہ اگر میں اوپر ہی ہوتی تو شاید جدائی میرا مقدر نہ بنتی گیٹ سے باہر آتے ہی بھارتی فوجیوں نے ہمیں گرفتار کر لیا۔شفیع بھائی اندر ہی پڑے ہوئے تھے فوجیوں نے ہمیں کہا اس کو خود ہی اٹھا کر لاؤ کیونکہ انہیں مکان کے ہر کونے میں موت نظر آ رہی تھی ہم بڑی مشکل سے انہیں باہر لائے اور وہ تکلیف کی شدت سے تڑپتے رہے وہاں سے فوجیوں نے انہیں گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئے شبنم باجی ان کے ساتھ ہی چلی گئی وہ دونوں زیر حراست ہی تھے پیچھے میں اور شبنم دیدی کی چار بیٹیاں رہ گئیں فوجی ہمیں سامنے والے مکان میں لے گئے ابھی ہم کمرے میں داخل نہیں ہوئے تھے اتنے میں مذکورہ بالا مکان سے گولیوں کا ایک برسٹ آیا۔میرا دل دہل گیا کیونکہ راشد بھائی شہیدؒ کی نعش میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اندر ان دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا پھر فائر کرنے والا کون ہے جو فوجی ہمیں ہانک کر لے جا رہے تھے وہ فوراً زمین پر لیٹ گئے لیکن میں بچی کو سینے سے لگائے بدستور کھڑی تھی اور اس مکان کی کھڑکی کی

طرف دیکھ رہی تھی میرے پاؤں گویا زمین میں دھنس گئے تھے جب فائر رکا تو فوجیوں نے ہمیں اندر دھکیل دیا تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے دوبارہ فائرنگ شروع ہوئی اب میرا شک یقین میں بدل گیا کہ جہادی اندر موجود ہیں اس وقت مجھ پر کیا گزری اس کیفیت کو بیان کرنے کی طاقت میرے قلم میں کہاں ہے۔ میرا جہادی مجھ سے جدا ہو رہا تھا یہ تصور میرے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا میری ہر سانس اللہ سے ان کی زندگی مانگ رہی تھی ہمارے اوپر ایک درندہ صفت فوجی مسلط تھا وہ ہم پر بہت تشدد کر رہا تھا اور مسلسل یہ سوال کر رہا تھا کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا کہ اوپر کوئی نہیں ہے تمہاری وجہ سے ہمارے چھ آدمی مارے گئے ان مرداروں میں ایک بی ایس ایف کا افسر بھی شامل تھا اور یہ لعین فوجی کرن نگر کیمپ کے تھے اس ظالم نے میرے سر میں بہت زور سے گن کا بٹ مارا اس وقت مجھے کچھ محسوس نہ ہوا کیونکہ جہادی کا غم سب غموں پر حاوی تھا لیکن بعد میں کافی عرصہ میرے سر میں درد رہا شدت غم سے میرا گلہ تک خشک ہو گیا میری نظر ایک چھوٹے بچے پر پڑی میں نے اس سے پانی مانگا اس نے جلدی سے پانی لا کر میرے سامنے رکھا اتنے میں اس کافر کی نظر پڑی اس نے گن سے پانی کا گلاس دور پھینکا اور اس کو سختی سے کہا خبردار جو کسی نے ان کو پانی دیا۔

یہ اس بوڑھی اماں کا گھر تھا جس کو ہم کھڑکی سے دیکھتے رہتے تھے۔ دیوار والی گھڑی پر 11:30 منٹ ہو رہے تھے یہ ہفتے کا دن تھا اور مجھے پچھلے ہفتے والا دن یاد آ رہا تھا ٹھیک اس وقت ہم راضیہ کدل میں ماں جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آج میں بے یار و مددگار مقتل میں کھڑی ہوں میں سوچ رہی تھی کہ اپنے مجاہد تک کس طرح پہنچوں بچی کو پیشاب کرانے کے بہانے میں باتھ روم میں چلی گئی روشن دان سے وہ گھر بالکل سامنے نظر آ رہا تھا جس میں میرا مجاہد اکیلا ہزاروں ہندی فوجیوں سے زندگی کا آخری معرکہ لڑ رہا تھا میں اشکبار آنکھوں سے اس گھر کو دیکھ رہی تھی دل کر رہا تھا اڑ کر اس مکان کے اندر جاؤں لیکن وہاں اس قدر فوج تھی کہ صحیح معنوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اگر میں مزاحمت کر کے ادھر جانے کی کوشش کرتی تو دو قدم چلنے کے بعد ہی وہ مجھے دبوچ لیتے اور میری حقیقت ان پر عیاں ہو جاتی میں واش روم سے واپس آئی اتنے میں بی ایس ایف کا سی او ہمارے پاس آیا ایک فوجی نے اس کو کہا سر ان کے گھر میں

اگروادی ہیں انہوں نے ہم سے جھوٹ بولا انہی کی وجہ سے ہمارے آدمی مارے گئے افسر ہمیں خونخوار نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا تمہاری گود میں بچہ نہ ہوتا تو میں تم کو گولیوں سے چھلنی کر دیتا سی او نے ہمیں عبرتناک انجام کی دھمکی دی اور فوجی سے کہا ان کو بارودی سرنگ دے کر مکان کے اندر بھیج دو تاکہ یہ مائن اگروادی کے پاس رکھ دیں یہ سن کر مجھے امید کی کرن نظر آئی میں دعاء کر رہی تھی کہ کسی طرح مجھے ان کے پاس جانے کا موقع ملے میں نے اس مشرک سے کہا ٹھیک ہے ہم مائن رکھ دیں گے۔

سی او نے فوجی سے کہا ٹھیک ہے اس کو مائن دے کر اندر بھیج دو یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا میں نے طاہرہ (شبنم دیدی کی بیٹی) سے کہا آپ میرے ساتھ جانے کے لئے تیار رہنا کیونکہ یہ ہم دونوں کو ہی بھیجیں گے وہاں سے آپ سیرت فاطمہ کو لے کر باہر آ جانا میں ادھر ہی رہوں گی اس کی گود میں بیس دن کا بچہ ارسلان تھا طاہرہ نے مجھے کہا ارسلان کو کدھر چھوڑوں؟ ادھر ہم یہ باتیں کر رہی تھیں اسی وقت غازی بابا نے مکان سے باہر آ کر دشمن پر فیصلہ کن حملہ کر دیا ایک مجاہد کی یلغار پر ہزاروں بزدل فوجی اتنے بوکھلا گئے کہ جو جہاں پر تھا وہیں سے فائرنگ شروع کر دی سرینگر میدان جنگ بن گیا تھا چاروں طرف سے گولیوں اور گولوں کی بارش ہو رہی تھی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ کر ہمارے اوپر گر رہے تھے اور ہم بچوں کو بچانے کے لئے ان پر ڈھال بن رہی تھیں میرے لئے وہ انتہائی بے بسی کے لمحات تھے میری زندگی کی بہاریں روٹھ کر جا رہی تھیں میرے جہادی کی مسکراہٹیں مجھ سے جدا ہو رہی تھیں ان کا خوبصورت چہرہ خون میں لت پت میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے یا اللہ یہ کیسی آزمائش، کیسی بے بسی ہے کہ میں ان کے اتنے قریب ہو کر ان کے پاس جا نہیں سکتی ان کا سر گود میں رکھ کر ان کا غبار آلود چہرہ صاف نہیں کر سکتی جہادی میرے سرتاج میرے اور تمہارے درمیان ہزاروں ہندو درندے حائل تھے مجھے عزت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ہر حد سے گذر جاتی مجھے ساری زندگی اس بات کا ملال رہے گا کہ میں تمہارے قدموں پر سر رکھ کر جان نہیں دے سکی۔

غازی بابا نے شیروں کی طرح زندگی کا آخری معرکہ لڑا اور سینے پر گولیاں کھا کر ہمیشہ کے

لئے امر ہو گیا مجھے یاد ہے ایک میجر پسینہ صاف کرتے ہوا اندر آیا اور دوسرے افسر سے بولا مار دیا......کو...... نے مرتے مرتے بھی گرنیڈ پھینکا دوسرا فوجی بولا گرنیڈ پھٹ گیا تھا اس نے جواب دیا ہاں اس میں بلبیر سنگھ ہلاک ہو گیا یوں 30 اگست بروز ہفتہ، غزوہ ہند کا شہباز جرنیل حوروں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں عرش بریں کی طرف پرواز کر گیا جہادی افق پر ایک طویل مدت چمکنے والا یہ درخشندہ ستارہ بالآخر ٹوٹ گیا گولیوں کی بارش میں مسکرانے اور گنگنانے والا جہادی ہندوستان کی سات لاکھ فوج کی نیندیں حرام کرنے والا غازی بابا ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

ثابت ہوئی میرے ارمانوں کی قتل گاہ
ٹھہری تھی جہاں کوچۂ جاناں سمجھ کر

شام پانچ بجے کے قریب ہمیں مسلح فوجیوں کے نرغے میں پیدل اور ننگے پاؤں صفا کدل کیمپ میں لے جایا گیا یہ جھڑپ ٹی وی پر براہ راست دکھائی جا رہی تھی اور غازی بابا کی شہادت کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی لوگ گھروں سے سڑکوں پر نکل آئے تھے بہشت شہداء میں لوگوں کا جم غفیر اپنے اس محسن کا آخری دیدار کرنے کے لئے منتظر کھڑا تھا اور مجھے اپنے سرتاج کا آخری دیدار بھی نصیب نہیں ہوا۔ صفا کدل کیمپ میں ہمیں ہر کوئی گھور گھور کر دیکھ رہا تھا کہ یہ لوگ غازی بابا شہید کے کیس میں ملوث ہیں وہاں پر کچھ کشمیر پولیس کے آدمی بھی تھے مسلمان ہونے کے ناطے انہیں ہمارے ساتھ ہمدردی ہو رہی تھی وہ ہمارے لئے چائے لائے اور ایک پولیس والے نے مجھے چپل بھی لا کر دیئے ہم نے دن رات سے پانی کا گھونٹ تک نہیں پیا تھا زبان تالو کے ساتھ چپک گئی تھی پولیس والے ہمیں چائے پینے پر مجبور کر رہے تھے مجھے اچانک خیال آیا کہ کہیں انہوں نے چائے میں کچھ ملا نہ دیا ہو بے شک وہ مسلمان تھے لیکن اس وقت ہم کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے تھے موقع پا کر ہم نے چائے گرا دی اور خالی کپ واپس کر دیئے میرے اور طاہرہ کے اوپر انہیں شک تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی غازی بابا کی بیوی ہے انہوں نے ہم دونوں کو الگ رکھا شازیہ کے ساتھ 7 سالہ شمع اور 9 سالہ شبو کو رکھا گیا ہم ان دونوں بچیوں کے حوالے سے فکر مند تھے کہ وہ کچھ بتا نہ دیں طاہرہ اور شازیہ نے مجھے کہا کہ ہم ہر صورت میں اس

بیان پر قائم رہیں گی کہ آپ ہماری کزن ہیں رات کے نو بجے ہمارے پاس ایک افسر آیا اور ہم دونوں سے سوال کیا آپ دونوں میں سے غازی بابا کی بیوی کون ہے؟ ہم نے کہا ہم غازی بابا کو جانتے ہی نہیں ہیں اس وقت اپنی عزت بچانے کے لئے مجھے ان کے ساتھ اپنا تعلق مخفی رکھنا پڑا اور ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا بلکہ اس طرح سے میرے اوپر بہت سختی کرتے اور میری ساری زندگی جیل ہی میں گذرتی۔

افسر کو مجھ پر پورا شک تھا وہ بار بار مجھ سے سوال کر رہا تھا پھر مجھے کمرے سے باہر لایا اور باہر کھڑے ہو کر فاطمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا لڑکا ہے یا لڑکی؟ لڑکی ہے میں نے جواب دیا ایک ہی بچہ ہے تمہارا؟ جی ہاں کیا ملاتم کو ملی ٹینٹ سے شادی کر کے؟ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے میری شادی سوپور میں ہوئی ہے۔

افسر نے غصے میں کہا بکواس بند کرو میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا پھر تم سچ سچ بتاؤ گی میں سچ کہہ رہی ہوں میں ان لوگوں کو نہیں جانتی میں نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو روکا ہوا تھا تاکہ اس کو کوئی شک نہ پڑے وہ مکاری سے بولا اگر میں تمہیں کوئی ایسا ثبوت دکھاؤں جس سے یہ بات سچ ثابت ہو رہی ہو پھر تم کیا کرو گی؟ میں خاموش ہو گئی کیونکہ ادھر میری کافی چیزیں پڑی ہوئی تھیں انہیں ہائیڈ سے میرے حلف نامے کے علاوہ کئی دوسرے شواہد بھی ملے تھے اس انکشاف نے میری کمر ہی توڑ کر رکھ دی تھی اس نے مجھ سے کئی سوال کئے لیکن میرے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا، اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل وکرم تھا وہ پولیس افسر ایک کشمیری مسلمان تھا اس نے بات کو ادھر ہی ختم کر دیا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو میری رہائی ناممکن تھی رات کو وہ ہمیں رام باغ پولیس اسٹیشن لے گئے اور لیڈی پولیس سے کہا ان کے ناخن نکال کر ان سے راز اگلوا لو انہوں نے سرسری سی پوچھ تاچھ کے بعد ہمیں لاک اپ میں بند کر دیا وہ گندی اور تاریک کوٹھڑی تھی ہم نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو میلے اور پھٹے ہوئے سلیپنگ بیگوں میں لٹا دیا مچھر ان کی نرم وملائم جلد پر کاٹتے تو وہ تڑپنے لگتے تھے دن بھر سے صرف اس وقت تنہائی میسر آئی تھی تمام دن میں اپنے آنسو پیتی رہی تاکہ میری بے قراری دیکھ کر کافروں کو مجھ پر شک نہ پڑے اس وقت آنسوؤں کا

بند کھل گیا طاہرہ اور شازیہ میرے غم میں شریک تھیں۔

پہریدار کے علاوہ جیل کے تمام لوگ سو گئے آدھی رات کا وقت تھا۔ مجھے نیند کیسے آتی دل غم سے پھٹا جا رہا تھا آنکھوں سے آنسو رواں تھے لیکن لب خاموش تھے اللہ رب العزت نے مجھے صبر عطاء کر کے میرے اجر و ثواب کو محفوظ رکھا، میں سلاخوں کے ساتھ کھڑی آسمان کے ستاروں کو جھانک رہی تھی اور اپنے رب سے مدد اور نصرت کا سوال کر رہی تھی پھر میں نے اپنے رب کو پکارا اے زمین و آسمان کے مالک ہمیں اسلام اور جہاد سے محبت کے جرم میں قید کر لیا گیا ہے میری عزت کا محافظ میرا سرتاج بھی تیری راہ میں جان قربان کر گیا ہے اے مالک کائنات تو نے مجاہدین سے جو نصرت کا وعدہ کیا ہے آج وہ وعدہ پورا فرما ہماری عزت کی حفاظت فرما اور ہمیں اس قید سے رہائی عطاء فرما یہ دعاء مانگتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر میرے دل میں ڈھیروں سکون اتر رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ میں اپنے اللہ کے بہت قریب ہوں اور میرا رب میری ایک ایک فریاد سن رہا ہے اور بلاشبہ دل سے مانگی ہوئی دعاء کبھی رد نہیں ہوتی آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے میں ان تاروں میں اپنے شہیدوں کو تلاش کر رہی تھی میرے دماغ میں جہادی شہیدؒ کے کہے ہوئے یہ الفاظ طلاطم مچا رہے تھے سعدیہ! خدانخواستہ تم کبھی گرفتار ہوئی تو میں آپ کو ایک گھنٹہ بھی دشمن کی قید میں نہیں رہنے دوں گا میں بارود سے بھرا ہوا ٹرک لے کر اس کیمپ کو اڑا دوں گا یا آپ کو آزاد کراؤں گا یا ہم دونوں شہید ہونگے ان کی یہ باتیں یاد آئیں تو دل نے انہیں پکارا جہادی! آج آپ کی سعدیہ کافروں کے نرغے میں ہے صبح سے شام بھی ہو گئی اور آپ نہیں آئے آ کے مجھے ان ظالموں سے چھڑا لو میں کیسے مانوں کہ آپ دنیا سے چلے گئے ہیں آپ تو ہر بار موت کو شکست دیتے تھے میرا دل کہتا ہے کہ آپ آئیں گے فضاؤں میں اور ہواؤں میں کلاشنکوف لہراتے ہوئے بھارتی فوجیوں کو چیرتے ہوئے مجھ تک پہنچیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے میری حالت بہت خراب ہو رہی تھی کلیجہ پھٹ رہا تھا اتنے میں وہاں سے ایک پہریدار گذرا اور مجھ سے بولا جاؤ جا کر سو جاؤ نہ جانے صبح تم لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا ہمیں بھی ان وحشی درندوں سے کسی اچھائی کی توقع نہ تھی لیکن ہم اپنے اللہ کی نصرت اور رحمت

سے مایوس نہیں تھیں دوسرے دن ہمیں کشمیر کے بدنام زمانہ انٹروگیشن سنٹر Air Cargo لے جایا گیا ایک لیڈی پولیس اہلکار جو سکھ تھی ہمارے ساتھ ہی تھی اس کا نام انیتا کور تھا کارگو ایس ٹی ایف والوں کا انٹروگیشن سنٹر ہے وہ بہت بری جگہ ہے وہاں جاتے ہوئے ہم بہت زیادہ خوفزدہ تھیں میں نے انیتا کور سے کہا کہ پوچھ تاچھ کے دوران آپ ہمارے ساتھ رہنا ہمیں ان کے پاس اکیلا مت چھوڑنا آپ بھی ایک عورت ذات ہو انسانیت کے ناطے ہماری اتنی مدد ضرور کرنا اس نے مجھے یقین دلایا کہ ہمیں اکیلا نہیں چھوڑے گی جب گاڑی سے اترے تو ایس ٹی ایف کے اہلکار ہمارے اردگرد جمع ہو گئے پھر ہمیں بلڈنگ کے اندر ایک گیلری میں بٹھا دیا گیا۔ اس وقت وہاں غازی بابا شہید کے حوالے سے میٹنگ ہو رہی تھی اور ایس ٹی ایف کے افسران میڈیا کو بریفنگ دے رہے تھے ہم اس کمرے کے دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے غازی بابا شہیدؒ کا نام ہر طرف گونج رہا تھا ان کی شہادت ہندوستان کے لئے بہت بڑی فتح تھی ہندوستان میں دو دن جشن منایا گیا اور بی ایس ایف کے افسر کو ترقی دے کر ڈی آئی جی بنا دیا گیا گیلری سے گذرنے والا ہر فوجی ہمیں دھمکیاں دے جاتا تھا ہم دل ہی دل میں اللہ پاک سے مدد مانگ رہی تھیں شازیہ کو سب سے پہلے بلایا گیا اس کے بعد شبو اور شمع کو مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہوں نے کیا بیان دیا ہے وہ ایک بڑا کمرہ تھا ایس پی جالا جو ایک متعصب ہندو تھا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا دائیں بائیں اس کے دو مسلح گارڈ کھڑے تھے میں اس کے سامنے فرش پر بیٹھی اور مجھے اپنا دم سینے میں گھٹتا محسوس ہو رہا تھا مکار جالا نے شبو کو گود میں اٹھا رکھا تھا اس کو بڑے پیار سے سو روپے کا نوٹ دیتے ہوئے کہا کہ آپ اس کی چاکلیٹ کھانا بچی نے پہلے انکار کیا لیکن پھر اس کے اصرار کے بعد لے لیا۔ جالا نے اس سے پوچھا اچھا تو بیٹا وہ انکل (مجاہد) آپ کے گھر میں آتے تھے تو آپ کے لئے چاکلیٹ لاتے تھے؟ میرا دل ڈوبنے لگا کہ اگر اس مکار نے اسی انداز میں میرے حوالے سے سوال کیا تو بچی صاف بتا دے گی اس کے سوال کا جواب دینے سے پہلے شبو نے میری طرف دیکھا میں اس کو مسلسل دیکھ رہی تھی جالا کی نظر پڑی تو اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اخبار میرے اوپر پھینکی اور غصے سے بولا تم اس کو بتانے سے منع کرتی ہو ہمیں معلوم ہے کہ

اس گھر میں ہائیڈ تھی اور وہاں ایک عرصے سے ملی ٹینٹ رہتے تھے پھر اس نے مجھ سے پوچھ تاچھ شروع کر دی مثلاً آپ کون ہیں؟ ادھر کب آئی؟ ملی ٹینٹ کس وقت آئے وغیرہ میں اس بات پر ڈٹی رہی کہ میں سوپور میں رہتی ہوں یہاں ملنے کے لئے آئی تھی اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے مجھے یہ سوچ عطاء فرمائی کہ میں نے ان کے سامنے بالکل اردو نہیں بولی اور خود کو ان پڑھ گنوار ظاہر کیا وہ چونکہ اردو بولتے تھے میرے ساتھ بات کر کے ان کا دماغ خراب ہو جاتا تھا شام کو ہمیں واپس رام باغ بھیجا گیا اگلے دن کوٹھڑی کا دروازہ بند رہا سیرت فاطمہ اس وقت ایک سال چار ماہ کی تھی وہ خوشی اور غم کے احساس سے نا آشنا تھی اس کوٹھڑی میں اس کا ننھا سا دل فوراً گھبرا جاتا تھا اور وہ سلاخوں سے پاؤں باہر نکال کر روتی رہتی تھی ایک پہریدار نے ترس کھا کر دروازہ کھولا وہ باہر نکلی تو فوراً روتے روتے واپس آ گئی اس کے نازک پیروں میں کنکریاں چبھ گئی تھیں اس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے بلکہ ہمارے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں بچا تھا اس دن ہمیں کھانا نہیں ملا ساتھ والی کوٹھڑی میں انڈیا کی کوئی عورت بند تھی اس کو کھانا کھاتے دیکھ کر غازی بابا کی لاڈلی بیٹی زار و قطار رونے لگی اس کا فیڈر بھی ادھر رہ گیا تھا ہم سب رو رہے تھے میں نے اس کو سینے سے لگا کر کہا میری جان! آج ہم اللہ کے مہمان ہیں اللہ ہی ہمیں سب کچھ دے گا یہ باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں وہ مسلسل ضد کئے جا رہی تھی۔

دوپہر کے بعد شبنم دیدی ہسپتال سے پہلی مرتبہ ہمارے پاس آئی بچوں نے ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا امی بھوک لگی ہے کھانا لا کر دیں انہوں نے جیل حکام کے قدموں میں اپنی چادر ڈال دی اور ان سے کہا انہیں بھوکا مت مارو میرا گھر تو زمین بوس کر دیا گیا میں ان کے لئے کہاں سے کھانا لاؤں انہوں نے مجھے گلے سے لگایا اور میں نے روتے ہوئے ان سے سوال کیا دیدی کیا یہ سچ ہے؟ وہ بھی صبر و ضبط کھو بیٹھی اور بولیں ہاں میری جان یہ سچ ہے میں نے اخبار میں ان کی تصویر بھی دیکھی ہے میں سوچ رہی تھی کہ رہا ہوتے ہی میں کسی کیمپ پر فدائی حملہ کروں گی اور غازی بابا شہیدؒ سے جا ملوں گی اس وقت میں نے ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور نہ یہ کہ مجھے ان کے بغیر زندگی کا کٹھن اور طویل سفر طے کرنا ہوگا۔

دیدی ہماری رہائی کے حوالے سے مسلسل کوشش کر رہی تھی طاہرہ کا بیٹا سخت بیمار ہو گیا تھا اس لئے اس کو رہا کر دیا گیا بچیوں کو بھی ماں کے حوالے کر دیا گیا تھا اب صرف میں اور شازیہ رہ گئی پانچویں روز وہ ہمیں صفاکدل لے گئے وہ پولیس افسر ادھر ہی تھا جس نے مجھے کہا تھا کہ میرے پاس آپ کا ثبوت موجود ہے وہ ہمارے لئے چائے اور ڈبل روٹی لے آیا اور اپنے سامنے پینے کے لئے مجبور کرنے لگا وہ بولا مسلمان ہونے کے ناطے مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ میرے اوپر اعتبار کر لو واقعی وہ قابل اعتبار تھا اگر وہ ثبوت اس نے آگے والوں کو دیئے ہوتے تو میرے لئے بہت مشکل بن جاتی ادھر بھی مختلف افسروں نے ہم سے بیان لیا اور ہمارا بیان لکھتے گئے وہی باتیں جو چار دنوں سے مسلسل ہم سے پوچھی جا رہی تھیں ادھر بھی پوچھی گئیں انہوں نے ہمیں بہت ڈرایا دھمکایا اور کہا اگر تم لوگ ویسے نہیں بتاتیں تو ہم مجبوراً تمہارے اوپر تشدد کریں گے تمہارے ناخن نکالیں گے اس قسم کی انہوں نے بہت دھمکیاں دیں ہم نے کہا آپ کچھ بھی کر لیں ہم وہی کہیں گے جو سچ ہے اور ہم نے جو کچھ آپ کو بتا دیا وہ سچ ہے۔

دوپہر کے وقت میں بچی کو باتھ روم سے لے کر آ رہی تھی میری نظر گیلری میں رکھے ہوئے ایک بڑے شاپر پر پڑی اس کے اندر انسانی جسم کے ٹکڑے تھے جن پر سفید رنگ کی کوئی پٹیاں سی چڑھائی ہوئی تھیں اس کے باوجود ان ٹکڑوں سے خون رس رہا تھا یہ منظر دیکھ کر میرے سر سے پاؤں تک جیسے بجلی دوڑ گئی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور شازیہ سے کہا یہ کس کی لاش ہے؟ شازیہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولی دیدی اندر چلیں ناں یہ پارم پورہ میں کوئی بارودی سرنگ پھٹنے سے شہید ہوا ہے، اس دن پارم پورہ میں جھڑپ ہو گئی تھی نہ جانے مجھے اس کی بات پر یقین سا کیوں آ گیا۔ دو بجے ہمیں پھر پوچھ تاچھ کے لئے ''خانیار'' تھانے میں لے جایا جا رہا تھا جس گاڑی میں مجھے سوار کیا گیا وہ گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی میں نے شازیہ سے پوچھا آپ کو خوشبو آ رہی ہے؟ وہ بولی میں بھی آپ سے یہی کہنے والی تھی کتنی پیاری خوشبو ہے یہ میرے شہید کی پہلی کرامت تھی جو ہم نے جاگتے دماغ اور کھلی آنکھوں سے دیکھی گاڑی میں بھی وہ لوگ ہم سے یہی ایک سوال پوچھ رہے تھے کہ تم دونوں میں سے غازی بابا کی بیوی کون ہے سچ

بتادو اس طرح سے ایک کی جان چھوٹ جائے گی ورنہ تم دونوں کو ہی جیل جانا پڑے گا ہم خاموش رہے کیونکہ یہ سوال سن کر ہمارے کان تھک گئے تھے جب ہم خانیار جارہے تھے تو تمام راستہ میں سوچ رہی تھی کہ کاش! کہیں سے مجاہدین اس گاڑی پر حملہ کر دیں اور ہم اس قید سے آزاد ہو جائیں یا پھر زندگی کی قید سے ہی رہائی مل جائے میں اکثر یہ سوچتی تھی کہ کاش! یہ گاڑی مائن بلاسٹ سے تباہ ہو جائے اور میں ٹکڑوں میں بکھر کر جنت میں پہنچ جاؤں۔

جب ہم گاڑی سے اترے تو ایک فوجی نے اس کے اندر سے وہ شاپر بھی نکالا پھر ہم سمجھ گئے کہ یہ خوشبو اس شہید سے آرہی ہے انہوں نے مجھے ایک بینچ پر بٹھا کر وہ شاپر میرے پیروں کے قریب رکھ دیا ایک فوجی نے اداکاری دکھاتے ہوئے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور بولا ارے اس غازی بابا کو دور کرو مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ یہ ہمیں اٹھ کر مار نہ دے اس کی بات سن کر میں لرز گئی کہ کیا یہ میرا غازی بابا ہے میں گھبرا کر کھڑی ہوئی قریب تھا کہ میں جہادی کے جسم کے ٹکڑوں سے لپٹ کر روؤں انہیں آنکھوں سے لگاؤں پھر ان ظالموں سے کہوں کیوں اے ظالمو تم کیا سمجھتے ہو کہ غازی بابا کے جسم کے ٹکڑے کر کے تم نے ان سے انتقام لے لیا اور تم کیا سمجھتے ہو اس درندگی کا مظاہرہ کر کے تم جیت گئے ہو نہیں ایسا نہیں ہے یہ تمہاری بھول ہے تم کل بھی خسارے میں تھے اور آج بھی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکے، غازی بابا تو دعائیں مانگا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے ٹکڑوں میں اٹھائے اللہ رب العزت نے ان کی دلی خواہش پوری کر دی میرا غازی تو جیت گیا وہ مر کر بھی مرا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید ہو گیا اللہ پاک نے مجھے اس دلدوز سانحے پر صبر و استقامت سے نوازا ورنہ یہ ایسا غم تھا جو اگر پہاڑوں پر ڈالا جاتا وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے میرا ہمسفر میرا سرتاج میرے سامنے ٹکڑوں میں پڑا ہوا تھا ان ٹکڑوں سے رستا ہوا خون ان کی عظمت و قربانی کی داستان تحریر کر رہا تھا میں ان ظالموں کے سامنے اپنے آنسو اندر ہی اندر اپنے دل میں اتار لیتی تھی لیکن اس وقت ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے میں تصور میں ان سے مخاطب تھی اور کہہ رہی تھی جہادی! میرے سرتاج! آپ کو سید الشہداء حضرت حمزہؓ جیسی شہادت مبارک ہو آپ نے تو میرے ساتھ جینے اور مرنے کا وعدہ کیا تھا پھر مجھے اکیلا کیوں چھوڑا؟ یہ تو بتاؤ آپ اس وقت کہاں تھے جب میں اس شب ظلمت میں

آپ کو تلاش کرتی پھر رہی تھی؟ کیا آپ نے میری صدائیں نہیں سنی؟ یا سیرت فاطمہ کے لئے خاموشی اختیار کی تھی مجھے ایک بار مل تو لیتے پھر جو آپ کہتے میں وہی کرتی لیکن آپ کہاں تھے مجھے کیوں نہیں ملے یہ سوال ساری زندگی کسی آسیب کی طرح میرا پیچھا کرتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ہمیں اندر بلا لیا ادھر ایک بڑی میز کے ارد گرد بی ایس ایف کے کچھ افسر اور ایس پی جالا بیٹھے ہوئے تھے جالا نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا یہ پریس رپورٹر ہے اس کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا وہ آدمی شکل سے ہی ہندو لگ رہا تھا وہ مجھے ساتھ والے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا انیتا کور میرے ساتھ تھی اس آدمی نے اسے یہ کہہ کر باہر بھیجا کہ اس نے مجھ سے علیحدہ بات کرنی ہے اس کے جانے کے بعد اس نے ایک فائل کھولی اور رازدارانہ انداز میں بولا آپ مجھ سے خوفزدہ نہ ہوں میں ایک پریس رپورٹر ہوں اور آپ کی مدد کروں گا مجھے معلوم تھا کہ یہ سب دھوکہ ہے ان خبیثوں کی چال ہے اس لئے میں اس بات پر خاموش رہی وہ بولا ان کا کہنا ہے کہ آپ غازی بابا کی بیوی ہیں آپ سچ سچ بتا دیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں یہ خبر اخبار میں لگواؤں گا اس طریقے سے آپ کی گرفتاری کی تصدیق ہو جائے گی اور یہ لوگ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے میں نے اس سے الٹا سوال کیا کہ آپ کس اخبار سے تعلق رکھتے ہو؟

اس نے جو نام بتایا وہ میں نے پہلی بار سنا تھا وہ بولا اردو میں بات کرو میں نے جواب دیا میں پڑھی لکھی نہیں ہوں اس نے کہا ٹھیک ہے آپ میرے سوالوں کا جواب کشمیری میں ہی دے دو میں سمجھنے کی کوشش کروں گا پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک وہی سوالات کئے جو ہم پچھلے چار دنوں سے سنتے آ رہے تھے میرا خود کو ان پڑھ ظاہر کرنا میرے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہوا انڈین آرمی اور تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کو معلوم تھا کہ غازی بابا کی بیوی پڑھی لکھی ہے لیکن ان چار دنوں میں میری وہ حالت بن گئی تھی کہ میں بالکل اجڑی ہوئی نظر آ رہی تھی وہ شخص بھی ایجنسی کا ہی آدمی تھا اس نے باہر آ کر افسروں کو انگریزی میں کہا کہ یہ ایک گنوار اور ان پڑھ عورت ہے یہ غازی بابا کی بیوی نہیں ہے جالا نے مجھ سے پوچھا اگر آپ سوپور کی ہیں تو آپ کا

شوہر آپ کو ملنے کے لئے ادھر کیوں نہیں آتا؟ میں نے کہا وہ ایک سادہ اور مزدور آدمی ہے ادھر آنے سے ڈرتا ہوگا کہ کہیں اسے بھی گرفتار نہ کرلیا جائے غازی بابا شہیدؒ کے جسم کے ٹکڑے میری آنکھوں کے سامنے تھے انہیں دیکھ کر میرا جسم کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جالا نے مجھ سے پوچھا تم اتنا رو کیوں رہی ہو؟ میں نے بچی کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ میری بیٹی بیمار ہے اس کو ڈر کی وجہ سے شاک لگا ہوا ہے نہ بولتی ہے اور نہ ہنستی ہے ان کافروں کے مظالم دیکھ کر فاطمہ کے نازک دل پر واقعی ان کا خوف چھا گیا تھا کوئی بھی فوجی نظر آتے ہی وہ میری آغوش میں چھپ جاتی اور آنکھیں جھپکانا بھی بھول جاتی تھی اس وقت بھی وہ میری گود میں سہمی ہوئی تھی میں نے جالا سے التجا کی کہ ہم بے قصور ہیں آپ ہمیں رہا کر دیں ورنہ میری بیٹی مر جائے گی اس نے کہا میں آپ کو اس شرط پر چھوڑوں گا کہ جس وقت آپ کو پوچھ تاچھ کے لئے بلایا جائے تم نے آنا ہوگا۔ میں نے کہا ہاں میں کسی بھی وقت حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں اس نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور وہ صفا کدل والے افسر کو دے دیا خانیار سے واپس آتے ہوئے مجھے رہائی کی امید نظر آرہی تھی مگر یقین پھر بھی نہ تھا۔

صفا کدل والوں نے کچھ کاغذات پر ہمارے دستخط وغیرہ لئے میں نے انگوٹھے کا نشان لگایا کیونکہ ان کی نظروں میں میں ان پڑھ تھی پھر انہوں نے پوچھا کہ ہم آپ کو کہاں چھوڑیں ہم نے کہا ہمیں ہسپتال چھوڑ دیں پھر وہ ہمیں برزلہ ہسپتال میں لے گئے جہاں شفیع بھائی زیر علاج اور زیر حراست تھے ادھر بی ایس ایف والے موجود تھے انہوں نے شبنم باجی سے بھی تاکیداً کہا کہ جب ہم کہیں گے اس کو حاضر کرنا ہے جاتے جاتے صفا کدل تھانے کے ایک پولیس اہلکار نے شبنم دیدی سے کہا کہ اس کو غائب کر دینا بی ایس ایف والے اس کو نہیں چھوڑیں گے بی ایس ایف والوں نے پہلے دن ہی اعلان کیا تھا کہ غازی بابا شہیدؒ کی بیوی ہماری حراست میں ہے، ہم نے اس کو خفیہ رکھا ہوا ہے اور غازی بابا شہیدؒ کی شناخت بھی اس نے کی ہے یہ خبر ہر اخبار میں آئی مگر اس میں ذرہ برابر بھی حقیقت نہ تھی ان کی پہچان کسی اور ذرائع سے کی گئی تھی شبنم دیدی رات کے لئے ہمیں برزلہ میں ہی اپنی ایک سہیلی کے گھر چھوڑ گئی اور خود واپس ہسپتال چلی گئی۔

پانچویں روز میں رہا ہوگئی اور اس دن غازی بابا شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرقد میں جا سویا۔ جب تک میں جیل میں تھی تب تک وہ دفن نہیں ہوئے میرے ساتھ رہے اور ان کی روح میرے اوپر سایہ کیے ہوئے تھی اور بھی کئی مخلصین اور مجاہدین کی دعائیں تھیں کہ میں ان درندوں سے بچ نکلی اللہ رب العزت نے انہیں اندھا کر دیا اور مجھ پر اپنی کھلی نصرت بھیج دی میری رہائی کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ وہی غازی بابا شہیدؒ کی بیوی تھی جیل سے باہر آ کر مجھے لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی طوفان گذر گیا ہے اور چمن کی فضائیں ماتم کر رہی ہیں جس پھول سے بہاروں میں حسن ہوتا تھا وہ پھول مرجھا گیا تھا مجھے جہادی شہیدؒ کے الفاظ یاد آ رہے تھے کہ

اک نہ اک دن تم سے بچھڑ جائیں گے
ڈھونڈو گے بھی تو ہم نہ نظر آئیں گے

آج وہ بالکل اس نظم کے مصداق بنے بیٹھے تھے آج ہر نظر ان کو ڈھونڈ رہی تھی انہیں تلاش کر رہی تھی مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہے تھے پورا کشمیر سراپا غم واندوہ بن گیا تھا میرے پاس وہ قلم کہاں وہ الفاظ کہاں اور وہ اسلوب کہاں ہے؟ جس سے میں اس کیفیت کو بیان کر سکوں۔

شبنم دیدی صبح میرے پاس پہنچی انہوں نے مجھے ایک پرانا برقعہ لا کر دیا میں نے برقعہ اوڑھا اور سیرت فاطمہ کو اس کے اندر چھپا لیا کیونکہ وہ میرا بہت بڑا ثبوت تھی اور سرینگر کے تمام کیمپوں نے اس کو دیکھا ہوا تھا وہاں سے میں ایک نئے اور کٹھن سفر کی شروعات کر رہی تھی جہاں قدم قدم پر اس مخلص ہمسفر کی یادیں تھیں مگر اب صرف آہیں اور سسکیاں میری رفیق تھیں۔ لیکن میں پرعزم تھی کہ میں بھارتی فوجیوں سے جہادی کے خون کا بدلہ لوں گی میں کرن نگر کیمپ پر فدائی حملہ کر کے جہادی شہیدؒ کے نشیمن تک پہنچوں گی میں ساری زندگی جہاد کرتی رہوں گی اور میرا ہر کام ہندوستان کے خلاف ہوگا برزلہ سے نکل کر ہم ڈلگیٹ پہنچے وہاں سے ہمارے راستے الگ ہو رہے تھے شبنم دیدی نے مجھے پچاس روپے کا نوٹ دیتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے کہا میری بہنا مجھے معلوم ہے کہ یہ رقم بہت تھوڑی ہے لیکن میں اس وقت آپ کے لئے صرف اتنا ہی کر سکی میں وہ پچاس روپے کا نوٹ مٹھی میں دبا کر جھیل ڈل کے کنارے کھڑی سوچ رہی تھی کہ

جہادی رحمۃ اللہ علیہ! یہ آپ مجھے زندگی کے کس موڑ پر لا کر تنہا چھوڑ گئے ہیں۔

جو شخص بات بات پر کہتا تھا مجھ کو جان
وہی شخص آج مجھ کو بے جان کر گیا
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا